بیرونی ارباب کمال
اور
حیدر آباد

ڈاکٹر سید داؤد اشرف
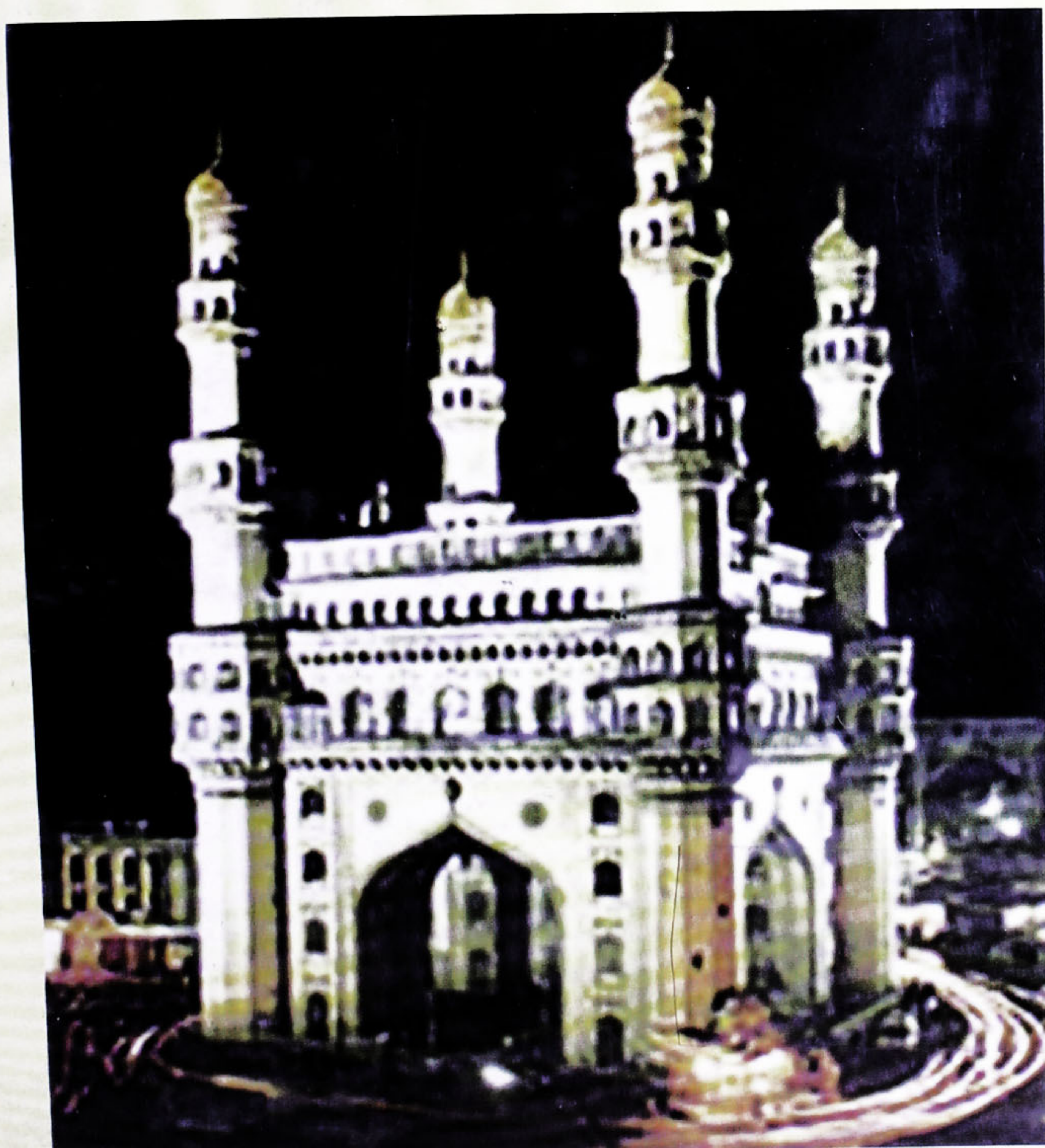
بیرونی ارباب کمال
اور
حیدر آباد

(آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
کے ریکارڈ سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر قلم بند کیے گئے تحقیقی مضامین)

ڈاکٹر سید داؤد اشرف

Beruni Arbab-i-Kamal
Aur Hyderabad

Collection of research articles

By : Dr. Syed Dawood Ashraf

سنہ اشاعت : ۲۰۰۵ء

تعداد : ۵۰۰

کمپیوٹر کتابت : SAM کمپیوٹرس، متصل عشرت محل، مغل پورہ، حیدرآباد

فون: 5571 3027، سیل: 924637 3027

طباعت : سلور لائن پرنٹنگ پریس، وجئے نگر کالونی، حیدرآباد

قیمت : ۲۰۰ روپے

ناشر : شگوفہ پبلیکیشنز

ملنے کے پتے

- سیل کاونٹر، روزنامہ سیاست، حیدرآباد
- دفتر شگوفہ، ۳۱ مجرد گاہ، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد
- حسامی بک ڈپو، چارکمان، حیدرآباد

انتساب

اپنے لختِ جگر

سید علی ارسلان کے نام

جس نے جواں سالی میں داغ مفارقت دے کر ماں باپ کی زندگی ویران، اجیرن اور بے جان کر دی۔ وہ میرے مضامین اور کتابوں کی اشاعت پر بے حد خوش اور مسرور رہا کرتا تھا۔ آج اس کتاب کی اشاعت پر بھی وہ مجھے اپنے آس پاس خوش، ہنستا اور مسکراتا نظر آ رہا ہے۔

فہرست

○☆○

پیش لفظ

سابق ریاست حیدرآباد کی تاریخ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر قلم بند کیے گئے مضامین پر مشتمل میری اردو میں سات اور انگریزی میں ایک کتاب اس طرح آٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی اردو کتاب ''بیرونی مشاہیر ادب اور حیدرآباد'' میں بارہ بیرونی مشاہیر ادب پر مضامین شامل ہیں جن کی ریاست حیدرآباد سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستگی رہی تھی۔ ان بیرونی مشاہیر ادب نے یا تو ریاست حیدرآباد میں ملازمت کی تھی یا انہیں کسی خاص کتاب یا تصنیف کی تکمیل اور اشاعت کے لیے مالی امداد دی گئی تھی یا انہیں علمی و ادبی خدمات انجام دینے کے لیے تاحیات وظیفے جاری کیے گئے تھے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد میں نے متعدد مضامین ایسی باکمال بیرونی شخصیتوں کے بارے میں تحریر کیے جو کسی نہ کسی انداز میں ریاست حیدرآباد سے وابستہ رہی تھیں۔ ان باکمالوں میں ادیبوں، شاعروں، عالموں، لغت نویسوں کے علاوہ ماہرین نظم و نسق، ماہرین تعلیم، سائنس داں، فن کار اور قومی قائد شامل ہیں۔ یہ مضامین میری بعد کی پانچ کتابوں ''حاصل تحقیق''، ''نقوش تاباں''، ''قدر داں حیدرآباد''، ''اوراق مورخ'' اور ''گذشتہ حیدرآباد۔ آرکائیوز کے آئینے'' میں شامل ہیں۔

ان چھ کتابوں کے مضامین آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے مستند اور معتبر ریکارڈ سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر تحریر کیے گئے تھے جن سے ان نامور شخصیتوں کی حیدرآباد سے وابستگی سے متعلق نیا اور اہم مواد منظر عام پر آیا۔

متذکرہ بالا مشاہیر پر مضامین کے شائع ہونے کے بعد مجھے ان کے بارے میں مزید مواد

اور معلومات دستیاب ہوئیں جن سے استفادہ کرتے ہوئے میں نے ان پر نظر ثانی کی اور ان مضامین میں اضافہ کیا۔ چھ کتابوں میں شائع شدہ ان مضامین کے علاوہ میں نے چند نئے مضامین بھی قلم بند کیے۔ اب یہ جملہ اکتیس مضامین اس کتاب میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ مختلف کتابوں میں شامل مضامین اور چند نئے مضامین کو اس کتاب میں شامل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بیشتر ممتاز بیرونی مشاہیر کی ریاست حیدرآباد سے وابستگی کے بارے میں مستند اور اہم مواد یکجا ہو جائے۔

ریاست حیدرآباد سے بیرونی مشاہیر کی بہت بڑی تعداد وابستہ رہی ہے۔ ان سب پر مضامین تحریر کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ ایک شخص کے لیے تمام مشاہیر کے بارے میں آرکائیوز کے ریکارڈ سے مواد حاصل کرنا اور پھر اس کی مدد سے مضامین تحریر کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ چند اہم مشاہیر جیسے حالی اور ڈپٹی نذیر احمد ایسی شخصیتیں ہیں جن کا ریاست حیدرآباد سے گہرا تعلق رہا ہے لیکن مجھے تلاش بسیار کے باوجود آندھرا پردیش آرکائیوز کے ریکارڈ میں ان سے متعلق قابل ذکر مواد دستیاب نہیں ہوا۔ چند دیگر اہم بیرونی مشاہیر جیسے سرسید، محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، عزیز مرزا، نظم طباطبائی، جلیل مانک پوری اور اقبال پر دوسرے مصنفین نے جو مضامین اور مقالے لکھے ہیں اور کتابیں شائع کی ہیں ان میں آندھرا پردیش آرکائیوز کے ریکارڈ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اگر ان شخصیتوں کے بارے میں کچھ نیا مواد دستیاب ہو یا چند نئے پہلوؤں کو اجاگر کرنا ضروری سمجھا جائے تو میں اس بارے میں ضرور مضامین لکھوں گا۔

اس کتاب میں شامل مشاہیر پر مضامین کو مختلف زمروں کے تحت ترتیب دینے کی بجائے انہیں ریاست حیدرآباد میں ملازمت، کسی کتاب یا علمی پراجکٹ کی تکمیل اور اشاعت کے لیے امداد کے اجرا یا علمی و ادبی کام جاری رکھنے کے لیے دیے گئے وظیفے کی منظوری کی تاریخ اور سنہ کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ عماد الملک، مولوی عبدالحق، ظفر علی خاں اور سر راس مسعود کو ریاست حیدرآباد میں ملازمت اختیار کرنے کے برسوں بعد علی الترتیب قرآن مجید کے انگریزی ترجمے، اردو لغت کی تیاری، خیابان فارس اور جاپان کا تعلیمی نظم ونسق کی اشاعت کے لیے مالی

امداد کی منظوریاں دی گئیں ۔علمی پراجکٹوں اور کتابوں پر لکھے گئے ان مضامین کو تاریخ اور سنہ کا لحاظ کیے بغیر ان مشاہیر کے ساتھ ہی جوڑا گیا ہے ۔

اس کتاب میں شامل جن بیرونی ارباب کمال پر مضامین شامل ہیں ان میں سے کئی ریاست حیدرآباد میں اہم عہدوں پر فائز تھے ۔ ان میں بعض جیسے داغ ، مولوی عبدالحق ،شبلی نعمانی ، عبداللہ عمادی ، جوش اور فانی یہاں ملازمت حاصل کرنے کے خواہاں تھے اور اسی لیے حیدرآباد آئے تھے ۔جن مشاہیر کو ریاست حیدرآباد نے ملازمت کی پیشکش کی تھی اور دعوت دی تھی ان میں عمادالملک ، اکبر حیدری ، غلام یزدانی ،مولانا فراہی ، راس مسعود ،عبدالماجد دریابادی ، ہاشمی فریدآبادی ،مرزا ہادی رسوا ،عنایت اللہ دہلوی اور مار ماڈیوک پکتھال شامل ہیں ۔عبدالحلیم شرر اور ظفر علی خاں نواب میر محبوب علی خاں آصف سادس کے عہد میں حیدرآباد میں برسر ملازمت ہی تھے کہ انہیں چند الزامات کی بنیاد پر ریاست بدر کردیا گیا تھا مگر نواب میر عثمان علی خان آصف سابع نے اپنے دور حکمرانی میں ظفر علی خان کا دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں بطور مترجم اور عبدالحلیم شرر کا تاریخ اسلام تالیف کرنے کے لیے تقرر کیا ۔ان ماہرین فن کی خدمات حاصل کرنے کے لیے حکومت ریاست حیدرآباد نے اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کیا تھا اور انہیں اعلیٰ خدمتوں پر بڑی تنخواہوں کے ساتھ فائز کیا تھا ۔اس سے ریاست حیدرآباد کے حکمران اور ان کی حکومت کی جوہر شناسی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔ان باکمال شخصیتوں میں سے اکثر ملازمت کے اختتام یا وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہونے پر وطن لوٹ گئے لیکن چند شخصیتوں نے حیدرآباد کو اپنا وطن ثانی بنالیا تھا اور مستقل طور پر یہیں سکونت پذیر ہوگئے تھے ۔ داغ ،عمادالملک ،مرزا ہادی رسوا ، فانی ، اکبر حیدری ،عبداللہ عمادی اور غلام یزدانی کا حیدرآباد میں انتقال ہوا اور وہ یہیں اپنی ابدی آرام گاہ میں محو خواب ہیں ۔

میں سولہ سترہ برس سے مستند مواد کی بنیاد پر سابق ریاست حیدرآباد کے بارے میں تحقیقی مضامین لکھ رہا ہوں اور آج تک اس موضوع پر مضامین قلم بند کرنے کا سلسلہ جاری ہے ۔ میرے یہ تمام مضامین روزنامہ سیاست میں شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اس

کتاب کے بھی تمام مضامین روزنامہ سیاست میں شائع ہو چکے ہیں۔ میرے کرم فرما محترم عابد علی خاں مرحوم، محترم محبوب حسین جگر مرحوم اور محترم جناب زاہد علی خاں صاحب میرے مضامین میں اہم اور ناقابل تردید مواد کی اہمیت کے پیش نظر انہیں اپنے موقر روزنامے میں نمایاں طور پر شائع کرتے رہے ہیں۔ روزنامہ سیاست میں اشاعت کی وجہ سے یہ مضامین بے شمار قارئین کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ ان مضامین کو اردو دنیا کے بہت وسیع حلقے تک پہنچانے کے لیے میں ادارۂ سیاست اور محترم جناب زاہد علی خان صاحب کا بے حد ممنون ہوں۔ روزنامۂ سیاست میں شائع شدہ یہ مضامین نظر ثانی اور نئے مواد کے اضافے کے ساتھ اس کتاب میں شائع کیے جارہے ہیں۔

مجھے ہمیشہ کی طرح اس کتاب کی اشاعت کے ارادے پر مضامین کے انتخاب، ان پر نظر ثانی اور ترتیب کے لیے اپنے بے حد مخلص دوست جناب اعجاز قریشی کا مکمل تعاون حاصل رہا۔ میں اپنی کتابوں کی اشاعت کے مختلف مرحلوں پر اپنے دیرینہ رفیق ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال سے صلاح ومشورہ کرتا رہا ہوں اور اس کتاب کی اشاعت کے لیے بھی مجھے ان سے مفید مشورے حاصل رہے۔ میرے بچپن کے گہرے اور مخلص دوست جناب سید جمیل احمد میرے تحقیقی مضامین اور کتابوں کی اشاعت پر ہمیشہ میری قدر افزائی کرتے رہے ہیں۔ ان احباب کا شکریہ ادا کرنا محض رسمی بات ہوگی۔ میں صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ ان مخلص احباب کی محبتیں اور عنایتیں میری زندگی کا قیمتی اثاثہ ہیں۔

مضامین کی کمپوزنگ میں SAM کمپیوٹرس، مغل پورہ نے بڑی توجہ اور احتیاط روا رکھی۔ کتاب کی طباعت اور اس کے سرورق کی تزئین میں جناب الطاف حسین مالک سلور لائن پرنٹنگ پریس، وجئے نگر کالونی نے خصوصی دلچسپی لی۔ میں ان حضرات کے مخلصانہ تعاون کا بے حد شکر گزار ہوں۔

سید داؤد اشرف

عمادالملک

سابق ریاست حیدرآباد میں بیرون ریاست سے آنے والی شخصیتوں میں بہت کم شخصیتیں عمادالملک کی طرح محترم اور منفرد رہی ہیں۔ سالار جنگ اول (دور مدارالمہامی ۱۸۵۳ء-۱۸۸۳ء) نے اپنی اصلاحات کے نفاذ کے سلسلے میں بیرون ریاست سے تعلیم یافتہ، قابل اور تجربہ کار اشخاص کو مدعو کیا تھا۔ سالار جنگ اول کے بعد بھی ریاست میں باہر سے آنے والوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بڑی بڑی شخصیتیں آئیں لیکن ان میں سے اکثر شخصیتوں نے اپنی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی وجہ سے حکمران وقت کو ناراض کیا اور نتیجتاً انہیں حیدرآباد چھوڑنا پڑا لیکن عمادالملک ان گنی چنی شخصیتوں میں سے تھے جو سازشوں سے دور رہے اور جنہیں ہمیشہ اپنے کام سے کام رہا۔ انہوں نے حکمران اور ریاست کی بہتری اور مفاد کے لیے خدمات انجام دیں اور تادم مرگ پوری عزت اور احترام کے ساتھ حیدرآباد میں رہے۔

عمادالملک کا اصل نام سید حسین بلگرامی تھا۔ وہ ۱۸۴۲ء میں صاحب گنج (گیا) میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق بلگرام کے ایک ممتاز سادات گھرانے سے تھا۔ ان کے والد سید زین الدین حسین خان اور چچا سید اعظم الدین خان بہار میں تعلقہ دار اور ناظم عدالت جیسے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ سید حسین بلگرامی نے عربی و فارسی کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ بعد ازاں وہ انگریزی

مدارس میں شریک کروائے گئے۔ انہوں نے میٹرک، انٹر اور بی اے کے امتحانات میں درجہ اول میں کامیابی حاصل کی۔ کالج کی تعلیم مکمل کرنے تک انہیں عربی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل ہوگیا تھا اور وہ دونوں زبانوں کا صحیح اور اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ انہیں ذاتی قابلیت اور خاندانی اثرات کی وجہ سے کوئی بھی اعلیٰ سرکاری ملازمت مل سکتی تھی لیکن انہوں نے اعلیٰ سرکاری ملازمت کی بجائے لکھنو کے کیننگ کالج میں شعبہ عربی کی ملازمت کو ترجیح دی۔

ریاست حیدرآباد کے مدار المہام سالار جنگ اول کے طلب کرنے پر سید حسین بلگرامی ۱۸۷۳ء میں حیدرآباد آئے۔ حیدرآباد آنے پر وہ سالار جنگ سے وابستہ ہوئے اور ۱۸۸۳ء میں سالار جنگ کے انتقال تک ان کے پرائیوٹ سکریٹری جیسی اہم خدمت پر فائز رہے۔ انہوں نے یہ خدمت بڑی محنت، قابلیت اور ذمے داری کے ساتھ نبھائی جس کی وجہ سے انہیں سالار جنگ کا بھرپور اعتماد حاصل رہا۔ نواب میر محبوب علی خان سن بلوغ کو پہنچنے پر حکمرانی کے کامل اختیارات کے ساتھ ۵ فبروری ۱۸۸۴ء کو تخت نشین ہوئے اور عماد السلطنت نواب میر لائق علی خان سالار جنگ دوم مدار المہام مقرر کیے گئے۔ چند روز بعد حکومت کو صلاح و مشورہ دینے کے لیے کونسل آف اسٹیٹ کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر نشین خود حکمران ریاست نواب میر محبوب علی خان آصف سادس تھے اور سید حسین بلگرامی سکریٹری تھے۔ کرنل مارشل کی ۱۸۸۹ء میں سبکدوشی پر وہ آصف سادس کے پرائیوٹ سکریٹری مقرر کیے گئے۔ ان کی لیاقت اور اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر انہیں ریاست حیدرآباد میں اہم ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں لیکن ان کی دلچسپی اور ایما پر انہیں ناظم تعلیمات کے عہدے پر قائم اور برقرار رکھا گیا جہاں سے وہ ۱۸۰۷ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ ریاست حیدراباد میں درحقیقت ان ہی کے دور نظامت سے تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس ریاست میں تعلیم کی ترقی و اشاعت میں ان کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ آصف سادس کے عہد میں اعلیٰ خدمات انجام دینے کے اعتراف میں انہیں ۲۳ جمادی الاول ۱۳۰۱ھ م ۲۰ اپریل ۱۸۸۴ء کو جشن نو روز کے موقع پر علی یار خان بہادر موتمن جنگ، ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۰۴ھ م ۲۴ مارچ ۱۸۸۷ء بتقریب جشن نو روز عماد الدولہ اور ۲۶

ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ م ۱۰ دسمبر ۱۸۹۰ء بتقریب جشن سالگرہ آصف سادس عماد الملک کا خطاب دیا گیا۔

نواب میر عثمان علی خان آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء کے ذریعے میر یوسف علی خان سالار جنگ سوم کو مدار المہام مقرر کیا۔ اس وقت سالار جنگ سوم نوجوان تھے اور انہیں نظم و نسق کا تجربہ نہیں تھا۔ اس لیے آصف سابع نے مذکورہ بالا فرمان ہی میں عماد الملک کو ان کا مشیر مقرر کرنے کے احکام دیے۔ یہی عماد الملک سالار جنگ سوم کے دادا سالار جنگ اول کے با اعتماد معتمد رہ چکے تھے۔

عماد الملک ۱۹۰۲ء میں دو سال کے لیے امپیریل لجسلیٹو کونسل کے رکن مقرر ہوئے۔ حکومت ہند نے انہیں ۱۹۰۳ء میں یونیورسٹی کمیشن کا رکن نامزد کیا۔ اس کے علاوہ وہ ۱۹۰۷ء میں انڈین کونسل لندن کے بھی رکن منتخب ہوئے تھے۔ یہ پہلے ہندوستانی مسلمان تھے جنہیں اس کونسل میں شامل کیا گیا تھا۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے پہلے جلسہ تقسیم اسناد (کانووکیشن) منعقدہ ۲۳ آبان ۱۳۳۴ف م ۲۸ ستمبر ۱۹۲۵ء میں عماد الملک کو ریاست میں تعلیم کی ترقی کے لیے غیر معمولی خدمت انجام دینے کے صلے میں ایل ایل ڈی کی ڈگری دی گئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی جانب سے دی جانے والی یہ پہلی اعلیٰ اعزازی ڈگری تھی۔

عماد الملک ماہر نظم و نسق اور ماہر تعلیم ہونے کے علاوہ ایک عالم، ادیب، محقق، مترجم اور دانشور بھی تھے۔ ان کے علمی ذوق، کتابوں سے محبت اور علم و ادب کی سرپرستی کے چرچے آج بھی سننے میں آتے ہیں۔ دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ ان کے علمی ذوق کی یادگاریں ہیں۔ علم و ادب سے محبت اور لگاؤ کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہر اچھے علمی و ادبی کام کی تکمیل میں دلچسپی لیتے تھے۔ خود مالی اعانت کرتے اور سفارش کر کے دوسروں اور حکومت سے بھی مالی امداد دلواتے تھے۔ عماد الملک اپنے علم و فضل، بے دریغ علمی سرپرستی، بے لوث خدمات، حق گوئی، اصول پسندی اور اعلیٰ کردار کی وجہ سے سابق ریاست حیدرآباد کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں

گے ۔ عماد الملک نے حیدرآباد میں زائد از نصف صدی سرگرم، سود مند اور موثر زندگی گزاری ۔ ان کا ۳ جون ۱۹۲۶ء کو انتقال ہوا اور وہ یہیں پیوند خاک ہوئے ۔

عماد الملک نے آصف سابع کی اتالیقی کے فرائض بھی انجام دیے تھے لیکن اس بارے میں تفصیل سے نہیں لکھا گیا ہے ۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں بڑی تلاش و جستجو کے بعد جو ریکارڈ دستیاب ہوا ہے اس سے یہ تفصیلات منظر عام پر آ رہی ہیں کہ نواب میر محبوب علی خان آصف سادس نے نواب عماد الملک کو اپنے فرزند اور ریاست کے ولی عہد میر عثمان علی خان کا اتالیق مقرر کیا تھا جنہوں نے ساڑھے چھ سال تک یہ فرائض انجام دیے تھے ۔ ابتدا میں انگریزی کے علاوہ عربی، فارسی، اردو اور انتظامی امور کی تعلیم نواب عماد الملک کے ہی ذمے تھی ۔ بعد میں انگریزی پڑھانے کے لیے ایک انگریز استاد ایجرٹن کا تقرر عمل میں آیا تھا ۔ عماد الملک نے بعد ازاں اس ساڑھے چھ سال کی مدت کے معاوضے کے لیے جو درخواست دی تھی اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اتالیق کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کا کوئی معاوضہ الگ سے انہیں نہیں دیا گیا تھا ۔ چنانچہ نواب میر عثمان علی خان کے حکمراں بننے کے چند ہی مہینوں بعد نواب عماد الملک نے مہاراجا سر کشن پرشاد کو جو اس وقت مدار المہام تھے ایک درخواست روانہ کی تھی جس میں انہوں نے مہاراجا سے استدعا کی تھا کہ وہ انہیں واجبی اور معقول ماہوار مقرر کرنے کی سفارش کریں ۔ عماد الملک کی درخواست سے آصف سابع کی تعلیمی قابلیت کے بارے میں بھی اشارے ملتے ہیں ۔ عماد الملک نے لکھا تھا کہ جب ولی عہد میر عثمان علی خان کو انگریزی پڑھانے ایجرٹن کا تقرر ہوا اس وقت تک عثمان علی خان نواب عماد الملک کے زیر نگرانی انگریزی میں کافی مہارت حاصل کر چکے تھے اور عربی و فارسی میں اس قدر قابلیت حاصل کر چکے تھے کہ سید شوشتری جیسے جید عالم کو اس پر حیرت ہوئی تھی ۔ آصف سابع نے عماد الملک کی درخواست کے بارے میں صلاح و مشورہ کرنے کے بعد انہیں اتالیقی کے معاوضے کے طور پر یکمشت پندرہ ہزار روپے منظور کیے ۔

اس سلسلے میں جو سرکاری کارروائی ہوئی تھی اس کی تفصیل یہ ہے ۔

نواب عماد الملک نے حسب ذیل درخواست مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۲ء مہاراجا سر کشن پرشاد مدارالمہام کے نام روانہ کی تھی۔

"یورا کسلنسی

میں موجودہ اعلیٰ حضرت کا کئی سال تک اتالیق رہا۔ ابتدا میں کل تعلیم میرے ہی ذمے تھی اور مسٹر ایجرٹن کے تقرر کے بعد بھی السنہ مشرقی اور انتظامی کام کا میں ہی اتالیق رہا۔ اس خدمت کا مجھے کبھی بھی کسی قسم کا معاوضہ نہیں ملا۔ میں اب یورا کسلنسی سے استدعا کرتا ہوں کہ یہ معاملہ آصف سابع کی خدمت میں پیش کریں۔ اگر آصف سابع میری خدمات کی عوض کچھ رقم مرحمت فرمانا پسند فرمائیں تو اس سے مجھے بڑی مدد ملے گی۔ آصف سابع بخوبی واقف ہیں کہ میں نے کس محنت سے یہ فرائض انجام دیے تھے۔ جب مسٹر ایجرٹن آئے تو اس وقت تک آصف سابع کو انگریزی میں کافی مہارت حاصل ہو چکی تھی اور عربی و فارسی میں ان کی قابلیت ایسی تھی کہ اس سے سید علی شوشتری مرحوم جیسے شخص کو جن کا براعظم ایشیا کے عظیم ترین عالموں میں شمار ہوتا ہے حیرت ہوئی تھی۔ مجھے جو معاوضہ ملنا چاہیے اس کا تعین کرنا میرا کام نہیں ہے۔ میں اسے اعلیٰ حضرت کی فیاضی پر چھوڑتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرے مطالبے کی تائید فرمائیں گے اور مجھے ایک واجبی ماہوار دیے جانے کی سفارش فرمائیں گے۔ میں نے کتنے سال یہ خدمت انجام دی تھی اس کی صحیح تعداد کے بارے میں ایک یاداشت روانہ کروں گا۔

مخلص

سید حسین بلگرامی"

عماد الملک نے اسی روز اسی نوعیت کی ایک اور درخواست فریدوں جنگ کے نام بھی روانہ کی۔ مہاراجا سر کشن پرشاد مدارالمہام نے عماد الملک کی درخواست پر ایک عرضداشت مورخہ ۳ فبروری ۱۹۱۲ آصف سابع کے ملاحظے میں پیش کی جس کے ساتھ عماد الملک کی انگریزی درخواست کا اردو ترجمہ بھی منسلک تھا۔ مہاراجا نے اس عرضداشت میں عماد الملک کی درخواست کا خلاصہ درج کرتے ہوئے لکھا کہ وہ عماد الملک کے زمانہ اتالیقی کی کارگزاری سے واقف نہیں

ہیں اور نہ ہی انہیں اس امر کا علم ہے کہ عماد الملک کے کام کا صلہ مرحمت فرمانے کے متعلق غفران مکان (آصف سادس) کا کیا منشا تھا۔ چونکہ آصف سابع سے بہتر عماد الملک کی کارگزاری سے کوئی اور واقف نہیں ہے لہذا اس درخواست کی نسبت آصف سابع کا جو ارشاد ہوگا اسی پر عمل کیا جائے گا۔

مہاراجا کی عرضداشت پیش ہونے کے تقریبا ایک سال بعد آصف سابع کا فرمان مورخہ ۲۸ محرم ۱۳۳۱ھ م ۷ جنوری ۱۹۱۳ جاری ہوا۔ مہاراجا سرکشن پرشاد کی جگہ سالار جنگ سوم مدارالمہام بن چکے تھے۔ پتہ نہیں اس سلسلے میں آصف سابع کے فرمان جاری ہونے میں کیوں اتنی تاخیر ہوئی تھی۔ فرمان کا متن درج ذیل ہے۔

"میری اتالیقی کی خدمت جو عماد الملک بہادر نے تقریبا ساڑھے چھ سال تک ادا کی تھی اس کا الاونس ان کو ملنے کے بارے میں مدار المہام سابق کی عرضداشت کی نقل ملفوف ہے۔ اس زمانے عماد الملک بہادر کو تنخواہ ناظم تعلیمات (۱۲۰۰) اور متفرقات سے پرسنل الاونس (۸۰۰) جملہ دو ہزار ماہانہ کی یافت تھی۔ اب مذکور الاونس کی نسبت تمہاری اور فریدوں جنگ بہادر کی رائے عرض کی جائے کہ کس حساب سے کس قدر رقم یا یکمشت کس قدر رقم دینا بہمہ وجوہ مناسب واحسن ہوگا"۔

اس حکم کے جاری ہونے کے صرف چار روز بعد آصف سابع کا ایک اور حکم مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۱۳ سالار جنگ سوم، مدار المہام کے نام جاری ہوا۔ "عماد الملک بہادر کی اتالیقی کی خدمت کے الاونس کی نسبت میں نے ۲۸ محرم ۱۳۳۱ھ کو جو حکم لکھا ہے اس کے متعلق مسٹر گلانسی معین المہام فینانس کی رائے بھی لے کر عرض کی جائے کیونکہ یہ رقم دیوانی سے ادا کرنی ہوگی"۔ اس حکم کی تعمیل میں فریدوں جنگ بہادر نے ایک راز کا مکتوب مورخہ ۱۳ جنوری مسٹر گلانسی کو تحریر کیا جس کے ساتھ عماد الملک کی درخواست، مہاراجا کی عرضداشت اور آصف سابع کے دو احکام کی نقلیں بھی منسلک کی گئی تھیں۔ مسٹر گلانسی نے حسب ذیل جوابی مکتوب مورخہ ۱۵ جنوری میں فریدون جنگ کو تحریر کیا۔

"آپ کا مکتوب وصول ہوا جس کے ساتھ نواب عماد الملک بہادر کی درخواست اور اس سے متعلق کاغذات روانہ کیے گئے ہیں اور نواب عماد الملک کی اتالیقی کے معاوضے کے بارے میں میری رائے طلب کی گئی ہے۔ میں اپنے جواب میں کہنا چاہوں گا کہ آصف سابع کا یہ ارشاد ہوا ہے کہ اتالیقی کے معاوضے کی رقم خزانہ دیوانی سے ادا کی جائے۔ یہ صورت مسٹر ایجرٹن کے معاملے سے جداگانہ ہے جن کو معاوضہ خزانہ صرفخاص سے ادا کیا جاتا تھا۔ اگر آصف سابع کا یہ خیال ہے کہ نواب عماد الملک کو اتالیقی کا معاوضہ خزانہ دیوانی سے ادا کیا جائے تو بے شک ایسا ہونا ہی چاہیے لیکن میں اس امر کا عرض کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میرے علم میں ایسی ایک ہی نظیر ہے لیکن یہ معاملہ اس کے موافق اور مطابق نہیں ہے۔ نواب عماد الملک جس زمانے میں آصف سابع کے اتالیق تھے اس وقت وہ دیوانی سے اچھی تنخواہ پاتے تھے لیکن آصف سابع کا یہ خیال ہے کہ ان کو مزید معاوضہ دیوانی سے ملنا چاہیے تو میں یہ رائے دوں گا کہ ان کو یکمشت دس ہزار روپے دیے جائیں۔ نواب عماد الملک مسٹر ایجرٹن کی طرح اتالیقی کے فرائض انجام دینے میں اپنا سارا وقت صرف نہیں کرتے تھے۔ فی الحقیقت وہ ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ ساتھ ہی ساتھ دوسرے اہم کام کے لیے دیوانی سے ایک بڑی تنخواہ پاتے تھے۔"

مسٹر گلانسی کی رائے وصول ہونے کے بعد سالار جنگ سوم مدارالمہام نے ایک تفصیلی عرضداشت مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۱۳ آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کی۔ اس عرضداشت میں مسٹر گلانسی کی رائے کا خلاصہ درج کرنے کے بعد سالار جنگ نے لکھا کہ اس بارے میں فریدون جنگ نے عرض کیا ہے کہ اگر خدمت اتالیقی کا الاونس ماہانہ دو سو روپے بھی رکھا جائے تو ساڑھے چھ سال کا الاونس پندرہ ہزار روپے سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے نواب عماد الملک بہادر کو ان کی اس خدمت گزاری کے صلے میں یکمشت پندرہ ہزار روپے خزانہ دیوانی سے دینے کے لیے آصف سابع کا حکم صادر ہو تو مناسب ہوگا۔ سالار جنگ نے عرضداشت کے آخر میں لکھا کہ انہیں فریدن جنگ کی رائے سے پورا اتفاق ہے۔ آصف سابع نے مسٹر گلانسی کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے فریدوں جنگ کی رائے اور سالار جنگ کی سفارش کو منظوری عطا

کی ۔اس سلسلے میں آصف سابع کا جو حکم مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۳ء سالار جنگ کے نام صادر ہوا تھا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"میری اتالیقی کے الاونس کی نسبت عماد الملک بہادر کی درخواست کے متعلق تمہاری اور فریدوں جنگ بہادر کی رائے معروضہ مناسب ہے۔ حسبۂ عماد الملک بہادر کو یکشمت رقم پندرہ ہزار روپے خزانہ عامرہ سے دلائی جائے۔"

پندرہ ہزار روپے کی یہ رقم آج بھلے ہی زیادہ معلوم نہ ہو لیکن ۱۹۱۳ یعنی پہلی جنگ عظیم سے قبل کے دور میں اس دور کی قیمتوں اور قدر زر کی مناسبت سے یہ رقم آج لاکھوں ہی میں شمار کی جاسکتی ہے۔☆

ماخذ

File No. P2/B37 of 1870

1) Instalment No. 7, List No. 1, S.No.1

Sub: Nawab Imad - ul - Mulk Bahadur's Letters

۲۔ کتاب داخلہ سرفرازی خطابات عہد حکمرانی حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خان بہادر۔

آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے مذکورہ بالا ریکارڈ کے علاوہ حسب ذیل انگریزی مونوگراف سے بھی استفادہ کیا گیا۔

Nawab Imadul Mulk by Saidul Haq Imadi
Published by A.P. State Archives, Hyderabad, 1978

کنگ کوٹھی

مدار المہام سالار جنگ بہادر

میرے اتالیقی کی خدمت نواب عماد الملک بہادر نے تقریباً ساڑھے چھ سال تک ادا کی تھی اور اسکی الاونس اونکو ملنے کے بارہ میں مدار المہام سابق کی عرضداشت کی تعمیل ملتوی ہے۔ اوس زمانہ میں نواب عماد الملک بہادر کو تنخواہ ناظم تعلقات الممالک اور متفرقات سے پرسنل الاونس [illegible] جملہ دو ہزار روپیہ ماہوار کی یافت تھی۔ اب مذکور الاونس کلی کی نسبت ہماری اور فریدوں جنگ بہادر کی رائے عرض کی جائے کہ کس حساب سے کسقدر رقم یکمشت کسقدر رقم دینا بلحاظ وجوہ مناسب واجب ہوگا۔ [signature]

۲۸ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ یکشنبہ

کنگ کوٹھی

مدار المہام سالار جنگ بہادر

میرے اتالیقی کی کارگزاری کی نسبت عماد الملک بہادر کی درخواست کے متعلق تمہاری اور فریدوں جنگ بہادر کی رائے معروضہ امروزہ تمہارے موجب عماد الملک بہادر کو گزشتہ رقم پندرہ ہزار روپے خزانہ عامرہ سے دلوائی جائے۔ [illegible]

۲۱ ماہ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ ۔ چہار شنبہ

عماد الملک کا ترجمہ قرآن مجید

نواب عماد الملک بہادر سرکاری ملازمت اور دیگر اہم ذمہ داریوں اور مصروفیات کے باعث تصنیف و تالیف کے لیے زیادہ وقت نہ دے سکے تاہم حسب ذیل تصانیف و تالیفات ان کی یادگار ہیں۔

* Memoirs of Sir Salar Jung
* Historical and Descriptive Sketch of His Highness the Nizam's Dominions, (2 Volumes), compiled in collaboration with C.Willmot
* Speches, Addresses and Poems of Nawab Imad ul Malk Bahadur

☆ رسائل عماد الملک (اردو مضامین، مقالات اور خطبات کا مجموعہ)

☆ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ

ان میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ سب سے اہم اور قابل قدر کارنامہ سمجھا جاتا ہے جسے انہوں نے نہایت محققانہ اور عالمانہ کدوکاوش سے کیا تھا۔ اس مضمون میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ سے اخذ کردہ مواد اور دیگر مستند حوالوں کی بنیاد پر عماد الملک کے اس عظیم کارنامے سے واقف کروانے کی کوشش کی جارہی ہے جو اب تک اپنی تمام تر تفصیلات کے

ساتھ علمی دنیا کے علم میں نہیں ہے۔

نواب عماد الملک کو قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے کام سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ انہوں نے ۱۹۱۰ء میں اس کام کا آغاز کیا اور تقریباً دو سال تک وہ یہ کام تنہا انجام دیتے رہے۔ انہیں اس کام کو تیزی سے آگے بڑھانے میں دقت پیش آرہی تھی کیونکہ اس کام میں ان کا کوئی معاون و مددگار نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے حکومت ریاست حیدرآباد کے نام ایک مددگار کے لیے مالی امداد دینے کی درخواست پیش کی۔ اس کام کے لیے مالی امداد منظور ہوئی مگر منظورہ مالی امداد کے اجرا میں رکاوٹ پیدا ہوئی جس پر ایک اور درخواست کے ذریعے انہوں نے بغیر کسی پابندی اور رکاوٹ کے رقمی امداد جاری کرنے کی استدعا کی۔ ان کی اس درخواست کو بھی منظوری دی گئی۔ عماد الملک کی ان درخواستوں اور ان پر حکومت کی جانب سے کی گئی کارروائی آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کی ایک مسل میں محفوظ ہے۔ اس کارروائی کے خلاصے سے نہ صرف عماد الملک کے ترجمے کی خصوصیات ظاہر ہوتی ہیں بلکہ انؒ کی شخصیت کے چند اہم پہلوؤں اور حکومت کی نظر میں ان کے بلند مقام کا بھی بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ خلاصہ حسب ذیل ہے۔

عماد الملک نے اپنی درخواست مورخہ ۲۲ فبروری ۱۹۱۲ میں لکھا کہ وہ کوئی دو سال یا اس سے زیادہ عرصے سے کلام مجید کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں۔ اس عرصے میں یہ کام علالت، سفر اور دیگر اسباب کی وجہ سے ملتوی بھی رہا۔ جہاں تک وہ واقف ہیں قرآن مجید کے انگریزی زبان میں صرف تین ترجمے ہیں جن میں سے ایک ترجمہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ان ترجموں میں محاورات وغیرہ کی بہت سی غلطیاں موجود ہیں۔ صرف راڈول کا ترجمہ ایک حد تک اس عیب سے پاک ہے۔ انگریزی ترجموں کے علاوہ فرانسیسی میں ایک اور جرمن زبان میں دو ترجمے ہیں۔ جرمن زبان کا ایک ترجمہ قرآن مجید کی اتباع میں مسجع عبارت میں کیا گیا ہے۔ عماد الملک نے اپنے ترجمے کے بارے میں لکھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا ترجمہ لفظ بہ لفظ ہو اور زبان بھی حتی الامکان شستہ اور آراستہ ہو۔ ثقیل الفاظ نیز لاطینی و یونانی زبانوں کے الفاظ سے احتراز کیا جائے۔ عماد الملک نے یہ بھی لکھا کہ انہوں نے قرآن مجید کی چند سورتوں کا اپنا انگریزی ترجمہ

انگلستان کے عربی زبان کے تین مشہور اساتذہ کو دکھایا تھا جنہوں نے ترجمے کو پڑھ کو بہت تعریف کی تھی اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ان کے ترجمے کو تمام سابق تراجم پر فوقیت حاصل رہے گی۔ عماد الملک نے اپنی درخواست میں بتایا کہ وہ اس وقت تک چھ سورتوں کا ترجمہ کر چکے ہیں اور اب ساتویں سورت کا ترجمہ کر رہے ہیں لیکن اس کام میں جو وقت پیش آ رہی ہے اس کے پیش نظر بعض اوقات ان کو مایوسی ہوتی ہے کہ وہ شاید اس کام کو پورا نہ کر سکیں۔ اس کام کی دقتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ عربی زبان کے لحاظ سے ان کو عربی لغات، تفاسیر قرآنی اور وہ کتابیں جو قرآن شریف کے معانی و مطالب پر روشنی ڈالتی ہیں دیکھنی پڑتی ہیں۔ انہوں نے ایسی متعدد بیش قیمت کتابیں خریدی ہیں اور ابھی بعض کتابوں کی ضرورت ہے جنہیں وہ خرید لیں گے۔ اس کے علاوہ انہیں انگریزی کی بڑی بڑی لغتیں، انجیل اور اس کی تعلیمات سے متعلق کتابیں بھی درکار ہیں۔ عماد الملک نے یہ لکھا کہ ان کو اس کام میں ایک مددگار کی ضرورت ہے جس میں انگریزی کتابوں سے استفادے کی لیاقت نہ بھی ہو تو نہ سہی لیکن اگر وہ ان کو عربی کتابیں دیکھنے کی محنت سے نجات دلائے تو ان کو بہت اطمینان ہوگا۔ انہوں نے استدعا کی کہ آصف سابع ایک مددگار کے لیے ڈیڑھ سو تا دو سو روپے ماہوار منظور فرمائیں۔ انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ وہ اپنے کام کے لیے کسی صلے یا معاوضے کے خواہاں نہیں ہیں اور نہ وہ کوئی ایسا اقرار نامہ لکھنے پر آمادہ ہیں جس سے ان کی آزادی میں خلل پڑے۔ انہیں اس کام سے عشق ہونے کی وجہ سے وہ اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حتی الامکان سرعت اور مسرت کے ساتھ اس کام کو انجام دینے کی کوشش کریں گے اور انہیں توقع ہے کہ اگر ان کی صحت اور دیگر حالات اجازت دیں تو وہ اس کام کو اٹھارہ مہینوں یا زیادہ سے زیادہ دو سال میں مکمل کرلیں گے۔ مسٹر گلانسی، صدر المہام (وزیر) فینانس نے عماد الملک کی درخواست پر یہ رائے دی کہ نواب عماد الملک بہادر کو عربی اور انگریزی کے عالم و ادیب کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل ہے اور اس لحاظ سے ان کا خیال ہے کہ یہ ترجمہ اس ریاست کی شہرت اور نیک نامی کا باعث ہوگا۔ لہٰذا انہیں یہ رائے دیتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ عماد الملک بہادر کو دو

سال کے لیے ایک مددگار دیا جائے جس کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپے تا دو سو روپے ماہانہ ہوگی۔
مہاراجا کشن پرشاد مدار المہام (صدر اعظم) نے صدرالمہام فینانس کی رائے سے اتفاق کیا۔
آصف سابع نے ان سفارشات کی روشنی میں فرمان مورخہ ۷ مئی ۱۹۱۲ء کے ذریعے حکم دیا کہ
عمادالملک کو کلام مجید کے انگریزی ترجمے کے لیے ایک مددگار جس کی تنخواہ ڈیڑھ سو دو سو روپے
ماہانہ تک ہو دو سال کے لیے دیا جائے۔ اس فرمان کے جاری ہونے پر محکمہ فینانس کی جانب
سے صدر محاسب کے نام ضروری ہدایات جاری کردی گئیں۔ ان ہدایات کے جاری ہونے کے
بعد عمادالملک نے نظامت تعلیمات کو لکھا کہ فی الوقت انہیں صرف ایک سو پچیس روپے ماہانہ کی
ضرورت ہے اور یہ رقم ہر ماہ صدر محاسبی سے طلب کر کے ان کے پاس روانہ کی جائے۔ نظامت
تعلیمات کی جانب سے اس سلسلے میں برآورد روانہ کرنے پر صدر محاسبی نے اسے اس اعتراض
کے ساتھ واپس کردیا کہ برآورد نام کے ساتھ آنی چاہیے، بغیر نام کے رقم جاری نہیں ہوسکتی۔
اس اعتراض کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی کہ برآورد میں مددگار کا نام درج کر کے روانہ کیا جائے۔
اس اعتراض کے بارے میں عمادالملک نے جواب دیا کہ آصف سابع نے اپنی عنایت سے جو
رقم قرآن مجید کے ترجمے کے لیے منظور کی ہے وہ محض مددگار کی تنخواہ میں صرف نہیں ہوگی بلکہ
مددگار کی تنخواہ کے علاوہ کتابوں کی خریدی اور پروف کی طباعت وغیرہ میں بھی صرف ہوتی رہے
گی کیونکہ انگریزی ترجمے کو نظر ثانی، تصحیح و اصلاح کے لیے چھپوانا ضروری ہے اور اس میں قابل
لحاظ رقم صرف ہوتی ہے۔ وہ ان اخراجات کو منظورہ امداد سے پورا کرنا چاہتے ہیں تاکہ کسی
دوسرے سے مدد کی درخواست کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس کام میں اخراجات ایسے متفرق
اور غیر معین ہیں کہ وہ ان اخراجات کا باقاعدہ حساب پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ چنانچہ
انہوں نے امداد کے لیے جو درخواست دی تھی اس میں یہ لکھ دیا تھا کہ اگر امداد بلا شرط منظور نہ ہو
تو اس کے قبول کرنے میں ان کو تامل ہوگا۔ انہوں نے اس بات کی صراحت کی کہ وہ اس قدر
ذمے داری لے سکتے ہیں کہ اس امداد میں سے ایک پیسہ بھی سوائے قرآن شریف کے ترجمے
کے کسی اور کام میں صرف نہ ہوگا۔ انہوں نے استدعا کی کہ مددگار کے نام اور تفصیلی اخراجات کی

پابندی کے بغیر اندرون منظورہ امداد جس قدر رقم وہ طلب کریں اس کی اجرائی کے لیے صدر محاسبی کو ہدایت دی جائے۔ عماد الملک کی درخواست پر محکمہ فینانس سے صدر محاسبی کے نام ہدایت جاری کردی گئی مگر اس سلسلے میں آصف سابع سے صراحت کے ساتھ احکام حاصل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ساری کارروائی ان کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش ہوئی اور آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۸ اکٹوبر ۱۹۱۲ء کے ذریعے یہ احکام جاری کیے کہ ہر ماہ اندرون دوسو روپے جس قدر رقم عماد الملک بہادر طلب کریں وہ بلا کسی قید و حساب کے ادا کردیں۔ اس طرح عماد الملک کو منظورہ امداد ان کی حسب خواہش دی جاتی رہی۔

حکیم عبدالقوی ایڈیٹر صدق جدید (لکھنو) کے مضمون نواب عماد الملک بہادر اور ان کا انگریزی ترجمہ قرآن، مطبوعہ روزنامہ سیاست مورخہ ۳ جنوری ۱۹۸۸ء سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عماد الملک نے ترجمے کے کام کا کب آغاز کیا تھا اور اس کام میں انہیں کن حضرات کا تعاون حاصل تھا۔ حکیم عبدالقوی لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۰ میں مولانا شبلی نعمانی نے قرآن مجید کے ایک مستند انگریزی ترجمے کی ضرورت محسوس کی تھی اور اس کام کے لیے نواب عماد الملک کو سب سے زیادہ اہل سمجھا گیا تھا۔ چنانچہ عماد الملک سے اس کام کو ہاتھ میں لینے کی استدعا کی گئی۔ انہوں نے ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ وہ اس کام کا آغاز کرچکے ہیں اور روزانہ چار گھنٹے اس کام پر صرف کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی کے مشورے پر عماد الملک نے اپنے ترجمے کے مسودے کے اجزا قسط وار مولانا شبلی نعمانی کے پاس بھیجنا شروع کیے تاکہ اس ترجمے کے بارے میں محققین اور علما کی رائے حاصل کی جاسکے۔ ترجمے کے کام کے سلسلے میں عماد الملک اور شبلی نعمانی میں مراسلت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران شبلی نعمانی نے عماد الملک کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے ترجمے کے مسودے شبلی نعمانی کے ایک قریبی عزیز مولانا حمید الدین فراہی کو دکھا کر ان کی رائے معلوم کرلیا کریں۔ مولانا فراہی عربی کے جید عالم ہونے کے علاوہ گریجویٹ بھی تھے اور اس کام کے لیے بے حد موزوں تھے۔ عماد الملک نے یہ مشورہ بخوشی قبول کرلیا۔

بدقسمتی سے نواب عماد الملک اپنی دیگر مصروفیات، علالت اور ضعیف العمری کے باعث یہ

اہم کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے۔ عماد الملک کا انگریزی ترجمہ سورہ اول فاتحہ سے ۲۰ ویں سورہ طہ (پارہ ۱۶) تک ہے۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد آئی۔اے۔ایس (ریٹائرڈ) کے بیان کے مطابق محققین اور علما سے صلاح و مشورے کی غرض سے بیس سورتوں کے اس انگریزی ترجمے کی سو ڈیڑھ سو کاپیاں (بطور پروف) چھپوائی گئی تھیں۔ اس کی ایک کاپی ڈاکٹر صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ بعد ازاں یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

اس ترجمے کی قدر و قیمت اور وقعت کا اندازہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی رائے سے کیا جاسکتا ہے جو درج ذیل ہے۔

''عماد الملک کا اہم ترین کارنامہ جو تنہا ان کے بقاو نام کے لیے کافی ہے وہ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن مجید ہے۔ جن لوگوں نے انگریزی تراجم کو قرآن سے مقابلہ کر کے پڑھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ سیل، راڈول، پامر وغیرہ کے ترجمے کس قدر ناقص ہیں۔ مذہبی تعصّبات و مخالفانہ در اندازیوں سے قطع نظر کر کے ان حضرات نے معمولی عبارتوں کے سمجھنے میں بھی ایسی شدید و فاحش غلطیاں کی ہیں کہ سارے مطالب قرآنی مسخ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس بزرگ قوم کے اس احسان سے قوم قیامت تک سبکدوش نہیں ہوسکتی کہ انہوں نے اس مقدس فرض کو بہترین صورت سے انجام دیا۔ ان کے ترجمے کا اعجاز یہ ہے کہ باوجود انتہائی احتیاط اور لفظی پابندیوں کے التزام کے سلاست و روانی میں بھی کسی اہل زبان کے ترجمے سے کم نہیں۔ اگر چہ اس کا سخت افسوس ہے کہ فاضل موصوف کی کبرسنی، ضعف صحت و اضمحلال قوی کی بنا پر اس کی توقع نہیں کہ ترجمہ تکمیل تک پہنچ سکے تاہم اس کے جس قدر اجزا تیار ہو چکے ہیں وہ منتہائے تحقیق و کاوش کا نمونہ ہیں اور اس پایے کے ہیں کہ انہیں کو نواب عماد الملک کے آیات کمال کا سرنامہ بنایا جائے۔ درحقیقت اگر نواب صاحب کی ساری زندگی کا صرف یہی ایک کارنامہ ہوتا تو اس آفتاب کے سامنے دوسروں کے خدمات ماہ و انجم سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔'' (تذکرہ مصنف از مولانا عبدالماجد دریابادی مشمولہ رسائل عماد الملک)۔

انتہائی حیرت کی بات ہے کہ یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا ہے جبکہ قدرداں حیدرآباد کی قدردانی

اور بروقت اشتراک کی وجہ سے دوسرے اس قسم کے بہت سے کام منظر عام پر آ چکے ہیں۔ نواب عمادالملک کا یہ گنج گراں مایہ کسی پوشیدہ خزانے کی طرح ہنوز پوشیدہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نواب عمادالملک کے اس عظیم کارنامے ترجمۂ قرآن مجید کو نامکمل سہی شائع کیا جائے تا کہ ساری علمی دنیا اس کارنامے سے واقف ہو سکے۔ ☆

ماخذ

1) Instalment No. 78, List No. 4, S.No.300

مقدمہ: مولوی سید حسین بلگرامی المخاطب عمادالملک بہادر کو قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کرنے کی مدد کے لیے ایک مددگار کا تقرر دو سال کی مدت تک منظور کیے جانے کی نسبت

پرائیویٹ سکریٹری

کنگ کوٹھی — مہاراجہ مدارالمہام بہادر صاحب یمین السلطنت — ۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۳۲ھ

مولوی سید حسین صاحب بلگرامی کو کلام مجید کے انگریزی ترجمہ کی تکمیل کیلئے انکی اور نیز [illegible] کونسل کی رائے معروضہ ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۲ھ کے مطابق ایک مددگار جسکی تنخواہ [illegible] سو سے لے دو سو روپیہ ماہانہ تک ہو دو سال کیلئے دیا جائے۔

(ثبت شدہ دستخط مبارک اعلیٰحضرت)

سید احمد دہلوی

ریاست حیدرآباد کی جانب سے جن متعدد علمی کاموں کی سرپرستی کی گئی ان میں مختلف لغتوں کی تیاری اور اشاعت بھی شامل تھی ۔ میں عزیز جنگ ولا کی فارسی لغت ''آصف اللغات''، آقا محمد علی کی فارسی لغت ''فرہنگ نظام'' اور مولوی عبدالحق کی اردو لغت کے لیے ریاست حیدرآباد کی جانب سے دی گئی امداد کے سلسلے میں مضامین تحریر کر چکا ہوں ۔ یہ مضمون اردو کی ایک بے حد اہم اور قدیم لغت فرہنگ آصفیہ کے بارے میں ہے ۔ سید احمد دہلوی نے تقریباً ربع صدی تک سخت محنت کے بعد اسے مرتب کیا تھا ۔ اس فرہنگ کی تالیف کو ایک سو سال سے زیادہ مدت ہو چکی ہے ۔ اس طویل عرصے میں علم نے جس رفتار سے ترقی کی اس کی مثال ملنا ممکن نہیں ۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے اردو زبان اور علم و ادب کو بھی بڑا فروغ ہوا ہے اور اردو زبان کے ذخیرہ الفاظ میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا ہے ۔ ان حالات میں یہ فرہنگ موجودہ عصری ضروریات کی تکمیل نہیں کر سکتی ۔ اس کے باوجود اس کی اہمیت اور افادیت سے آج بھی انکار ممکن نہیں ہے ۔ اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ترقی اردو بورڈ / قومی کونسل برائے فروغ اردو کی جانب سے (۲۵) سال کے دوران اس کے چار اڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔ ریاست حیدرآباد کے آخری دو حکمرانوں میر محبوب علی خان آصف

سادس اور میر عثمان علی خاں آصف سابع کے عہد میں اس فرہنگ کی تکمیل پر انعام اور فرہنگ کی اشاعت کے لیے درکار مالی امداد دی گئی ۔ اس کے علاوہ اعتراف خدمات کے طور پر مولف کے نام تا حیات وظیفہ جاری کیا گیا اور ان کے بیٹے کو بھی تا حیات وظیفے کے علاوہ برس ہا برس تعلیمی وظیفہ دیا گیا ۔ مولوی سید احمد نے ریاست حیدرآباد کی جانب سے دی گئی امداد کے بارے میں فرہنگ آصفیہ میں تفصیل سے لکھا ہے ۔ اس کے علاوہ آندھرا پردیش آرکائیوز کے ریکارڈ کے ذخائر میں اس بارے میں اہم مواد دستیاب ہے جو اب تک مخفی تھا ۔ میں نے دونوں ماخذوں سے استفادہ کرتے ہوئے ذیل میں تفصیلی معلومات مربوط انداز میں فراہم کی ہیں ۔

ریاست حیدرآباد کے چھٹے حکمران نواب میر محبوب علی خاں آصف سادس کے عہد (دور حکمرانی ۱۸۶۹ ء تا ۱۹۱۱ ء) میں ریاست حیدرآباد کے مدار المہام (وزیر اعظم) سر آسماں جاہ ۱۸۸۸ ء میں شملہ گئے تھے ۔ مولوی سید احمد دہلوی نے اپنی ضخیم لغت موسوم بہ فرہنگ آصفیہ ان کی خدمت میں پیش کی اور اس کی اشاعت کے لیے مدد طلب کی ۔ سر آسماں جاہ نے پانچ سو روپے بطور انعام دیے اور لغت کی خریدی کے لیے سفارشات پیش کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی تشکیل دی ۔ نواب عماد الملک، نواب محسن الملک، نواب رفعت یار جنگ بہادر، نواب اقبال یار جنگ اور ملا عبدالقیوم اس کمیٹی کے ارکان تھے ۔ اس کمیٹی نے لغت کی چار سو جلدیں نو ہزار کلدار میں خریدنے کی سفارش کی ۔ یہ سفارش منظور ہوئی اور مولوی سید احمد دہلوی کو ابتدا میں آدھی رقم ساڑھے چار ہزار روپے کلدار اور مکمل جلدوں کی وصولی پر بقیہ ساڑھے چار ہزار روپے کلدار دیے گئے ۔

لغت کا کام مکمل ہونے پر مولوی سید احمد نے ایک درخواست مورخہ ۱۷ فروری ۱۸۹۵ ء سر وقار الامرا مدار المہام ریاست حیدرآباد کے نام روانہ کی جس میں انہوں نے اپنے کام کی تکمیل پر انعام دینے کی استدعا کی جس پر وقار الامرا نے پانچ ہزار روپے کی منظوری دی ۔ اس کے علاوہ وقار الامرا کے احکام کی تعمیل میں ۱۴ رمضان ۱۳۱۳ ھ م ۲۹ فروری ۱۸۹۶ سے پچاس روپے کلدار وظیفہ بھی جاری کیا گیا ۔ بعد ازاں مہاراجا کشن پرشاد، مدار المہام نے لغت کی جلدوں کو ایک ہی

سائز میں چھاپنے کے لیے ۱۹۰۶ میں تین ہزار روپے کی امداد جاری کی۔

فرہنگ آصفیہ کی پہلی، دوسری اور تیسری جلد کے نسخے لاہور سے چھپ کر پہنچے تھے کہ مولوی سید احمد دہلوی کے گھر میں ۸ فبروری ۱۹۱۲ کو آگ لگنے سے وہ تمام نسخے، ان کی غیر مطبوعہ تصانیف، کتابوں کا ذخیرہ اور گھر کا سارا سامان واثاثہ جل کر خاکستر ہوگیا۔ یہ حادثہ مولوی سید احمد کی مکمل تباہی و بربادی کا باعث ہوا۔ اس تباہ کن آتشزدگی کی اطلاع ملنے پر مولوی صاحب کے دوستوں، ہمدردوں اور اخباروں و رسالوں کے ایڈیٹروں نے نہ صرف خطوط کے ذریعے ہمدردی کا اظہار کیا بلکہ اخبارات نے اس ہولناک آتشزدگی کے واقعے کی تفصیلات بھی شائع کیں۔ ملک کے جن متعدد اخبارات میں اس آتشزدگی کی اطلاع شائع ہوئی تھی ان میں حیدرآباد کا روزنامہ مشیر دکن بھی شامل تھا۔ یہ اطلاع اس روزنامے کے شمارے مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۱۲ میں شائع ہوئی تھی۔ بعد ازاں ۲ مئی ۱۹۱۲ کو اسی روزنامے میں "مصنف فرہنگ آصفیہ کی حالت محتاج توجہ سرکار" کے زیر عنوان مولوی صاحب کی دستگیری و اعانت کے لیے حسب ذیل اپیل شائع کی گئی تھی۔

"مولوی سید احمد مصنف فرہنگ آصفیہ کے اس نقصان کا ذکر اس سے قبل کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا جاچکا ہے جو آگ لگنے سے ان کو برداشت کرنا پڑا۔ مولوی سید احمد نے زبان اردو کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے اور اگر ان کی تصانیف کے وہ مسودے جو نذر آتش ہوگئے ہیں چھپ کر ملک میں شائع ہوتے تو شبہ نہیں کہ ان سے زبان اردو کی اور بھی قابل قدر خدمت انجام پاتی۔ ان کے صاحب تصنیف ہونے کے خیال سے ان کے ساتھ ہر پڑھے لکھے شخص کو ہمدردی ہے اور ملک کے تمام اخبارات میں ان کے حال پر دلی رنج اور افسوس کا اظہار کیا جارہا ہے۔ ہم کو معتبر ذریعے سے خبر موصول ہوئی ہے کہ مولوی صاحب ممدوح نے اپنی حالت زار کا اظہار کر کے سرکار عالی کے قدیم دست گرفتہ ہونے کی حیثیت سے اس مصیبت کے وقت میں سرکار عالی سے امداد اور دستگیری کی درخواست کی ہے۔ سرکار عالی کی علم دوستی و شرفا نوازی چونکہ مسلم ہے اس لیے یقین ہے کہ ایسے موقع پر وہ ان کی دستگیری اور اعانت فرمانے سے دریغ نہیں

کرے گی۔ چونکہ سرکار عالی کے دفاتر کی زبان اردو ہے اور اردو کو اس کی سرکاری زبان ہونے کا شرف وفخر حاصل ہے اس لیے اس زبان کے مسلم الثبوت مصنف کی مصیبت میں سرکار عالی اس کی ضرورت اور احتیاج کے مطابق مدد دینے میں کچھ کمی نہیں فرمائے گی۔"

مولانا حالی نے بھی عماد الملک بہادر کے نام حسب ذیل مکتوب مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۲ کے ذریعے عماد الملک سے خواہش کی کہ وہ مالی اعانت جاری کروانے میں تعاون کریں۔

"مولوی سید احمد صاحب دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ کی تباہی و بربادی کا حال غالباً ان کی اور اخبارات کی تحریر سے جناب کو معلوم ہوا ہوگا۔ ان کے گھر میں آگ لگنے کا حادثہ بلا تصنع اس شعر کا مصداق ہے۔

دل میں شوق وصل و یاد دوست تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

جو درخواست انہوں نے با امید اعانت وترحم پیش کار عالی میں گزرانی ہے امید ہے کہ وہ جناب کی نظر سے بھی گزری ہوگی۔ چونکہ سرکار عالی میں ان کی تقریب کرنے والے اور ان کی تالیف کو فروغ دینے والے آپ ہی کے معزز خاندان کے ایک رکن رکین تھے اس لیے ان کو جناب کی دستگیری و بذل توجہات کی بہت کچھ امید ہے۔ آتشزدگی کے صدمے نے انہیں بے دست و پا کر دیا۔ نہ فرہنگ کی کوئی جلد باقی رہی جسے فروخت کر کے وہ اپنا معمولی گزارہ کریں اور نہ اس قدر سرمایہ کہ فرہنگ کو از سرنو چھپوائیں"۔

فرہنگ آصفیہ کو از سرنو چھپوانے کے لیے عمائدین دہلی کی جانب سے روانہ کردہ محضر پر مالی امداد منظور کی گئی تھی جس کی تفصیلات آگے دی گئی ہیں لیکن قبل ازیں مولف فرہنگ کی درخواست پر ان کے فرزند کے نام پچاس روپے ماہوار منصب منظور کی گئی۔ اس کارروائی کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

مولوی سید احمد دہلوی، مولف فرہنگ آصفیہ نے ایک درخواست نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع کی خدمت میں روانہ کی جس میں انہوں نے یہ استدعا کی کہ ان کے نام جو پچاس

روپے ماہانہ وظیفہ حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے دیا جاتا ہے اسے ان کے سہ سالہ بیٹے کے نام منتقل کردیا جائے۔

آصف سابع کی خدمت میں جو درخواستیں، معروضے اور دیگر قسم کے کاغذات سیدھے اور براہ راست روانہ کیے جاتے تھے عام طور پر ان پر کوئی قطعی احکام صادر کرنے کی بجائے آصف سابع ان کاغذات کو اگزیکیٹو کونسل یا باب حکومت (کابینہ) یا متعلقہ محکمہ جات کو بھیج دیا کرتے تھے تاکہ ان کاغذات کو کابینہ اور محکمہ جات اپنی آرا کے ساتھ ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کریں۔ آصف سابع شاذ و نادر ہی کسی کاغذ پر رائے حاصل کیے بغیر اپنے احکام صادر کیا کرتے تھے لیکن مولوی سید احمد دہلوی کی متذکرہ بالا درخواست ان چند درخواستوں میں سے ایک ہے جس پر آصف سابع نے محکمہ جات سے آرا طلب نہیں کیں بلکہ اس درخواست پر از خود مولوی صاحب کا وظیفہ ان کے بیٹے کے نام منتقل کردیا اور مولوی صاحب کی تالیف و تصنیف کی اشاعت کے لیے ان کے نام ایک علاحدہ وظیفہ بھی مقرر کردیا۔ اس بارے میں آصف سابع نے فرمان مورخہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ م ۲۳ فروری ۱۹۱۵ء میں یہ ہدایت کی "خاص وجوہ کی بنا پر (جو آئندہ دوسروں کے لیے نظیر نہ ہوگی) ان کا وظیفہ پچاس روپے ان کی حسب استدعا ان کے بیٹے کے نام بصورت منصب کردیا جائے۔ اس کے علاوہ ان کی تالیف و تصنیف کی اشاعت کی غرض سے (جو اردو زبان کا ایک بڑا ذخیرہ ہے) سید احمد دہلوی کے نام تاریخ حکم ہذا سے پچاس روپے ماہوار تا حیات جاری کی جائے۔"

مولوی سید احمد دہلوی کا وظیفہ ان کے بیٹے کے نام منتقل ہونے اور مولوی سید احمد کے لیے علاحدہ وظیفہ جاری ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد دہلی کے ۵۱ عمائدین و معززین کی جانب سے آصف سابع کی خدمت میں ایک محضر بھیجا گیا جس پر جامع مسجد دہلی کے شاہی امام سید احمد، بے خود دہلوی، سائل دہلوی، خواجہ حسن نظامی وغیرہ کے دستخط ثبت تھے۔ اس محضر میں فرہنگ آصفیہ کو اس کے مولف سید احمد دہلوی کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ چھاپنے کے لیے پوری امداد جاری کرنے کی استدعا کی گئی۔ علاوہ ازیں خلاصہ فرہنگ اور لغات النسا کو علاحدہ چھاپنے کے لیے

بھی مدد دینے کی درخواست کی گئی ۔ اس محضر پر محکمہ جات فینانس اور تعلیمات کے علاوہ صدر المہام پولیٹکل ڈپارٹمنٹ نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا۔

صدر المہام پولیٹکل ڈپارٹمنٹ نے یہ رائے ظاہر کی کہ فرہنگ آصفیہ کے ایک ہزار نسخوں کی چھپوائی کے اخراجات کا اندازہ دس ہزار روپے بتایا گیا ہے اور یہ کتاب چار جلدوں میں طبع ہوگی ۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ مولف کو ہر جلد تیار و مکمل ہونے کے بعد ڈھائی ہزار روپے ایصال کیے جائیں ۔ یہ امداد اس شرط پر دی جائے کہ اس کے معاوضے میں مولف پانچ سو نسخے حکومت کو دیں ۔ اس کے علاوہ پانچ سو نسخے خلاصہ فرہنگ آصفیہ کے جس کی قیمت ساڑھے چار روپے فی نسخہ اور ۳۵۰ نسخے لغات النسا کے جس کی قیمت ساڑھے تین روپے فی نسخہ تجویز کی گئی ہے مدارس کے کتب خانوں کے لیے خریدے جاسکتے ہیں ۔ صدر المہام پولیٹکل ڈپارٹمنٹ نے یہ بھی لکھا کہ مولف سید احمد صاحب کو پچاس روپے اور ان کے فرزند کو پچاس روپے ماہوار وظیفہ ملتا ہے اس کے سوا اگر ان کو کوئی ماہوار دی بھی جائے تو اس سے کتابوں کے چھاپنے میں چنداں مدد نہیں ملے گی ۔ آصف سابع نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اس بارے میں جو فرمان مورخہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ م ۲۰ ستمبر ۱۹۱۵ جاری ہوا تھا اس کا متن درج ذیل ہے ۔

”مجھے صدر المہام پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کی رائے سے اتفاق ہے ۔ فرہنگ آصفیہ، خلاصہ فرہنگ و لغات النسا کے لیے وقتاً فوقتاً رقوم دے کر نسخے لیے جائیں“۔

مولوی صاحب نے اپنے بیٹے کے نام پچاس روپے ماہوار منصب جاری کروانے کے تقریباً تین سال بعد ایک درخواست آصف سابع کے نام روانہ کی جس میں انہوں نے لکھا کہ ان کے بیٹے سعید احمد کو جس کی عمر سوا چھے برس ہے کوئن میری اسکول میں داخلہ دلایا گیا ہے ۔ چونکہ یہ لڑکا کمزور اور کم سن ہے اس لیے وہ اُسے اسکول بھیجنے کے لیے ایک علاحدہ گاڑی کا انتظام اور نوکر رکھنا چاہتے ہیں ۔ اس لیے انہوں نے ان اخراجات کے لیے ماہانہ مالی امداد جاری کرنے کی استدعا کی ۔ اس درخواست پر اندرون ایک ہفتہ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲ رجب ۱۳۳۶ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۱۸ کے ذریعے مدرسے کے خرچ سواری کے لیے تیس روپے ماہوار اٹھارہ

سال کی عمر تک جاری کرنے کے احکام صادر کیے۔ یہ امداد مولوی صاحب کے بیٹے سعید احمد کے نام اٹھارہ سال کی عمر تک یا بارہ برس کی مدت تک جاری رہی۔ بعد ازاں سعید احمد جب اینگلو عربک کالج، دہلی میں زیر تعلیم تھے اس کالج کے پرنسپل نے حکومت ریاست حیدر آباد کو یہ اطلاع روانہ کرتے ہوئے کہ سعید احمد کی تعلیمی حالت اطمینان بخش ہے مزید چار سال کے لیے امداد جاری رکھنے کی سفارش کی۔ محکمہ فینانس نے پرنسپل کی سفارش پر سعید احمد کے وظیفہ تعلیمی کو (جو سواری خرچ کے طور پر منظور ہوا تھا) مزید چار سال کے لیے جاری رکھنے سے اتفاق کیا۔ اس پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۰ صفر ۱۳۴۹ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۰ء کے ذریعے سعید احمد کے وظیفہ تعلیمی میں مزید چار سال کی توسیع کی منظوری صادر کی۔

مولوی سید احمد دہلوی کے فرزند سعید احمد کے نام جبکہ ان کی عمر تین برس تھی پچاس روپے ماہوار منصب جاری ہوا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں تیس روپے ماہانہ وظیفہ تعلیمی سولہ برس تک دیا جاتا رہا۔

ان حقائق کو مستند دستاویزات کی مدد سے پیش کرنے کے بعد پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ریاست حیدر آباد نے مولوی عبدالحق کی اردو لغت کی طرح اسی زمرے سے تعلق رکھنے والی ایک اور تاریخی تالیف فرہنگ آصفیہ کے لیے بھی بڑی فیاضی کے ساتھ مدد دی تھی جو اردو زبان اور علم و ادب کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ آج بھی فرہنگ آصفیہ اردو کے قدیم اور کلاسیکی علم و ادب کے ذخائر سے استفادے کے لیے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ مستقبل میں اس کی اہمیت میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا جائے گا کیونکہ کلاسیکی ادب فہمی اور زبان کے قدیم ذخیرے سے آگاہی مستقبل میں اور بھی مشکل ہوجائے گی۔۔☆

ماخذ

۱) نشان صیغہ تعلیمات ۱۶۶، نشان محافظی ۲۴۳

مقدمہ: درخواست سید احمد دہلوی باستدعائے عطائے انعام دس ہزار روپے درصلہ تالیف فرہنگ آصفیہ

2) Instalment No. 79, List No. 3, S.No.1034

مقدمہ: فرہنگ آصفیہ کے طبع کرانے کی نسبت

3) Instalment No. 80, List No. 5, S.No.769

مقدمہ: سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ کی عرضی ان کے فرزند سعید احمد عرف دریار احمد کے متعلق

حکم

فرہنگ آصفیہ کے مولف سید احمد صاحب دہلوی کی عرضی ملفوف ہے ۔ خاص وجوہ کی بناء پر (جو آیندہ دوسروں کیلئے نظیر نہ ہوگی) اونکا وظیفہ پچاس روپیہ اونکے حسب استدعا اونکے بیٹے کے نام بصورت منصب منتقل کر دیا جائے ۔ اسکے علاوہ اونکے تالیف و تصنیف کے اشاعت کی غرض سے (جو اردو زبان کا ایک بڑا ذخیرہ ہے) سید احمد صاحب دہلوی کے نام تاریخ حکم ہذا سے امداداً پچاس روپیہ ماہوار تاحیات جاری کی جائے ۔

۱۰ ربیع الثانی شریف ۱۳۳۳ھ سہ شنبہ

قیاس

حکم

بعد ملاحظہ: عرضداشت صیغہ قیاس مورخہ ۱۲ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۴ھ جو فرہنگ آصفیہ وغیرہ کی بابت
چند علمائے دہلی کے محضر کے بارہ میں ہے۔

حکم: مجھے صدر المہام پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کی رائے سے اتفاق ہے حسبہ فرہنگ آصفیہ۔
خلاصہ فرہنگ و لغات الیاس کے لئے وقتاً فوقتاً رقوم دیگر نسخے لئے جائیں۔

۱۲ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۴ھ چہار شنبہ (از دستخط مبارک اعلیحضرت بندگانعالی مد ظلہ العالی)

(دستخط) مولوی محمد صدیق صاحب

داغ دہلوی

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جب دلی اجڑ گئی تو دلی دربار سے وابستہ اساتذۂ شعر و ادب کو مختلف ریاستوں کی راج دھانیوں کا رخ کرنا پڑا تھا۔ دلی کے آخری یادگار لال قلعہ کے مشاعرے میں افق شعر و ادب پر طلوع ہونے والے شاعر داغ کو تو پہلے رام پور میں پناہ ملی لیکن رام پور میں بھی جب حالات بگڑے تو ارض دکن کی کشش انہیں حیدرآباد لے آئی۔ اس طرح ذوق، مومن اور غالب کے بعد افق شعر و ادب پر ابھرنے والا یہ روشن ستارہ حیدرآباد میں اپنی تابانیاں بکھیرنے لگا۔ داغ کے رام پور سے حیدرآباد منتقل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ نواب کلب علی خان والی رام پور کے دربار سے علم و ادب کی کئی اہم اور ممتاز شخصیتیں وابستہ تھیں۔ داغ حیدرآباد آنے سے قبل اسی دربار سے وابستہ تھے لیکن ۲۲ مارچ ۱۸۸۷ء کو نواب کلب علی خاں والی رام پور کے انتقال کے بعد رام پور میں علمی و ادبی محفلوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ والیٔ رام پور کی بجائے ایک کونسل کا تقرر عمل میں آیا لیکن داغ کے لیے یہ کونسل کسی طرح بھی اپنے سرپرست اور قدرداں نواب کلب علی خاں کی بدل ثابت نہیں ہو سکی۔ چنانچہ مایوس ہو کر انہوں نے رام پور کی ملازمت چھوڑ دی اور ۲۸ دسمبر ۱۸۸۷ء کو وہ اپنے وطن دہلی واپس ہو گئے۔ رام پور کی ملازمت چھوڑنے کے بعد داغ کو نئے روزگار یا متبادل ذریعہ آمدنی کی تلاش تھی۔ اب

انہیں کسی نئے دربار کی سرپرستی اور قدردانی کی ضرورت تھی ۔ ان دنوں حیدرآباد میں نواب میر محبوب علی خاں آصف سادس حکمران تھے جو شمالی ہند میں بھی سخن شناس، علم پرور اور ادب نواز حکمران کی حیثیت سے مشہور ہوچکے تھے ۔ ان ہی دنوں حیدرآباد سے چند اصحاب نے جنہیں داغ کے معاشی تفکرات کا اندازہ تھا انہیں یہ مشورہ لکھ بھیجا تھا کہ وہ حیدرآباد آ کر اپنی قسمت آزمائیں ۔ چنانچہ داغ غرہ خورداد ۱۲۹۷ف م ۷ اپریل ۱۸۸۸ء کو حیدرآباد پہنچے ۔ حیدرآباد میں یہ ان کا پہلا ورود تھا ۔ یہاں وہ کئی مشاعروں میں شریک ہوئے ۔ یوں تو وہ حیدرآباد کے ادبی حلقوں اور عوام میں پہلے ہی خاصی مقبولیت حاصل کرچکے تھے لیکن انہوں نے ان مشاعروں میں کلام سنا کر اپنا لوہا منوالیا ۔ حیدرآباد میں جن اساتذہ سخن اور شعرا کو شہرت اور مقبولیت حاصل تھی داغ کے حیدرآباد آنے کے بعد ان کی پہلی سی مقبولیت باقی نہیں رہی اور داغ ہی کی شاعری کے چاروں طرف چرچے ہونے لگے ۔ علاوہ ازیں اس عرصے میں حیدرآباد کے امرا اور عہدیداروں سے ان کے روابط اور مراسم بھی قائم ہوگئے تھے ۔ اس کے باوجود داغ حیدرآباد میں مختصر عرصے تک ہی قیام کرسکے کیونکہ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی فراہم نہیں ہوا تھا اور ان کے لیے آصف سادس کی جانب سے کوئی تنخواہ مقرر نہیں کی گئی تھی ۔ چنانچہ اس صورت حال اور نئے مقام پر اپنے اخراجات سے گھبرا کر داغ وطن واپس ہوگئے ۔ حیدرآباد پہلی بار آنے کے بعد وہ سوا سال ہی یہاں قیام کرسکے تھے ۔ حیدرآباد سے واپس ہونے کے دس ماہ بعد داغ دوبارہ حیدرآباد آئے اور اس بار حالات کچھ اس طرح سازگار بنتے گئے کہ انہوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی ۔ انہیں استاد شہ بننے کے لیے تقریباً تین سال انتظار کرنا پڑا ۔ آصف سادس کے کلام پر اصلاح دینے اور ان کے استاد مقرر ہونے کا داغ کو جو شرف حاصل ہوا تھا اس کے بعد تقریباً چودہ سال تک وہ آصف سادس کے کلام پر اصلاح دیتے رہے ۔ آصف سادس اپنے استاد پر بہت مہربان تھے اور ان کا بڑا پاس و لحاظ کرتے تھے ۔ انہوں نے اپنے استاد کو کئی اعزازات اور عنایات سے نوازا اور ان کی بڑی قدر و منزلت کی ۔ دربار میں صرف امرائے عظام اور چوٹی کے عہدیداروں کو آصف سادس کے قریب بیٹھنے کی اجازت تھی ان میں داغ بھی شامل

تھے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دلی کے داغ کو حیدرآباد میں کتنا بلند مقام اور مرتبہ حاصل ہوچکا تھا۔ وہ ایک طرح سے خود اپنے استاد ذوق سے بھی زیادہ خوش نصیب تھے کیونکہ ذوق کا تعلق اردو ادب اور شاعری کے سنہرے دور سے سہی لیکن جس شاہ کے وہ استاد تھے اس کی سلطنت کے حدود پالم تک ہی محدود ہو کر رہ گئے تھے جبکہ حیدرآباد کی آصف جاہی سلطنت ملک کی سب سے بڑی دیسی ریاست تھی۔ آصف سادس نہ صرف یہ کہ شکار کے موقعوں پر داغ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے بلکہ داغ کو سرکاری دوروں پر بھی ان کے ہمراہ رہنے کا اعزاز حاصل تھا۔ دسمبر ۱۸۹۹ء میں آصف سادس جب کلکتہ گئے تھے اور جنوری ۱۹۰۳ میں جب وہ ایڈورڈ ششم کی تاج پوشی کے سلسلے میں منعقدہ ہونے والے دربار میں شرکت کے لیے دہلی گئے تھے داغ آصف سادس کے ہمراہیوں میں شامل تھے۔

آصف سادس نے ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ م ۷ نومبر ۱۸۹۳ء بتقریب جشن سالگرہ آصف سادس، نواب مرزا داغ کو خانی و بہادر ناظم یار جنگ دبیر الدولہ فصیح الملک بلبل ہند جہان اوستاد کا خطاب دیا۔ (آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ'' کتاب داخلہ سرفرازی خطابات عہد حکمرانی حضرت غفراں مکاں نواب میر محبوب علی خان بہادر'' سے) اس طرح حیدرآباد میں داغ کی بھرپور قدردانی ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ مقبولیت اور دولت کی نعمتوں سے بھی وہ بہرور ہوئے۔ اسی لیے انہوں نے کہا تھا۔

شاہ مرا قدر داں ، احباب مرے مہربان
میں دکن میں جب سے ہوں ، اے داغ اک جنت میں ہوں

غرض یہ کہ داغ نے ارض دکن میں اطمینان و آسودگی کے تقریباً سترہ سال گزارے۔ ان کا انتقال ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ م ۱۵ فروری ۱۹۰۵ء کو ہوا۔ بقول احسن مارہروی '' دوسرے دن بقرعید کی نماز کے بعد مکہ مسجد (حیدرآباد دکن) میں نماز پڑھائی گئی اور جنازہ یوسف صاحب شریف صاحب کی درگاہ میں لایا گیا اور ان کی اہلیہ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا گیا''۔ (مقدمہ منتخب داغ ص ش)

بعض محققین نے لکھا ہے کہ نواب میر محبوب علی خان آصف سادس نے ۲۶ جمادی الثانی

۱۳۰۸ھ م ۶ فبروری ۱۸۹۱ء کو پہلی بار اپنی ایک غزل چوبدار کے ذریعے بغرض اصلاح داغ کے پاس روانہ کی تھی اور دوسرے روز صبح میں دربار میں حاضر ہونے کا بھی حکم دیا تھا۔اس بارے میں احسن مارہروی نے اپنی کتاب ''منتخب داغ'' کے مقدمے میں لکھا ہے'' ساڑھے تین برس (ساڑھے تین برس نہیں بلکہ کچھ کم تین برس۔ داغ پہلی بار یکم خورداد ۱۲۹۷ف م ۷ اپریل ۱۸۸۸ء کو حیدرآباد وارد ہوئے تھے اور آصف سادس نے داغ کے پاس اصلاح کے لیے پہلی غزل ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ م ۶ فبروری ۱۸۹۱ء کو بھیجی تھی) امیدوارانہ قیام کرنے کے بعد حضرت غفران مکان آصف جاہ سادس مرحوم کی استادی سے مشرف ہوئے۔رات کے ۹ بجے ایک شاہی چوبدار ایک سربمہر لفافے میں غزل لایا اور صبح کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم بھی سنایا۔مرزا داغ فرمایا کرتے تھے کہ اس تقرب کے زمانے سے کچھ پہلے ہم نے ایک غزل کہی تھی جس کا مطلع ہے۔

داغ ہر اک کی زباں پر ہو فسانہ تیرا
وہ دن آتا ہے وہ آتا ہے زمانہ تیرا

جب دربار کی پہلی حاضری کے موقع پر یہ مطلع حضور کو سنایا تو دو بار فرمایا۔ بیشک ! بیشک !!''
(صفحہ ف)

احسن مارہروی نے ''منتخب داغ'' کے مقدمے میں اور غلام صمدانی گوہر نے ''تزک محبوبیہ'' میں لکھا ہے کہ ابتداً داغ کی تنخواہ ماہانہ ساڑھے چار سو روپے حالی مقرر ہوئی تھی۔ ریاست حیدرآباد سے داغ کو ابتدا میں جو تنخواہ مقرر ہوئی تھی آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے ان کتابوں کے بیانات کی توثیق ہوتی ہے لیکن ان کتابوں میں اس بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں جو اس مضمون میں پہلی بار متذکرہ ریکارڈ کی چھان بین کے بعد دی جارہی ہیں۔ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ساری کارروائی کس طرح انجام پائی۔

داغ استاد شہ مقرر ہو چکے تھے لیکن تنخواہ مقرر نہ کیے جانے کی وجہ سے وہ مالی طور پر بہت پریشان تھے۔غالباً عبوری مدد دینے کے لیے انہوں نے تحریری یا زبانی درخواست روانہ کی تھی یا

ان کے کسی خیر خواہ نے داغ کو مدد جاری کرنے کی سفارش کی تھی ۔ چنانچہ مدارالمہام (وزیراعظم ۔ ۱۹۱۹ء سے یہ عہدہ صدراعظم کہلایا ۔) آسمان جاہ نے حسب ذیل ہدایت مورخہ ۲ صفر ۱۳۰۹ھ م ۶ ستمبر ۱۸۹۱ء محکمہ پولٹیکل وفینانس کو ضروری کارروائی کے لیے روانہ کی ۔

''داغ صاحب کو پانچ سو روپے پہلے نرسنگ راؤ جیو کے پاس سے پہنچائے گئے ہیں وہ رائے صاحب کے پاس بھیج دیے جائیں اور ایک ہزار روپے حالی بطور مدد خرچ کے داغ صاحب کے پاس بھیج دیے جائیں ۔ ان کی تنخواہ کا تصفیہ بھی متعاقب ہوتا ہے''

مدارالمہام آسمان جاہ کی مذکورہ بالا ہدایت سے اس بات کی اطلاع ملتی ہے کہ عنقریب آصف جاہ سادس کی جانب سے داغ کی تنخواہ کے بارے میں احکام جاری ہونے والے ہیں ۔

مدارالمہام آسمان جاہ کی تحریری ہدایت وصول ہونے پر ایک مراسلہ نشان نمبر ۱۹۰۱ مورخہ ۳۰ مہر ۱۳۰۰ف م ۸ ستمبر ۱۸۹۱ء محسن الملک بہادر، معتمد محکمہ پولٹیکل کی جانب سے محمد منور خاں منصرم صدر محاسب کے نام جاری کیا گیا جس میں تحریر کیا گیا کہ حسب الحکم ایک اجازت نامہ مبلغ پانچ سو روپے بخدمت رائے نرسنگ راؤ صاحب اور ایک اجازت نامہ مبلغ ایک ہزار روپے بخدمت داغ صاحب بھجوایا جائے ۔ معتمد پولٹیکل و فینانس کی ہدایت کے مطابق منصرم صدر محاسب نے اپنے مراسلے کے ذریعے منصرم مہتمم خزانہ عامرہ کو اطلاع دی کہ ایک اجازت نامہ رقمی ایک ہزار پانچ سو روپے بنام رائے نرسنگ راؤ صاحب اور داغ صاحب جاری ہوا ہے جسے روانہ کیا جارہا ہے ۔ اس سلسلے میں ضروری کارروائی کرنے کے بعد معتمد پولٹیکل و فینانس کو اطلاع دینے کی ہدایت کی گئی ۔ کارروائی تکمیل پانے پر منصرم مہتمم خزانہ نے اندرون ایک ہفتہ معتمد پولٹیکل وفینانس کو اطلاع روانہ کردی ۔

تنخواہ کے مقرر کیے جانے اور اس کے اجرا کے سلسلے میں غالبًا داغ سے حیدرآباد میں آمد کی تاریخ اور قیام کی مدت کی تفصیلات دریافت کی گئی تھیں ۔ چنانچہ داغ نے ایک سطری عریضے مورخہ ۳۰ آبادن ۱۳۰۰ف م ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۱ء کے ساتھ حیدرآباد میں اپنی آمد اور قیام کے سلسلے میں مفصل تاریخوں پر مبنی ایک جدول پیش کیا جس میں انہوں نے حیدرآباد میں آمد کی تاریخ غرہ

خورداد ۱۲۹۷ ف م ۷ اپریل ۱۸۸۸ء اور عریضہ پیش کرنے کی تاریخ تک حیدرآباد میں اپنے قیام کی مدت ۳ سال ۶ ماہ لکھی۔

داغ کی درخواست پر مدارالمہام آسمان جاہ نے ۱۶ ربیع الاول ۱۳۰۹ م ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو حسب ذیل احکام تحریر کیے۔

''داغ صاحب کی تنخواہ اس فرد کے مطابق ساڑھے چار سو روپے حالی کے حساب سے جاری کی جاوے۔ قیام دہلی چونکہ حضرت پیر و مرشد (آصف سادس) کی اجازت سے ہوا لہذا اس کی بابت کچھ وضعات نہ ہوگی۔ آئندہ بھی یہ تنخواہ جاری رہے گی اور پندرہ سو روپے جو پیشگی پہنچے ہیں وہ مجرا کر لیے جاویں۔ فقط ۱۶ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ اور نام ان کا حسب ذیل ہو جاوے گا۔ نواب مرزا خاں خطاب شاہی ہے۔ داغ تخلص۔ نواب مرزا خاں داغ۔

چونکہ حضرت (آصف سادس) کا ارشاد ہوا ہے بذریعہ عرضداشت بعد تعمیل ہونے کے اطلاع کردی جاوے گی۔''

آسمان جاہ کے جاری کردہ احکام کی بنیاد پر معتمد پولیٹیکل و فینانس کی جانب سے حسب ذیل مراسلہ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۱ء منصرم صدر محاسب کے نام جاری کیا گیا۔

''سرکار نے یہ منظور کیا ہے کہ داغ صاحب کی تنخواہ یکم خورداد ۱۲۹۷ ف سے چار سو پچاس روپے حالی کے حساب سے جاری کی جاوے اور پندرہ سو روپے جو پیشگی پہنچے ہیں مجرا کر لیے جاویں۔ پس حسبہٗ تعمیل ہو اور ابتدا خورداذ ۱۲۹۷ سے آبان ۱۳۰۰ ف تین سال چھ ماہ کا بقایا ادا کیا جاوے اور آئندہ بھی یہ تنخواہ جاری رہے۔ اصل حکم دستخطی سرکار ملفوف ہے۔ بعد کارروائی واپس ہووے''۔

اسی تاریخ کے ایک اور مراسلہ کے ذریعے معتمد پولیٹیکل و فینانس نے داغ صاحب کو بھی یہ اطلاع روانہ کی ''سرکار نے منظور فرمایا ہے کہ آپ کے نام چار سو پچاس روپے سکہ حالی تاریخ درود حیدرآباد سے جو یکم خورداد ۱۲۹۷ ف ہے جاری کیے جائیں۔ پس آپ کو حسبہٗ دفتر صدر محاسبی سے بقایائے تنخواہ وصول ہوگا اور آئندہ بھی یہ تنخواہ آپ کے نام جاری رہے گی''۔

ریاست حیدرآباد میں داغ کی پہلی بار آمد، تقریباً سوا سال قیام کے بعد (داغ نے لکھا

ہے کہ وہ ۳ شہر یور ۱۲۸۰ ھ کو حیدرآباد سے رخصت ہوئے) یہاں سے واپسی اور دس ماہ بعد پھر حیدرآباد آنے کے بارے میں جو تاریخیں اور بیانات داغ پر لکھی گئی کتابوں اور مضامین میں درج کیے گئے ہیں ان کی بڑی حد تک آرکائیوز کے ریکارڈ سے توثیق ہوتی ہے مگر بعض تاریخوں اور بیانات کی تصحیح بھی ہوجاتی ہے ۔ مثلاً تمکین کاظمی اپنے مضمون ''فصیح الملک داغ دہلوی'' مطبوعہ رسالہ نورس اپریل ۱۹۵۸ء میں لکھتے ہیں کہ دلی میں نو مہینے رہ کر داغ نے ۲۹ مارچ ۱۸۹۰ کو پھر حیدرآباد کا قصد کیا تھا جبکہ داغ اپنی درخواست میں لکھتے ہیں'' ساڑی تین سال کی مدت میں ایک مرتبہ ہندوستان جانے کا اتفاق اس طرح ہوا کہ ۳ شہر شہر یور ۱۲۹۸ ف کو میں بلدہ سے گیا اور خورداد ۱۲۹۹ ف کو بلدہ میں واپس آ گیا جن کی مدت دس مہینے ہے''۔

آرکائیوز کے ریکارڈ سے حاصل کردہ مواد کی بنیاد پر داغ کی تنخواہ کے اجرا کی تفصیلات اوپر بیان کی گئی ہیں ۔ معتمد پولیٹیکل و فینانس نے اپنے مراسلے مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۱ ء کے ذریعے داغ کو ساڑھے چار سو روپے بطور تنخواہ جاری کرنے کے احکام دیے تھے ۔ اس کے علاوہ انہیں ساڑھے تین سال کا بقایا بھی تاریخ ورود حیدرآباد (یکم خورداد ۱۲۹۷ م ۷ اپریل ۱۸۸۸ء) سے ادا کرنے کی ہدایت کی گئی تھی ۔ اس کے چند سال بعد ہی داغ کی تنخواہ میں اضافہ ہوا ۔ اس بارے میں احسن مارہروی لکھتے ہیں'' ۱۳۱۲ ھ م ۱۸۹۴ ۔ ۱۸۹۵ء میں ساڑھے پانچ سو کا اضافہ ہوا اور اس طرح ایک ہزار ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا جو آخر تک قائم اور برقرار رہا اور اس ایک ہزار کا حساب بھی امیدواری کے زمانے سے کیا گیا جس کی تعداد چالیس اکتالیس ہزار ہوئی جس کو مرزا داغ نے یہ عذر کر کے کہ میرے پاس اتنی رقم کے رکھنے کی جگہ کہاں شاہی خزانے میں رکھوا دیا ۔ اس اضافے کی یہ تاریخ کہی گئی ۔

ہو گیا مرا اضافہ آج دونے سے سوا
یہ کرم اللہ کا ہے یہ عنایت شاہ کی
اس اضافے کی کہو اے داغ یہ تاریخ تم
ابتدا سے اپنی ساڑھے پانچ سو نقدی بڑھی ''

(مقدمہ منتخب داغ ص : ف و ص)

داغ کی تنخواہ کے بارے میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے متذکرہ بالا ریکارڈ اور آرکائیوز میں محفوظ دیگر آصف جاہی ریکارڈ کے غائر مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سابق ریاست حیدرآباد میں علاحدہ فرمان کے اجرا کا بتدریج ارتقا عمل میں آیا تھا۔ آرکائیوز میں محفوظ آصف جاہی دور کے ریکارڈ میں صرف آصف سادس میر محبوب علی خاں کے عہد سے فرامین ملتے ہیں اور وہ بھی ۱۳۱۹ھ م ۱۹۰۱ء سے جبکہ ان کی تخت نشینی اور حکمرانی کا آغاز ۱۳۰۱ھ م ۱۸۸۴ء سے ہوا تھا۔ باقاعدہ اور علاحدہ فرامین کے اجرا سے قبل یعنی ۱۳۱۹ھ م ۱۹۰۱ء سے قبل کے آرکائیوز کا ریکارڈ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مدارالمہام کسی درخواست یا کارروائی کو اپنی تجویز یا سفارش کے ساتھ بذریعہ عرضداشت آصف سادس کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کرتے تھے اور آصف سادس اس سلسلے میں اپنا علاحد فرمان جاری کرنے کی بجائے اسی عرضداشت پر اپنا حکم لکھ دیتے تھے۔ لائق علی خاں سالار جنگ دوم اور آسمان جاہ بہادر کے دور مدارالمہامی کی ایسی بہت سی عرضداشتیں آرکائیوز میں موجود ہیں جن پر آصف سادس نے بقلم خود تجاویز یا احکام تحریر کیے تھے۔ اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ مدارالمہام کی جانب سے پیش کردہ عرضداشت پر یا مدارالمہام کی جانب سے راست ملاحظے میں پیش کردہ کسی بھی شخص کی درخواست پر آصف سادس زبانی حکم دے دیا کرتے تھے اور مدارالمہام بعد میں والیِ ریاست کا حکم متعلقہ عرضداشت یا درخواست پر اپنے قلم سے تحریر کردیا کرتے تھے۔ داغ کی درخواست کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ داغ کی تنخواہ کے بارے میں آصف سادس نے مدارالمہام آسمان جاہ کو زبانی احکام دیے تھے اور آسمان جاہ نے بعد میں یہ احکام اپنے قلم سے درخواست پر تحریر کردیے تھے۔۔☆

ماخذ

نشان محافظی دفتر ۳۳۷ بابت ۱۳۰۱ فصلی   نشان ۶۷۹ صیغہ حساب بابت ۱۳۰۰ فصلی

منظوری ایک ہزار روپیہ مدد خرچ برائے داغ صاحب و پانصد روپیہ برائے نرسنگ راؤ صاحب

عبدالحلیم شرر

سابق ریاست حیدرآباد نے بیرون ریاست سے تعلق رکھنے والے اردو کے جن مشاہیر کی سرپرستی کی تھی ان میں عبدالحلیم شرر بھی شامل تھے جو اردو کے اولین ناول نویسوں میں سے ایک تھے اور صاحب طرز انشا پرداز بھی تھے جنھوں نے اپنی تحریروں سے اردو نثر کو مالا مال کیا۔ وہ نواب میر محبوب علی خاں آصف سادس اور نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کے عہد میں کسی نہ کسی ملازمت یا علمی کام کے سلسلے میں ریاست حیدرآباد سے وابستہ رہے تھے۔ اپنے دور کی اتنی اہم اردو شخصیت کی حیدرباد سے اس طویل اور گہری وابستگی کے باوجود کسی کتاب یا رسالے میں اس بارے میں کوئی قابل لحاظ مواد نہیں ملتا۔ آصف سادس کے عہد میں شرر نے حیدرآباد میں دوبار سرکاری ملازمت کی تھی۔ پہلی ملازمت کی مدت نو سال گیارہ ماہ تھی جس کے ختم ہونے کے بعد انہیں انعام دے کر یہاں سے رخصت کیا گیا۔ دوسری ملازمت کے تقریباً ڈیڑھ سال گزرنے کے بعد انہیں، ظفر علی خان اور صفی الدین کو عزیز مرزا کے ساتھ بلا وظیفہ ریاست بدر کردیا گیا تھا لیکن شرر کی نمائندگیوں پر تقریباً پانچ سال بعد اس مختصر مدت ملازمت پر ایک سو روپے ماہوار رعایتی وظیفہ جاری کیا گیا۔ پھر آصف سابع نے ایک خاص پراجکٹ پر کام کرنے کے لیے معقول معاوضہ کا پیشکش کر کے شرر کو حیدرآباد طلب کیا تھا۔ شرر نے چار سال

دو ماہ میں یہ کام مکمل کیا تھا۔ اس مضمون میں آندھرا پردیش آرکائیوز کے ریکارڈ کی مدد سے شرر کی ملازمتوں اور تاریخ اسلام کے پراجکٹ کی تکمیل کا تفصیل سے احاطہ کیا گیا ہے۔ یہی وہ پراجکٹ ہے جس کی ذمہ داری آصف سابع نے بطور خاص انہیں سونپی تھی۔

علم و ادب کی سرپرستی کرنے والے حیدرآبادی امرا میں وقارالامرا بہادر کا نام بڑا نمایاں ہے۔ بے شمار عالم، ادیب اور شاعران کے دربار سے وابستہ رہے۔ ان کی مدارالمہامی کے دور (۱۳۱۱ھ تا ۱۳۱۹ھ م ۱۸۹۴ء تا ۱۹۰۱ء) میں اکثر حضرات کو سرکاری ملازمتیں اور وظیفے جاری کیے گئے۔ عبدالحلیم شرر پر بھی وقارالامرا کی بڑی عنایت و مہربانی تھی۔ آصف سادس کے عہد میں شرر کا حیدرآباد میں پہلی بار سرکاری خدمت پر تقرر اور اس میں توسیع وقارالامرا کے احکام ہی کے ذریعے عمل میں آئی۔ وہ اس خدمت پر نو سال گیارہ ماہ تک کارگزار رہے۔ اس سرکاری ملازمت سے قبل وقارالامرا نے شرر کو انگلستان بھیجا تا کہ شرر ان کے فرزند ولی الدین خان (ولی الدولہ) کو جوان دنوں ایٹن میں زیر تعلیم تھے مشرقی علوم اور مذہبی تعلیم سے آراستہ کریں۔

وقارالامرا نے عبدالحلیم شرر کا ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ م ۲۵ دسمبر ۱۸۹۳ء کو اپنی پیشی میں بطور مترجم ۲۰۰ روپے ماہوار پر ایک سال کے لیے تقرر کیا جس کی مدت میں توسیع ہوتی رہی۔ پھر محمد عزیز مرزا نے تحریک کی کہ سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کی سوانح عمری کے لکھنے میں مدد دینے کے لیے شرر کو ایک سال کے واسطے ان کے پاس متعین کیا جائے۔ یہ تحریک ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ م ۱۴ ستمبر ۱۸۹۷ء کو منظور ہوئی۔ ایک سال کی مدت ختم ہوتے ہی عبدالحلیم شرر نے وقارالامرا کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ وہ جو کتاب لکھ رہے ہیں اس کی تکمیل کے لیے مزید چار سال درکار ہوں گے اس لیے چار سال کی توسیع منظور کی جائے۔ وقارالامرا کی جانب سے چار سالہ توسیع کے احکام جاری کیے گئے۔

جب یہ چار سالہ مدت ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ م ۱۹ ستمبر ۱۹۰۲ء کو اختتام کو پہنچی اس وقت وقارالامرا مدارالمہامی کے عہدے سے سبکدوش ہو چکے تھے اور ان کی جگہ مہاراجا کشن پرشاد مدارالمہام مقرر ہوئے تھے۔ شرر توسیع کی مدت ختم ہونے تک اپنی کتاب مکمل نہ کر سکے تھے اور نہ

انہیں اس کام کے لیے مزید توسیع منظور ہوئی تھی ۔ وہ اپنے طور پر گیارہ ماہ بغیر تنخواہ کے کام کرتے رہے ۔ جب اس سلسلے میں مہاراجا کشن پرشاد نے ایک عرضداشت آصف سادس کی خدمت میں پیش کی تو آصف سادس نے بذریعہ فرمان مورخہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۲۱ ھ م ۸ ستمبر ۱۹۰۳ء عبدالحلیم شرر کی کتاب اوران کی ملازمت کے بارے میں چند استفسارات کیے ۔ کیسن ڈاکر معین المہام فینانس نے اس سلسلے میں جو جوابات پیش کیے تھے ان کا خلاصہ یہ ہے ۔ عبدالحلیم شرر نے بیت المقدس اور صلیبی لڑائیوں کی تاریخ آدھی ختم کی ہے اور ابھی آدھی باقی ہے باوجود یہ کہ کوئی اور کام ان کے ذمے نہ تھا انہوں نے نصف حصے کو پانچ سال میں پورا کیا ۔ سرکاری کاغذات میں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ یہ کتاب سرکاری اغراض کے لیے مطلوب ہے ۔ صلیبی لڑائیوں کے بارے میں تلاش کرنے پر بہت سی کتابیں دستیاب ہوسکتی ہیں ۔ عبدالحلیم شرر ایک بڑے لائق انشا پرداز ہیں لیکن کام کرنے میں سست ۔ ان کا بار ۱۳۱۱ ھ م ۱۹۰۱ سے سرکاری خزانہ پر ہے پھر بھی یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ انہیں یک بیک علاحدہ کردیا جائے جبکہ ان کے ہاتھ میں کوئی ایسا ذریعہ معیشت بھی نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی دوسرے کام کی بنیاد ڈال سکیں ۔ اگر وہ مستقل ملازم سرکار ہوتے تو انعام میں ہر سال کی بابت ایک مہینہ کی تنخواہ پانے کے مستحق ہوتے جو ۲۰۰ روپے کی دس گنی رقم ہوتی ہے لیکن وہ مستقل ملازم نہیں ہیں ۔ پھر بھی سرکار کو اتنی رعایت ضرور کرنی چاہئے کہ ان کو دو ہزار روپے بطور انعام عطا کیے جائیں ۔ عبدالحلیم شرر نے مدت ملازمت کے ختم ہونے کے بعد تقریباً گیارہ ماہ دفتر فینانس میں کام کیا اور اس مدت کی کوئی تنخواہ انہیں نہیں ملی ۔ خود وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی مرضی سے کام کیا ۔ یہ بات مسلم ہے کہ ان کی خدمات دفتر کے لیے کارآمد تھیں لیکن اس درجہ قابل قدر نہ تھیں کہ اس کے معاوضہ میں ان کو دوسو روپے ماہوار کے حساب سے تنخواہ دی جائے ۔ اگر اس مدت کے لیے ایک سوبیس روپے ماہوار کے حساب سے تنخواہ دی جائے تو انہیں ان کی محنت کا کافی معاوضہ مل جائے گا ۔ اس طرح انہیں گیارہ ماہ کے ایک ہزار تین سوبیس (۱۳۲۰) عطا کیے جائیں ۔ یہ رقم مذکورہ بالا دو ہزار کے علاوہ ہے ۔ لہٰذا انہیں کل تین ہزار تین سوبیس روپے

مرحمت کیے جانے کی منظوری صادر فرمائی جائے۔ مہاراجا کشن پرشاد نے ایک عرضداشت مورخہ ۱۶ رمضان ۱۳۲۱ھ م ۶ دسمبر ۱۹۰۳ میں معین المہام فینانس کی مندرجہ بالا رائے درج کی اور اس سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا۔ ''تین ہزار تین سو بیس روپے ان کو مرحمت ہوں اور وہ رخصت کر دیے جائیں۔''

کیسن واکر معین المہام فینانس اور مہاراجا سرکش پرشاد مدارالمہام کی سفارشات منظور ہوئیں اور اس بارے میں آصف سادس کا یہ فرمان مورخہ ۱۸ رمضان ۱۳۲۱ھ صادر ہوا۔ ''آپ کی اور معین المہام فینانس کی رائے مورخہ ۱۶ رمضان ۱۳۲۱ھ مناسب ہے کہ اب تین ہزار تین سو بیس روپے دے کر عبدالحلیم صاحب رخصت کیے جائیں''۔

اس طرح حیدرآباد میں شرر کی ملازمت کا پہلا دور ختم ہوا۔ لیکن حیدرآباد سے واپسی کے تقریباً ساڑھے چار سال بعد انہیں دوبارہ حیدرآباد طلب کیا گیا اور مددگار ناظم تعلیمات کی خدمت پر ان کا تقرر عمل میں آیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے دارالعلوم حیدرآباد کا الحاق ختم ہو چکا تھا اور دارالعلوم کے نصاب کی از سر نو ترتیب کے بعد حیدرآباد ہی میں امتحانات السنہ مشرقیہ کے انعقاد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہٰذا ان امتحانات کے انعقاد، ان کی نگرانی، جوابی بیاضوں کی جانچ کے لیے ممتحنین کے تقررات اور دیگر اہم امور کی انجام دہی کے لیے ناظم تعلیمات کو ایک ایسے مددگار کی ضرورت تھی جو مشرقی علوم میں ماہر ہونے کے علاوہ ادب و انشا پردازی میں بھی مہارت رکھتا ہو۔ چنانچہ معتمد عدالت کی تحریک پر مہاراجا کشن پرشاد نے عبدُالحلیم شرر کا تقرر مددگار ناظم تعلیمات کی خدمت پر ایک سال کے لیے دو سو روپے ماہوار پر کیا۔ ایک سال کی مدت گزر جانے کے بعد مہاراجا نے ایک عرضداشت مورخہ ۱۲ صفر ۱۳۲۷ھ م ۵ مارچ ۱۹۰۹ء آصف سادس کی خدمت میں پیش کی جس میں انہوں نے لکھا تھا ''ناظم تعلیمات کی تحریک پر معتمد عدالت نے سفارش کی ہے کہ مولوی عبدالحلیم شرر نے تاریخ اخذ جائزہ سے اب تک نہایت قابلیت اور جانفشانی سے اپنے فرائض انجام دیے ہیں اور ناظم تعلیمات کو ان سے کامل مدد ملی ہے۔ ایسے لائق شخص کے لیے دو سو روپے ماہوار بالکل کم ہیں اور وہ کسی طرح اس تنخواہ میں اپنے

عہدے کی شان کے موافق اطمینان سے زندگی نہیں بسر کر سکتے۔ اس لیے ان کی تنخواہ تین سو روپے ماہانہ منظور فرمائی جائے اور ان کی خدمت جو ہنگامی اور امتحاناً رکھی گئی ہے مستقل و دوامی کر دی جائے''۔ معتمد فینانس اور معین المہام فینانس نے معتمد عدالت کی رائے سے اتفاق کیا۔ آخر میں مہاراجا نے رائے دی۔ ''مولوی عبدالحلیم صاحب شرر کا مستقلاً تقرر تین سو روپے ماہانہ پر قابل منظوری ہے۔''

اس عرضداشت پر آصف سادس کا کوئی حکم صادر نہیں ہوا اور تقریباً سات ماہ بعد بذریعہ فرمان مورخہ ۲۳ رمضان ۱۳۲۷ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۹ء جب محمد عزیز مرزا کو ریاست بدر کیا گیا تو ان کے ساتھ جو چند اصحاب ریاست بدر کیے گئے تھے ان میں عبدالحلیم شرر شامل تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ عزیز مرزا، صفی الدین اور ظفر علی خاں کو تو ریاست بدری کے باوجود مستقل تنخواہ کا نصف بطور وظیفہ جاری کرنے کے احکام صادر کیے گئے تھے لیکن شرر کے لیے کوئی وظیفہ منظور نہیں کیا گیا تھا۔

آصف سادس کے مذکورہ بالا فرمان میں عبدالحلیم شرر کے لیے حسب ذیل علاحدہ پیراگراف درج تھا۔

''عبدالحلیم صاحب شرر کا تعلق صیغہ ترجمہ وغیرہ سے میرے حکم سے منقطع ہوا تھا، معلوم نہیں کہ میرے حکم کے بغیر ان کو بلا کر کیوں سرکاری خدمت دی گئی۔ خیر یہ تین ماہ کی نوٹس کے عوض تین ماہ کی تنخواہ موجودہ دے کر فوراً علحدہ کر دیے جائیں اور ان کو تاکید کی جائے کہ وہ ممالک محروسہ میں کہیں نہ رہیں۔''

شرر کے تعلق سے آصف سادس کے احکام سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ محکمہ تعلیمات میں انہیں مددگار ناظم کا جو عہدہ دیا گیا تھا اس کے لیے آصف سادس کی منظوری حاصل نہیں کی گئی تھی۔ دوسری بات یہ کہ آصف سادس نے شرر کو وظیفہ جاری کرنے کے احکام صادر نہیں کیے تھے۔

عبدالحلیم شرر، آصف سادس کے احکام کی تعمیل میں خدمت سے علاحدگی کے بعد ریاست حیدرآباد سے نکل کر بمبئی گئے جہاں چند روز قیام کے بعد وہ اپنے وطن لکھنو واپس ہوئے۔

انہوں نے متعدد درخواستیں آصف سادس کی خدمت میں روانہ کیں جن میں انہوں نے لکھا تھا کہ وہ سخت مالی مشکلات میں مبتلا ہیں، کافی مقروض ہوگئے ہیں اور زیادتی عمر کی وجہ سے کوئی نئی ملازمت تلاش کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ ظفر علی خان کو حسب قواعد وظیفہ، مستحق وظیفہ نہ ہونے کے باوجود نصف وظیفہ اور عزیز مرزا کو نصف وظیفہ کے مستحق نہ ہونے کے باوجود نصف وظیفہ مرحمت فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح ان کے نام بھی نصف وظیفہ جاری فرمایا جائے۔ شرر آصف سادس کے نام اپنی ہر درخواست مہاراجا کشن پرشاد مدارالمہام کے نام لکھی ہوئی درخواست کے ساتھ منسلک کر کے روانہ کرتے تھے جس میں مہاراجا سے درخواست کرتے تھے کہ وہ اپنی سفارش کے ساتھ شرر کی درخواست آصف سادس کی خدمت میں پیش کریں اور ان کے نام وظیفہ منظور کروادیں۔ شرر نے ایک بار اپنی درخواست کے ساتھ اپنی پانچ مطبوعات آصف سادس کے ملاحظے کے لیے روانہ کیں اور اس کے بعد کی درخواست کے ساتھ اپنی چار کتابوں کے نئے لائبریری اڈیشن روانہ کرتے ہوئے درخواست کی کہ ان کی آرزو ہے کہ ان کی تمام کتابوں کی لائبریری اڈیشن آصف سادس کے نام سے معنون کیے جائیں۔ شرر کی درخواست نامنظور ہوئی اور آصف سادس کے فرمان کی تعمیل میں انہیں نفی میں جواب دے دیا گیا۔

عبدالحلیم شرر نے وظیفہ جاری کرنے کے سلسلے میں آصف سادس کی خدمت میں جو عرضیاں روانہ کی تھیں انہیں مہاراجا تے عرضداشتوں کے ذریعے آصف سادس کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کیا تھا مگر اس سلسلے میں آصف سادس نے کوئی احکام صادر نہیں کیے۔ آصف سادس کے بعد جب آصف سابع تخت نشین ہوئے تو شرر نے ان کی خدمت میں بھی ایک عرضی روانہ کی۔ چند ضروری امور کے سلسلے میں شرر سے وضاحت طلب کی گئی۔ شرر نے فوراً جواب لکھا لیکن اس کے چند روز بعد ہی مہاراجا مدارالمہامی کے عہدے سے سبکدوش کردیے گئے اور اس طرح شرر کی وہ عرضی عرضداشت کے ذریعے آصف سابع کی خدمت میں پیش نہ کی جاسکی۔ اس کے بعد شرر کی ایک عرضی صاحبزادہ میر تلاوت علی خان نے اپنے سفارشی خط مورخہ ۱۳ جمادی الثانی

۱۳۳۲ھ م ۱۰ مئی ۱۹۱۴ء کے ساتھ معتمد عدالت کے پاس بھیجی جسے معتمد عدالت نے سالار جنگ سوم مدارالمہام کے پاس روانہ کیا۔ اس عرضی پر شرر کی ساری کارروائی کا احاطہ کرتے ہوئے سالار جنگ نے ایک یادداشت مورخہ ۲۸ رجب ۱۳۳۲ھ م ۲۳ جون ۱۹۱۴ء آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کی۔ سالار جنگ کی پیش کردہ یادداشت کا خلاصہ ان کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہے۔ صاحبزادے نے اس عرضی کو روانہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولوی صاحب ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم میں سے ہیں اور اس قسم کے اشخاص کے ساتھ حضور نے مہربانی کا سلوک فرمایا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں شبلی صاحب کو بھی اضافہ سے سرفراز کیا گیا ہے۔ مولوی صاحب کے لیے اگر ایک سو روپے ماہوار رعایتی جاری کرنے کا معروضہ آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا جائے تو کیا عجب کہ شرف قبولیت بخشا جائے۔ انہیں (سالار جنگ) اور مشیر خاص فریدوں بہادر کو بھی صاحبزادے کی رائے سے پورا اتفاق ہے۔ سالار جنگ کی یادداشت میں پیش کردہ سفارشات کو منظوری حاصل ہوئی اور شرر کے لیے اسی روز وظیفے کے اجرا کے احکام صادر ہوئے۔ اس سلسلے میں آصف سابع کا جو فرمان سالار جنگ کے نام جاری ہوا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

"تمہاری رائے معروضہ امروزہ کے مطابق عبدالحلیم صاحب شرر کے نام ایک سو روپے ماہوار رعایتی جاری کی جائے۔"

عبدالحلیم شرر کو ایک سو روپے ماہوار رعایتی جاری ہونے کے ساڑھے تین سال بعد انہیں تیسری بار حیدرآباد طلب کیا گیا۔ اس بار طلبی کی وجہ یہ تھی کہ آصف سابع کو اپنی سوانح عمری لکھوانے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ اس کام کے لیے ان کی نظر انتخاب عبدالحلیم شرر پر پڑی۔ چنانچہ آصف سابع نے اپنے حکم مورخہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ م ۱۰ فروری ۱۹۱۸ء کے ذریعے دریافت کیا "اگر ان کو حیدرآباد اس شرط سے بلوایا جائے کہ وہ نظام کی سوانح عمری لکھیں تو کیا وہ اس خدمت کو قبول کریں گے۔ علاوہ اس کے ان کی ماہوار کیا ہوگی"۔ شرر سے اس بارے میں دریافت کرنے پر انہوں نے اپنے خط مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۱۸ء میں رضامندی ظاہر کرتے ہوئے

لکھا ''میرے لیے ایک معمولی حکم اور ادنی اشارہ کافی ہے اور جس خدمت کے انجام دینے کی ہدایت ہوگی اس کے بجالانے کے لیے ہمیشہ بسر وچشم حاضر ہوں گا۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی کی سوانح عمری لکھنے کی خدمت انجام دینا میرا سب سے بڑا فخر اور سرمایہ ناز ہوگا اور اس کوشش میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھوں گا کہ یہ اعلیٰ ترین تصنیف میرے تمام قلمی کارناموں میں ادب اور فن تاریخ کا مکمل ترین نمونہ ہو''۔ اس کے معاوضے کے لیے شرر نے لکھا ''علاوہ ان سو روپے ماہوار کے جو مجھے بطریق وظیفہ مل رہے ہیں اگر پانچسو روپے ماہوار اور عطا ہوں گے تو چھ سو روپے ماہوار میں آرام کے ساتھ زندگی بسر کرسکوں گا''۔ شرر کے خط کی عبارت بجنسہٖ درج کرتے ہوئے ایک عرضداشت مورخہ ۵ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ م ۱۹ مارچ ۱۹۱۸ء آصف سابع کے ملاحظے میں پیش کی گئی۔ آصف سابع نے اس کام کے معاوضے کے لیے پانچ سو روپے ماہوار کا مطالبہ قبول نہیں کیا بلکہ چار سو روپے ماہوار دینے پر رضا مندی ظاہر کی۔ چنانچہ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ م ۷ اپریل ۱۹۱۸ء کو انہوں نے یہ احکام صادر کیے ''عبدالحلیم شرر کو اطلاع دی جائے کہ علاوہ ایک سو روپے وظیفے کے جو اس وقت ان کو یہاں سے مل رہا ہے اگر وہ اور چار سو ماہانہ یعنی جملہ پانچسو روپے ماہوار پر دو سال کے لیے حیدرآباد آکر یہاں اقامت کر کے میری سوانح عمری کا کام (جو خود ایک مہتم بالشان کام ہے) انجام دیں تو اس شرط کے قبول کرنے میں ہماری گورنمنٹ کو کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ فرمان کی تعمیل میں عبدالحلیم شرر کو اطلاع دی گئی جس پر انہوں نے لکھا کہ انہیں یہ شرائط بخوشی منظور ہیں۔ شرر کی رضا مندی کی اطلاع بذریعہ عرضداشت مورخہ ۱۵ رجب ۱۳۳۶ھ م ۲۷ اپریل ۱۹۱۸ء آصف سابع کی خدمت میں پیش ہوئی جس پر آصف سابع کے فرمان مورخہ ۲۲ رجب ۱۳۳۶ھ کے ذریعے عبدالحلیم شرر کے تقرر کے لیے یہ احکام صادر ہوئے۔

''عبدالحلیم شرر کو اطلاع دی جائے کہ غرہ رمضان ۱۳۳۶ھ م ۱۱ جون ۱۹۱۸ء سے ان کا تقرر (علاوہ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ کے) چار سو روپیہ ماہوار پر دو سال کے لیے میری سوانح عمری لکھنے کی غرض سے ہوا ہے۔ لہٰذا ان کو مہلت دیجاتی ہے کہ وہ غرہ رمضان کے قبل حیدرآباد وارد

ہو کر اپنے قیام کے متعلق ضروری انتظام کرلیں"۔ شرر کے نام ان کے تقرر کے احکام روانہ کرنے پر انہوں نے اپنے خط مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۱۸ء میں نوازش و الطاف شاہانہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا "حسب فرمان خسروی میں ۲۰ شعبان کے بعد کسی تاریخ یہاں سے روانہ ہو کر غرہ رمضان سے پہلے ہی حاضر بارگاہ فلک پائیگاہ ہو کر شرف آستان بوسی حاصل کروں گا"۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ بھی استدعا کی کہ آصف سابع نے پانچ سو روپے کی رقم جو بطور زادرہ عطا فرمائی ہے ٹیلیگرافک منی آرڈر کے ذریعے ان کے پاس بھیجی جائے تا کہ وہ سفر میں اس سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ اس استدعا پر شرر کے پاس زادراہ کے واسطے پانچ سو کلدار فوراً ایصال کرنے کے لیے آصف سابع کے احکام صادر ہوئے۔

سوانح عمری کے کام کے آغاز پر آصف سابع نے تمام سرکاری دفاتر کے نام احکام جاری کیے کہ رفاہ عام کے کاموں یا ریاست کی ترقی و بہبودی سے متعلق مواد اکٹھا کر کے جلد شرر کے ہاں روانہ کیا جائے تا کہ ان کا ذکر سوانح عمری میں کیا جائے۔ آصف سابع نے اس بات سے آگاہ کیا کہ اپنی پیدائش سے لے کر تخت نشینی تک کے قابل ذکر واقعات کا خلاصہ وہ خود شرر کے ہاں بھجوادیں گے۔ یہ کام وقتاً فوقتاً جو کچھ تیار ہوگا وہ آصف سابع کے ملاحظے میں بغرض اصلاح و ترمیم پیش کیا جاتا رہے۔

عبدالحلیم شرر نے آصف سابع کی سوانح عمری کی تیاری کے سلسلے میں حسب ذیل عملہ عطا کیے جانے کی استدعا کی تا کہ یہ کام مقررہ وقت پر بہتر انداز میں تکمیل پا سکے۔

۱۔ ایک قابل انگریزی داں مددگار ماہوار یاب (۱۵۰) روپے

۲۔ ایک صیغہ دار ماہوار یاب (۴۰) روپے

۳۔ دو مبیضہ نویس ماہوار یاب (۵۰) روپے اور (۴۰) روپے

۴۔ ایک دفتری ماہوار یاب (۱۵) روپے

۵۔ دو چپراسی ماہوار یاب (۱۰) روپے اور (۸) روپے

اس بارے میں آصف سابع کا یہ حکم مورخہ ۱۴ رمضان ۱۳۳۶ھ جاری ہوا۔ "میری سوانح

عمری کے عملے کے متعلق مولوی عبدالحلیم صاحب شرر نے جو استدعا کی وہ واجبی ہے۔ لہذا ان کی خواہش کے موافق فوراً انتظام کیا جائے۔" عبدالحلیم شرر نے آصف سابع کی سوانح عمری کا نام "شوکت عثمانیہ" تجویز کیا تھا جو آصف سابع کو پسند آیا اور اسے انہوں نے منظور کیا۔ اس بارے میں وہ حکم مورخہ ۲۱ رمضان ۱۳۳۶ھ م یکم جولائی ۱۹۱۸ء میں لکھتے ہیں "میں نے اپنی سیرۃ کا نام ان کی تجویز پیش کردہ کے موافق شوکت عثمانیہ رکھا ہے۔ اس لیے آئندہ سے کل دفاتر اس محکمے کو دفتر "شوکت عثمانیہ" سے مخاطب کریں"۔ اس کام کو شروع کیے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ شرر نے حیدرآباد میں ایک اور اہم علمی و تحقیقی پراجکٹ سے اپنے گہرے لگاؤ کا اظہار کرتے ہوئے ایک عرضی روانہ کی جس میں انہوں نے لکھا کہ محکمہ نظامت تالیف و ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ذمہ دار حضرات انہیں اپنے کاموں میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ دوبار انہیں مختلف کمیٹیوں کی شرکت کے لیے طلب کیا گیا لیکن بغیر آقائے ولی نعمت کی اجازت کے انہیں جانے کی جرات نہ ہوئی۔ یہ بھی سنا جارہا ہے کہ تاریخ اسلام کی تصنیف کے لیے ان کا نام تجویز کیا جارہا ہے اور ارباب ذمہ دار چاہتے ہیں کہ وہ اس کے متعلق اسکیم بنا کر پیش کریں۔ انہیں ایک مخصوص کام کے لیے طلب کیا گیا ہے۔ اس اہم کام کے ساتھ تصنیف تاریخ اسلام کا انجام دینا اگرچہ دشوار ہے لیکن آصف سابع کی مرضی مبارک یہی ہے تو وہ ان کی دستگیری اور توجہ کے بھروسے پر جس طرح بنے گا دونوں خدمتوں کو انجام دے سکیں گے۔

شرر کی اس عرضی سے آصف سابع کے خیال میں تبدیلی آئی اور انہوں نے اپنی سوانح عمری کا کام رکوا کر شرر سے تاریخ اسلام لکھوانے کو ترجیح دی۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان کا جو حکم مورخہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ م ۱۸ اگست ۱۹۱۸ء صادر ہوا تھا اس کا پورا متن حسب ذیل ہے۔

"عبدالحلیم شرر کو میں نے اپنی سوانح عمری لکھنے کی غرض سے لکھنو سے حیدرآباد طلب کیا تھا مگر اب موجودہ واقعات عالم کے لحاظ سے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ بعوض حیدرآباد میں قیام کرنے کے اپنے وطن لکھنو میں قیام کر کے سب سے پہلے تاریخ اسلام لکھنا شروع کریں۔ اس کام کے لیے ماہانہ چار سو روپے ان کو ملا کریں گے علاوہ ان کے وظیفے کے اور جس وقت یہ کام

تشکیل پا جائے گا اس وقت ان کو میری سوانح عمری لکھنے کا مہتم بالشان کام دیا جائے گا اور اس درمیانی عرصے میں سوانح عمری کا مواد بھی فراہم ہو جائے گا۔"

متذکرہ بالا حکم کے بعد ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ کو آصف سابع کے یہ احکام صادر ہوئے کہ چار سو روپے ماہوار کے عوض پانچ سو روپے ماہوار (علاوہ وظیفہ) پر بغرض تصنیف تاریخ اسلام مولوی عبدالحلیم شرر کا تقرر دو سال کے لیے عمل میں آئے جس کا آغاز غرہ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ م ۷ ستمبر ۱۹۱۸ء سے ہوگا۔ وہ اپنے وطن میں رہ کر بغیر کسی عملے کے اس کام کو انجام دیں اور وقتاً فوقتاً راست دارالترجمہ سے اس معاملے میں خط و کتابت کریں۔ اس حکم نامے میں دفتر شوکت عثمانیہ کے عملے اور فرنیچر کے علاوہ سوانح عمری سے متعلق جمع شدہ مواد کے بارے میں بھی ضروری ہدایات دی گئی تھیں۔

تاریخ اسلام تصنیف کرنے کے لیے عبدالحلیم شرر کا تقرر دو سال کے لیے ہوا تھا لیکن اتنی مدت میں انہوں نے صرف پہلی جلد مکمل کی جس میں عہد جاہلیت، سرزمین عرب کی ملکی و تمدنی حالت، وہاں کی قدیم تاریخ، سیرت محمدی اور عہد ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی علیہ عنہما کے عہد کا احاطہ کیا گیا تھا۔ انہوں نے اس جلد کی ایک کاپی دارالترجمہ کے لیے اور ایک کاپی آصف سابع کے ملاحظے کے لیے ارسال کی۔ شرر نے آصف سابع کے نام اپنی درخواست مورخہ ۲۷ رمضان ۱۳۳۸ھ م ۱۵ جون ۱۹۲۰ء میں لکھا کہ اب وہ حضرت عثمان غنیؓ کے حالات و واقعات قلم بند کر رہے ہیں مگر اب ان کے کام کی مدت پوری ہونے کو فقط دو مہینے باقی رہ گئے ہیں۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ م ۱۶ اگست ۱۹۲۰ء کو دو سال کی مدت پوری ہو جائے گی۔ اگر اس سلسلے کو جاری رکھنے کا حکم صادر ہو تو وہ دوسری جلد پوری کریں گے ورنہ آخر ذی قعدہ تک جو کچھ مکمل ہوگا ملاحظے میں پیش کر دیا جائے گا۔

آصف سابع نے شرر کی استدعا سے متعلق صیغہ متعلقہ کی رائے طلب کی۔ اس پر صدر اعظم نے ایک یادداشت مورخہ ۶ صفر ۱۳۳۹ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء آصف سابع کے ملاحظے میں پیش کی جس میں اراکین مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کی یہ سفارش درج تھی کہ موجودہ شرائط پر مولوی

عبدالحلیم شرر کی مدت میں ایک سال کی توسیع کی جائے ۔صدر اعظم نے اس سفارش سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی عبدالحلیم شرر کو اطلاع کر دینا مناسب ہے کہ آئندہ کوئی توسیع ممکن نہیں ۔آصف سابع کی خدمت میں پیش کردہ سفارشات کو منظوری حاصل ہوئی ۔اس سلسلے میں ان کا جو فرمان صادر ہوا تھا اس کا آخری جملہ یہ ہے ''اس کام کے لیے ان کے وظیفے کی مدت میں ایک سال کی توسیع دی جاتی ہے ۔اس کے بعد کوئی مزید توسیع نہ ہو سکے گی''۔

شرر توسیع شدہ مدت میں بھی اپنا کام مکمل نہ کر سکے اور مزید توسیع کے لیے انہوں نے جو درخواست دی تھی اس میں انہوں نے لکھا کہ اب تک حضرت عثمان غنی کے عہد کا معتدبہ حصہ مدون ہو چکا ہے ۔اب حضرت علی مرتضیٰ کے عہد کے پورے حالات اور حضرت عثمان کے حالات کا بقیہ حصہ ایک ہی سال کی مدت میں قلم بند ہونا دشوار ہے کیونکہ یہ تاریخ اسلام کا نازک ترین اور زیادہ پیچیدہ حصہ ہے اور اس کام کے لیے بکثرت کتب تاریخ واحادیث وغیرہ سے مدد لینی پڑے گی ۔کام کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تکمیل کے لیے مزید دو سال کی ضرورت ہے ۔شرر کی اس درخواست پر اراکین مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ نے صرف ایک سال کی توسیع کی سفارش کی اور اس سلسلے میں جو عرضداشت مورخہ ۷ صفر ۱۳۴۰ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۱ء آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی تھی وہ نامنظور ہوئی اور حسب ذیل فرمان مورخہ ۲۱ صفر ۱۳۴۰ھ صادر ہوا۔

''عبدالحلیم شرر محض وظیفے کی مدت بڑھانے کے خیال سے یہ لیت ولعل کر رہے ہیں ۔لہٰذا ان کو لکھ دیا جائے کہ کتاب غیر مکمل ہے تو اس کو واپس کر دیا جائے اور یکم محرم ۱۳۴۰ھ م ۴ ستمبر ۱۹۲۱ء تک کا وظیفہ ان کو دے کر موقوف کر دیا جائے ۔کتاب مذکور کی تکمیل کسی دوسرے لائق شخص کے ذریعے عمل میں آ سکتی ہے جس کے متعلق متعاقب حکم دیا جائے گا یا بغیر مزید وظیفے کے وہ بطور خود تکمیل کرنے کے لیے آمادہ ہیں تو وہ بات جدا ہے ۔اس کی اجازت ان کو دی جا سکتی ہے۔جلد ان سے خط وکتابت کر کے مجھے اطلاع دی جائے ۔''

اس فرمان سے عبدالحلیم شرر کو آگاہ کیا گیا ۔اس کے جواب میں انہوں نے ایک معروضہ مورخہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ م ۲۶ نومبر ۱۹۲۱ء روانہ کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ ان کی تمنا

ہے کہ یہ کام جوان کے ہاتھ سے شروع ہوا ہے انہیں کے ہاتھ سے تکمیل کو بھی پہنچے اور ان کی استدعا ہے کہ بلا کسی معاوضے اور ماہوار کے اس جلد کے مکمل کرنے کی اجازت انہیں عطا کی جائے۔ یہ معروضہ بذریعہ عرضداشت مورخہ ۲ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ م یکم جنوری ۱۹۲۲ء آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کیا گیا جس پر حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ صادر ہوا۔

''مولوی عبدالحلیم شرر کو اطلاع دی جائے کہ جس وقت وہ تاریخ اسلام کا دوسرا حصہ (جو زیر تکمیل ہے) مکمل کر کے پیش کریں گے تو اس وقت ان کی محنت کے متعلق غور ہو سکے گا مگر ماہوار اب جاری نہیں رہ سکتی۔''

عبدالحلیم شرر کو تاریخ اسلام کے دوسرا حصہ مکمل کرنے میں مزید ایک سال لگا اور انہوں نے اپنی درخواست مورخہ ۷ صفر ۱۳۴۱ھ م ۲۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کے ذریعے تاریخ اسلام کا بقیہ حصہ روانہ کرتے ہوئے لکھا کہ تاریخ اسلام کو جس حد تک لکھنے کا حکم ہوا تھا وہ پورا ہو گیا۔ اب آقائے ولی نعمت کو اختیار ہے کہ اس کے متعلق جیسا مرضی مبارک میں آئے حکم فرمائیں۔

یہ صحیح ہے کہ آصف سابع نے ایک سالہ توسیع کی مدت گزر جانے کے بعد مزید توسیع منظور کرنے سے انکار کر دیا تھا اور شرر کا ماہوار معاوضہ روک دیا گیا تھا مگر کام کے مکمل کر دیے جانے پر ان کی محنت کے معاوضے کی ادائی کے بارے میں غور کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ جب عبدالحلیم شرر نے کام مکمل کر کے روانہ کیا تو آصف سابع نے مسدودی معاوضے کی تاریخ سے کام تکمیل کرنے کی تاریخ تک مقرر شرح سے یکمشت معاوضہ شرر کو ایصال کرنے کی منظوری صادر کر دی۔ اس سلسلے میں جو فرمان مورخہ ۱۵ صفر ۱۳۴۱ھ م ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۲ء جاری ہوا تھا، اس کا متن حسب ذیل ہے۔

''تاریخ مذکور کی اشاعت وغیرہ کے بارے میں جو کچھ انتظام ہونا ہے اس کی نسبت جلد صراحت کر کے ہر معاملے میں میری منظوری حاصل کی جائے۔ اب رہا تاریخ اسلام کی تالیف کا معاوضہ جو مولوی عبدالحلیم شرر کو دینا ہے اس کی بابت ابتدائی تین سال کا معاوضہ ان کو مل چکا ہے

البتہ جس تاریخ سے وہ بلا ماہوار کے کام کر رہے ہیں اس کی بابت ان کو معاوضے دینا چاہئے۔ پس تاریخ مسدودی ماہوار سے ختم کار یعنی تکمیل تاریخ تک جو مدت ہوتی ہے اس کی بابت ان کو سابقہ شرح ماہوار کے حساب سے یکمشت رقم دے کر حساب بے باق کر دیا جائے و بس۔ اس سے بڑھ کر اور رعایت ان کے ساتھ کیا ہو سکتی ہے۔"

عبدالحلیم شرر نے چار سال دو ماہ (غرہ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ تا ختم محرم ۱۳۴۱ھ) کی مدت میں تاریخ اسلام دو جلدوں میں تصنیف کی جس کا معاوضہ انہیں پچیس ہزار روپے ادا کیا گیا۔ اس مدت میں اس معاوضے کے علاوہ انہیں ایک سو روپے ماہوار وظیفہ بھی ملتا رہا۔

شرر کی تصنیف کردہ تاریخ اسلام کی پہلی جلد کی ۱۹۲۵ء میں اور دوسری جلد کی ۱۹۲۶ء میں دارالطبع جامعہ عثمانیہ سے اشاعت عمل میں آئی۔

آصف سابع عام طور پر باب حکومت (کابینہ) کی تجویز یا سفارش پر کسی ممتاز علمی و ادبی شخصیت یا اس کے افراد خاندان کے لیے رعایتی وظیفہ جاری کرنے کی منظوری دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھار وہ مستحق افراد کے لیے وظیفہ جاری کرنے کی اپنی خواہش کا اشارہ دیتے ہوئے باب حکومت سے استفسار کرتے اور اس بارے میں سفارشی عرضداشت پیش کرنے کی ہدایت کیا کرتے تھے لیکن عبدالحلیم شرر کی بیوہ کے نام وظیفہ جاری کرنے کی کارروائی یکسر مختلف تھی۔ شرر کا انتقال ۲۴ دسمبر ۱۹۲۶ء کو ہوا۔ ان کے انتقال کی اطلاع ملنے پر آصف سابع نے باب حکومت کی کسی تجویز و سفارش یا اس سے صلاح و مشورہ کیے بغیر ہی از خود فرمان مورخہ ۷ شعبان ۱۳۴۵ھ م ۱۰ فبروری ۱۹۲۷ء جاری کرتے ہوئے شرر مرحوم کی بیوہ محفوظ النساء بیگم کی پرورش اور اولاد کی تعلیم کے لیے ۱۵۰ روپے کلدار ماہوار تا حیات رعایتی وظیفے کے طور پر منظور کیے۔

صرف ڈیڑھ دو سال کی ملازمت انجام دینے پر تا حیات ایک سو روپے ماہوار رعایتی وظیفے کا جاری کیا جانا، تاریخ اسلام کی تصنیف پر زائد از اسی (۸۰) سال قبل پچیس (۲۵) ہزار روپے خطیر معاوضے کا دیا جانا اور انتقال پر ان کی بیوہ کی پرورش اور اولاد کی تعلیم کے لیے تا حیات ایک سو پچاس روپے کلدار ماہوار کی منظوری ریاست حیدرآباد اور اس کے فرمان روا آصف سابع کی

فیاضی اور علمی سرپرستی کی ایک بہترین مثال ہے۔۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 76, List No. 15, S.No.2
منتقلی ماہوار عبدالحلیم صاحب شرر

2) Instalment No. 78, List No. 1, S.No.298
تقرر مولوی عبدالحلیم شرر بر مددگاری تعلیمات

3) Instalment No. 79, List No. 5, S.No.373
Removal from His Highness service of
Moulvi Abdul Halim Sharar

4) Instalment No. 80, List No. 25, S.No.766
نظام کی سوانح عمری لکھنے کے لیے عبدالحلیم شرر کے تقرر کی نسبت

بارگاہ حکومت عالی
صدر اعظم

فرمان

بملاحظہ :- عرضداشت صدارت العالیہ معروضہ ۹ - صفر المظفر ۱۳۴۱ھ جو مولوی عبدالحلیم صاحب شرر کی مولفہ تاریخ اسلام کی اشاعت وغیرہ کی نسبت ہے -

حکم :- تاریخ مذکور کی اشاعت وغیرہ کے بارہ میں جو کچھ انتظام ہونا ہے اوسکی نسبت صدارت کے ہر معاملہ میں میری منظوری حاصل کی جائے -

اب رہا تاریخ اسلام کی تالیف کا معاوضہ جو مولوی عبدالحلیم صاحب شرر کو دینا ہے اوسکی بابت ابتدائی کام کا معاوضہ تو اون کو مل چکا ہے البتہ جس تاریخ سے وہ بلا ماہوار کے کام کر رہے ہیں اوسکی بابت اونکو معاوضہ دینا چاہئے - پس تاریخ مسدودی ماہوار سے ختم کار یعنے تکمیل تاریخ تک جو مدت ہوتی ہے اوسکی بابت اونکو سابقہ شرح ماہوار کے حساب سے یکمشت رقم دیکر حساب بیباق کردیا جائے وبس اس سے بڑھکر اور رعایت اونکے ساتھ کیا ہوسکتی ہے ؟

شرف دستخط مبارک (اعلیحضرت بندگانعالی مدظلہ العالی)

۱۵ - صفر المظفر ۱۳۴۱ھ یکشنبہ شرف دستخط (امین جنگ بہادر)

صدر المہام پیشی و ...

نقل مطابق اصل

مولوی عبدالحق

مولوی عبدالحق کو بابائے اردو کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اردو زبان و ادب کی صد ہا سالہ تاریخ میں یہ لقب کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ اس اعزاز اور انفرادیت میں حیدرآباد کا اہم حصہ رہا ہے۔ اس بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد نے مولوی عبدالحق کو بابائے اردو بنایا اور اردو کی اس عظیم شخصیت کو اس بلندی تک پہنچنے کے لیے زینہ کا کردار ادا کیا۔ ساتھ ہی ساتھ اگر یہ نہ کہا جائے تو بھی اردو کی اس عدیم المثال شخصیت سے ناانصافی ہوگی کہ اس شخص نے اپنی لگاتار محنت شاقہ، جہد مسلسل اور غیر معمولی ہمہ گیر صلاحیتوں اور قابلیت کے بل بوتے اور پھر حیدرآباد میں میسر ہونے والی سہولتوں اور آسائشوں سے استفادہ کرتے ہوئے بابائے اردو کا اعزاز اور مقام حاصل کیا۔ حیدرآباد سے جو نامور بیرونی مشاہیر ادب وابستہ رہے ہیں ان میں مولوی عبدالحق اس اعتبار سے بھی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان کی انگز طویل ترین ہے۔ دوسرے الفاظ میں حیدرآباد میں ان کی کارگزاری کی مدت جتنی لمبی ہے اتنی طویل مدت بیرونی مشاہیر ادب میں کسی اور کی نہیں رہی۔ اگر حالات کے تقاضے انہیں ۱۹۳۸ء میں دہلی منتقل ہونے پر مجبور نہ کرتے تو شاید وہ ملک کو آزادی ملنے تک حیدرآباد میں رہتے اور اس طرح ان کے کارناموں میں مزید بیش بہا اضافہ ہوتا۔

یہ مضمون مولوی عبدالحق کی ریاست حیدرآباد سے طویل وابستگی اور ان کی مشن کی کامیابی کے لیے حیدرآباد کی جانب سے دیے گئے مکمل اور مسلسل تعاون کے بارے میں قلم بند کیا جارہا ہے۔

سالار جنگ اول کے عہد (۱۸۵۳ء تا ۱۸۸۳ء) سے ریاست حیدرآباد کے نظم ونسق میں وسیع پیمانے پر اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا۔ نظم ونسق میں اصلاحات کے نتیجے میں نئے نئے محکمے وجود میں آرہے تھے جہاں تعلیم یافتہ اور کارکرد افراد کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مولوی عبدالحق نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔اے کرنے کے بعد ملازمت کی تلاش میں حیدرآباد کا رخ کیا۔ وہ یہاں ۱۳۰۵ ف م ۹۶۔۱۸۹۵ء میں سرکاری ملازمت سے وابستہ ہوئے اور زائد از تیس برس مختلف خدمتوں پر کارگزار رہنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ اس کے بعد وہ جامعہ عثمانیہ میں اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے اور بالآخر ۱۹۳۸ء میں دہلی چلے گئے۔

حیدرآباد میں ان کا پہلا تقرر ۱۳۰۵ ف م ۹۶۔۱۸۹۵ء میں گولکنڈہ بریگیڈ کے مترجم کی حیثیت سے ہوا۔ اس کے بعد وہ اوائل ۱۳۱۶ ف م ۷۔۱۹۰۶ء میں معتمدی عدالت میں مترجم کی خدمت پر مامور ہوئے۔ تقریباً پانچ سال بعد وہ ۱۳۲۱ ف ۱۲۔۱۹۱۱ء میں پرسنل مددگار نظامت تعلیمات مقرر ہوئے۔ بعد ازاں وہ ۱۳۲۲ ف ۱۳۔۱۹۱۲ء میں صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد بنائے گئے۔ مولوی عبدالحق جب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد کی خدمت پر فائز تھے انہیں حکمران ریاست نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کے فرمان مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۱۷ء کی تعمیل میں دو سو روپے ماہانہ الاونس کے ساتھ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی نگرانی تفویض کی گئی۔ مولوی عبدالحق تقریباً دو سال ناظم دارالترجمہ کے عہدے پر فائز رہے۔ انہیں آصف سابع کے فرمان مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۱۹ء کی تعمیل میں صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد کی اصل خدمت پر واپس کردیا گیا۔ (مولوی عبدالحق کی حیدرآباد میں ملازمت کے بارے میں یہ معلومات آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ سے حاصل کی گئی ہیں) حیدرآباد میں قیام کے ابتدائی برسوں میں وہ مدرسہ آصفیہ کے ہیڈ ماسٹر اور رسالہ افسر کے ایڈیٹر بھی رہے۔ مولوی عبدالحق

۱۹۲۳ء میں پرنسپال انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد مقرر ہوئے جہاں سے وہ ۱۹۲۹ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ پروفیسر وحید الدین سلیم کی وفات پر جامعہ عثانیہ میں اردو کے پروفیسر کی خدمت خالی ہوئی اور مولوی عبدالحق کا اس خدمت پر ۱۵اگست ۱۹۲۹ء کو تقرر عمل میں آیا۔ انجمن ترقی اردو کے مشاورتی اجلاس منعقدہ ۱۹۳۶ء میں انجمن کے دفتر کو اورنگ آباد سے دہلی منتقل کرنے کی تجویز منظور ہوئی۔ چنانچہ مولوی عبدالحق جامعہ کی ملازمت سے سبکدوش ہوکر نومبر ۱۹۳۸ء میں انجمن ترقی اردو کے دفتر کے ساتھ دہلی منتقل ہو گئے۔ اس طرح وہ چالیس برس سے زیادہ عرصے تک حیدرآباد میں رہے۔

مولوی عبدالحق ملازمت کے سلسلے میں ۱۳۲۲ف م ۱۳-۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۹ء تک اورنگ آباد میں رہے۔ وہ ۱۹۱۲ء میں انجمن ترقی اردو کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ اس وقت انجمن کا دفتر علی گڑھ میں تھا۔ ظاہر ہے کہ ملازمت کے سلسلے میں حیدرآباد میں رہتے ہوئے ان کے لیے انجمن کا کام کرنا عملی طور پر ممکن نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے ملازمت کے سلسلے میں اورنگ آباد آنے کے بعد انجمن کے دفتر کو ۱۹۱۳ء میں اورنگ آباد منتقل کرلیا۔ اس طرح وہ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۹ تک اورنگ آباد میں بیک وقت سرکاری ملازمت کے فرائض اور انجمن کے کام انجام دیا کرتے تھے۔ سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۸ء تک بحیثیت پروفیسر اردو عثانیہ یونیورسٹی ان کا قیام حیدرآباد میں رہا۔ اس مدت میں بھی انجمن کا دفتر اورنگ آباد ہی میں تھا لیکن حیدرآباد میں قیام کے باوجود انجمن کے دفتر سے مولوی صاحب کا مستقل ربط قائم تھا اور انجمن کی سرگرمیاں اور کام ان کی بھرپور نگرانی میں انجام پاتے تھے۔ انہیں جب بھی موقع ملتا وہ انجمن کے کام کے سلسلے میں اورنگ آباد جایا کرتے تھے۔

۱۹۱۳ء سے ۱۹۳۸ء تک انجمن ترقی اردو کا دفتر اورنگ آباد میں تھا۔ ربع صدی کے اس مدت کے دوران حیدرآبادیوں کی مالی امداد اور ریاست حیدرآباد کی مسلسل اعانت اور سرپرستی کی وجہ سے ہی مولوی عبدالحق انجمن کو مضبوط، فعال اور کارکرد بنانے میں کامیاب ہوسکے۔ چنانچہ اورنگ آباد کے دور میں انجمن نے تقریباً سو کتابیں شائع کیں اور دو معیاری رسالے ''اردو'' اور

مہربان شخصیتوں نے مالی امداد کے لیے حکمران وقت (آصف سابع) کی توجہ بھی مبذول
کروائی۔ ان کے علاوہ حیدر آباد کے جن امرا نے انجمن کو عطیے مرحمت کیے ان میں مہاراجا
کشن پرشاد، سالار جنگ سوم، لطف الدولہ بہادر اور مہاراجا پرتاب گیر جی کے نام شامل ہیں لیکن
سب سے زیادہ اہم بات حکمران ریاست نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع کی سرپرستی ہے جو
مالی امداد کی منظوریوں کے سلسلے میں انہیں حاصل رہی۔ اگر آصف سابع فیاضی کے ساتھ انجمن
کے لیے مالی امداد کی منظوریاں صادر نہ کرتے تو انجمن کا اس قدر ترقی کرنا اور عروج حاصل کرنا
ممکن نہ تھا (انجمن کی امداد کا تذکرہ آگے آئے گا)۔

مولوی عبدالحق نے اپنی عمر عزیز کے بہترین ایام اورنگ آباد میں بسر کیے۔ اورنگ آباد
میں مولوی عبدالحق کا مکان اور دفتر مقبرہ رابعہ دورانی کے پاس بے حد پر فضا مقام پر واقع تھا۔
اورنگ آباد کا پرفضا اور پرسکون ماحول ان کے لیے بڑا ممد و معاون ثابت ہوا اور انہوں نے وہاں
بڑی تعداد میں علمی و ادبی کام انجام دیے۔ مولوی صاحب کو خود اس بات کا اعتراف تھا کہ انہوں
نے اردو زبان اور ادب کے لیے جو کچھ کام کیا تھا اس کا زیادہ تر حصہ اورنگ آباد میں انجام پایا۔
وہ محمد علی، کراچی کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۵۸ء مشمولہ خطوط عبدالحق مرتبہ اکبر الدین
صدیقی میں لکھتے ہیں "یہ بھی تم جانتے ہو کہ برا بھلا کام جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا اس کا زیادہ تر
حصہ اورنگ آباد میں بیٹھ کر کیا۔ پھر میں اسے کیسا بھول سکتا ہوں۔"

انجمن کا دفتر جب ۱۹۱۳ء میں علی گڑھ سے اورنگ آباد منتقل ہوا تھا اس وقت انجمن کی کیا
حالت تھی، اورنگ آباد کے قیام کے دوران انجمن کو کتنی ترقی ہوئی اور کس درجہ عروج حاصل ہوا
اس کا اندازہ سید ہاشمی فرید آبادی کی کتاب پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو کے ان جملوں سے
کیا جا سکتا ہے "(انجمن) جس وقت علی گڑھ سے اورنگ آباد آئی تو کل کائنات ایک ٹوٹا ہوا
صندوقچہ تھا اور جب یہاں سے دہلی چلی تو مطبوعات کے ذخائر مال گاڑی کے کئی ڈبوں میں
لادے گئے۔ چھاپے خانے کا کثیر بھاری سامان اور کلوں کو حمل و نقل کی دشواریوں کی وجہ سے
اورنگ آباد ہی میں فروخت کر دینا پڑا۔ مولوی صاحب کا بیش بہا ذاتی کتب خانہ اور اردو لغت کا

دفتر جو حیدر آباد سے براہ راست دہلی گیا، بجائے خود ایک اٹالا الگ تھا"۔

مولوی عبدالحق کو حکومت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ حکومت کے کلیدی اور اہم عہدوں پر فائز شخصیتوں سے ان کے قریبی اور اچھے مراسم تھے۔ اردو ریاست حیدر آباد کی سرکاری زبان تھی اور اردو کے لیے مولوی عبدالحق کی خدمات سب پر روز روشن کی طرح عیاں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت کی جانب سے انہیں کچھ ایسے کام اور ذمہ داریاں سونپی گئیں جن کی تکمیل پر انجمن کا مالی موقف بہت مضبوط ہو گیا۔ اورینٹل نصاب کے رشدیہ مدارس ساری ریاست حیدر آباد میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان تمام مدارس کو ۱۹۱۵ء میں ورنا کیولر (اردو میڈیم) میں تبدیل کر دیا گیا۔ اردو ذریعہ تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں اس اہم اور انقلابی قدم کی وجہ سے ریاست میں مدارس کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ اس وقت محکمہ تعلیمات نے مولوی عبدالحق سے اول سے میٹرک تک کی جماعتوں کے لیے اردو کی نصابی کتابیں تیار کروائیں۔ مولوی عبدالحق کی دس جماعتوں کے لیے درسیہ عثمانیہ کے نام سے تیار کردہ اردو کی کتابیں ریاست حیدر آباد کے سارے تحتانیہ، وسطانیہ اور فوقانیہ مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں۔ ان کتابوں کے علاوہ مولوی عبدالحق کی قواعد اردو بھی میٹرک کے نصاب میں شریک تھی۔ مولوی صاحب کی یہ گیارہ کتابیں ایک طویل عرصے تک ریاست حیدر آباد کے تمام مدارس میں شریک نصاب رہیں جن کی فروخت سے انجمن کو دس لاکھ سے زیادہ آمدنی ہوا کرتی تھی۔ اس آمدنی کی وجہ سے انجمن چندوں اور عطیوں سے بے نیاز ہو گئی۔

مولوی عبدالحق مالی امداد کے لیے حکومت ریاست حیدر آباد کو جو درخواستیں پیش کرتے تھے ان پر حکومت کے ارباب ذمہ دار بشمول باب حکومت (کابینہ) مالی امداد منظور کرنے کی سفارشیں کرتے تھے اور آصف سابع کسی استفسار اور رکاوٹ کے بغیر منظوریاں صادر کرتے تھے۔ ذیل کی تفصیلات سے اس بیان کی وضاحت اور تصدیق ہوتی ہے۔ یہ تفصیلات آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر پیش کی جارہی ہیں۔

مولوی عبدالحق اردو کی ایک ایسی جامع لغت تیار کرنا چاہتے تھے جو دستیاب اردو لغتوں میں

پائی جانے والی کوتاہیوں اور غلطیوں سے پاک ہو۔ اس کے لیے بڑے سرمایے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے حکومت ریاست حیدرآباد کو ایک درخواست پیش کی جس میں انہوں نے استدعا کی کہ اردو کی ایک ایسی جامع لغت کی تیاری اور ترتیب کے لیے انہیں ایک ہزار روپے ماہانہ دس سال کی مدت تک عطا کیے جائیں۔ اس درخواست پر محکمہ جات تعلیمات اور فینانس نے مولوی عبدالحق کو اس کام کے لیے بے حد موزوں قرار دیتے ہوئے مالی امداد جاری کرنے کی پر زور سفارش کی۔ باب حکومت نے اردو میں ایک جامع لغت کی ضرورت کو ظاہر کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ مولوی عبدالحق کو دس سال تک ایک ہزار روپے ماہانہ اس علمی کام کی تکمیل کے لیے مرحمت کیے جاسکتے ہیں۔ ان سفارشات کی روشنی میں آصف سابع نے فرمان مورخہ ۴ اگست ۱۹۳۰ء کے ذریعے اس کام کے لیے مولوی عبدالحق کو دس سال کے لیے ایک ہزار روپے ماہانہ امداد منظور کی۔ یہ امداد دس سال تک جاری رہی اور اس اطلاع کی بنیاد پر کہ لغت کا کام مکمل ہو چکا ہے آصف سابع نے بذریعہ فرامین لغت کی طباعت کا کام شروع کروانے، مونو ٹائپ مشین خریدنے اور پروف ریڈر کا تقرر کرنے کے احکام جاری کیے۔ مولوی عبدالحق کی درخواستوں پر اردو لغت کی تیاری اور طباعت کے لیے حکومتِ ریاست حیدرآباد نے مطلوبہ ساری رقمیں جاری کی تھیں لیکن اتنے مصارف کے باوجود اردو لغت شائع نہ ہو سکی کیونکہ لغت کا مسودہ حکومت کے حوالے نہیں کیا گیا تھا۔ (مولوی عبدالحق کی اردو لغت کے بارے میں ایک علاحدہ مضمون اس کتاب میں شامل ہے)

ریاست حیدرآباد کی جانب سے انجمن ترقی اردو کو مالی امداد کا سلسلہ ۱۹۱۴ء سے شروع ہوا جس میں ایک سے زیادہ بار قابل لحاظ اضافہ کیا گیا۔ انجمن کو مالی امداد ریاست حیدراباد کے خاتمے تک جاری رہی۔ انجمن ترقی اردو کو پہلی بار آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۴ء کے ذریعے بارہ سو روپے سالانہ امداد منظور کی جو اندرون دو سال پانچ ہزار روپے سالانہ کردی گئی۔ پانچ ہزار روپے سالانہ امداد کا سلسلہ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۳۷ء تک جاری تھا کہ مولوی عبدالحق نے ۱۹۳۷ء میں ایک درخواست پیش کی جس میں انہوں نے انجمن کی سرگرمیوں میں اضافے

[illegible] صاحب کے قیام حیدر آباد کے آخری
آٹھ نو برس کے دوران حیدر آباد میں تھے مولوی عبدالحق کے انتقال (۱۶ اگست ۱۹۶۱ء) پر ایک
تعزیتی مضمون (مشمولہ یادِ رفتگاں جلد دوم) میں لکھتے ہیں ''اورنگ آباد میں رابعہ دورانی کے
مقبرے کے قریب وہ جس مکان میں رہتے شاندار محل تو نہ تھا مگر وسیع و کشادہ اور پر آرام دہ تھا اور سب
[illegible] منظر تھا۔ [illegible] تیس سال پہلے ان کی تنخواہ چودہ
سو روپے کے لگ بھگ تھی [illegible] ان کی خاصی رائلٹی انہیں
مل جاتی۔ امتحانات کی کاپیاں جانچنے [illegible] ان کی مجموعی آمدنی دو ہزار سے کیا
کم ہوگی [illegible] بے فکری اور
اطمینان و فراغت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ موٹر، بنگلہ، نوکر چاکر، اچھا کھانا، اچھا پہننا! کہاں
حیدر آباد دکن اور کہاں [illegible] کا سفر کیا
ہے۔''

[illegible]

متذکرہ بالا حقائق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مولوی عبدالحق اور ان کی تاریخ ساز کامیابیوں کا کوئی بھی بیان حیدر آباد کے بھرپور تعاون کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہے گا بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اگر حیدر آباد کو مولوی صاحب کی زندگی اور کیریئر سے الگ کر دیا جائے تو ان کے کارناموں اور عظمت کی بلند عمارت کی تعمیر ممکن ہی نہ ہوگی۔ ☆

ماخذ

1) Instalment No. 80, List No. 4, S.No.662

مقدمہ: تقررات دارالترجمہ

2) Instalment No. 83, List No. 5, S.No.196

مقدمہ: درخواست عبدالحق پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج نسبت عطائے مصارف برائے زیر ترتیب لغت اردو

3) Instalment No. 79, List No. 2, S.No.429

مقدمہ: تحریک متعلق بہ امداد انجمن ترقی اردو

4) Instalment No. 80, List No. 3, S.No.110

مقدمہ: منظوری اضافہ در امداد انجمن ترقی اردو

5) Instalment No. 85, List No. 3, S.No.173

مقدمہ: عطائے امداد بہ انجمن ترقی اردو (۴۵ ہزار) سالانہ تامدت چھ سال

مضمون کی تیاری میں حسب ذیل کتابوں سے بھی مدد لی گئی۔

۱) عہد عثمانی میں اردو کی ترقی از ڈاکٹر محی الدین قادری زور، حیدرآباد۔۱۹۳۴ء

۲) پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو از سید ہاشمی فرید آبادی، کراچی۔۱۹۵۳ء

۳) حیدرآباد میں اردو کی ترقی (تعلیمی اور سرکاری زبان کی حیثیت سے)
از ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال، حیدرآباد۔۱۹۹۰ء

اس اہم پراجکٹ کی تحریک اور تکمیل کے سلسلے میں جو سرکاری اور مستند مواد آندھرا پردیش آرکائیوز میں موجود ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مولوی عبدالحق ایک ایسی اردو لغت تیار کرنا چاہتے تھے جو دستیاب اردو لغتوں میں پائے جانے والے نقائص اور اسقام سے پاک ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس لغت کی تیاری کے لیے ایک اسکیم تیار کی۔ اس اسکیم کے تحت لغت کی تیاری کے لیے ایک بڑے مالیے کی ضرورت تھی۔ انہوں نے مالی امداد کی فراہمی کے لیے سابق ریاست حیدرآباد کی حکومت کو ایک درخواست پیش کی جس میں انہوں نے استدعا کی کہ وہ اردو کی ایک جامع لغت مرتب کریں گے اگر انہیں ایک ہزار روپے ماہانہ دس سال کی مدت تک عطا کیے جائیں۔ کتابوں کی خریدی، صادر (سامان تحریر) ان اشخاص کی تنخواہیں جو اس کام میں مدد دینے کے لیے رکھے جائیں گے اور سفر کے اخراجات اس میں شامل رہیں گے۔

اس درخواست پر ناظم تعلیمات نے رائے دیتے ہوئے لکھا کہ یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ گذشتہ بیس سال میں اردو زبان کے الفاظ، طرز بیان اور طرز خیال وغیرہ میں اہم تغیرات ہوئے ہیں اور دن بدن ہورہے ہیں۔ اس وجہ سے موجودہ دستیاب لغتیں اردو زبان کے متعلق صحیح و مکمل معلومات بہم پہنچانے کے قابل نہیں رہی ہیں۔ اب ایک ایسی لغت کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس ہورہی ہے جس سے تحصیل زبان اردو میں ہر شخص کو تشفی بخش مدد مل سکے اور جو زمانہ حاضرہ کی ضروریات کے لحاظ سے مکمل اور کافی ہو۔ اردو زبان میں شائستہ اور علمی زبان کا درجہ حاصل کرنے کی قابلیت موجود ہے اور اسے اس بلند رتبے تک پہنچانے کے لیے اندرون و بیرون ریاست سرگرم کوششیں ہورہی ہیں لیکن ایک صحیح، مستند اور جامع لغت کی غیر موجودگی میں ان کوششوں کا کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے ایک مستند اور جامع لغت مرتب کرنے کی غرض سے مولوی عبدالحق کو سرکار سے مسلسل دس سال تک ایک ہزار روپے ماہانہ مرحمت کیے جائیں۔ مولوی عبدالحق اس کام کے لیے ہر پہلو سے موزوں ہیں۔ منظوری کی صورت میں اس رقم کی اجرائی نظامت تعلیمات کی بچت سے ہوگی اور اگر کسی سال بچت میں گنجائش نہ ہو تو رقم کی اجرا

اس گنجائش سے ہوگی جس کی نشان دہی نظامت تعلیمات کی جانب سے کی جائے گی۔

معتمد تعلیمات نے ناظم تعلیمات کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ اردو کے لیے ایک مختصر اور جامع لغت کی ضرورت ہے۔ اس ریاست کی سرکاری زبان اردو ہے اور آصف سابع کی فیاضی اور علمی سرپرستی سے یہاں اردو یونیورسٹی قائم ہوئی ہے۔ لہذا جس طرح آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کی جانب سے انگریزی کی ڈکشنریاں شائع کی جاتی ہیں اسی طرح یہ مناسب ہے کہ یہاں بھی اردو کی ایک مستند لغت تیار کی جائے۔ اس کام کے لیے عبدالحق سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ ان کی تمام عمر اردو زبان کی تحقیق میں گزری ہے اور ان کی نظر نہایت وسیع ہے اور ان کے پاس اس کام کے لیے بہت مواد موجود ہے۔

سررشتہ فینانس نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر سررشتہ تعلیمات سے رقم کی پابجائی یکمشت یا بالاقساط کی جائے تو سررشتہ فینانس کو اس گراں قدر اور یادگار کام کے کیے جانے پر دو اہم شرائط کے ساتھ اختلاف نہیں ہے۔ پہلی شرط یہ کہ سرکار کو حسابات کی تنقیح اور اس سلسلے میں سرکاری ہدایات پر عمل کروانے کا حق حاصل ہوگا۔ دوسری شرط یہ کہ یہ لغت سرکار کی ملک ہوگی۔

یہ کارروائی اراکین باب حکومت میں گشت کرائی گئی اور باب حکومت کے اجلاس منعقدہ ۱۶ جون ۱۹۳۰ء میں بالاتفاق قرار پایا کہ اردو زبان کے لیے ایک محققانہ لغت کی ضرورت ہے جس سے اس کی اصلیت اور زبان بننے کی تاریخ بھی معلوم ہو سکے۔ آج تک اس نوعیت کی کوئی مکمل لغت تیار نہیں ہوئی ہے۔ اگر سرکار کی سرپرستی میں ایسی لغت تیار ہو جائے تو اردو زبان پر یہ ایک دائمی احسان ہوگا اور جامعہ عثمانیہ کے تعلق سے یہ کارنامہ اس ریاست کے لیے ایک مستقل یادگار رہے گا۔ اس لیے کونسل کی رائے میں مولوی عبدالحق کی درخواست بغرض ترتیب و تکمیل لغت اردو قابل منظوری ہے۔ ان کو دس سال تک حسب ذیل شرط کے ساتھ ایک ہزار روپے اس علمی کام کی تکمیل کے لیے مرحمت فرمائے جا سکتے ہیں۔ اس غرض کے لیے کہ کام کے واقعی طور پر اندرون مدت انجام پانے کا اطمینان حاصل ہو اور بالآخر سرکار عالی اس کو حاصل کر سکے یہ شرط ہے کہ کام

ملازمین دارالطبع کو جو لغت کی طباعت میں کام کریں آمدنی میں سے الاونس ایصال کرنے کا اختیار دیا جائے۔

۹) ایک پروف ریڈر کا تقرر بمشورہ مولوی عبدالحق کیا جائے جس کی تنخواہ دو سو پچاس روپے کلدار ماہانہ تک ہوگی۔

صدر اعظم (سر اکبر حیدری) نے ایک عرضداشت مورخہ ۶ صفر ۱۳۶۰ھ م ۵ مارچ ۱۹۴۱ء میں اردو لغت کی طباعت کے بارے میں اوپر دی گئی تفصیلات درج کرتے ہوئے اسے آصف سابع کی خدمت میں روانہ کیا جس پر آصف سابع نے لغت کی طباعت شروع کروانے کے احکام صادر کیے۔ اس بارے میں جو فرمان مورخہ ۶ رجب ۱۳۶۰ھ م ۳۱ جولائی ۱۹۴۱ء صادر ہوا تھا اس کا متن درج ذیل ہے۔

''کونسل کی رائے کے مطابق مذکورہ لغت کی طباعت کا کام شروع کرایا جائے۔''

اس وقت دارالطبع میں چار مونو ٹائپ مشینیں موجود تھیں جن میں سے صرف ایک اردو کے لیے تھی جو اردو لغت کی عاجلانہ طباعت اور اس کی ضخامت کے پیش نظر کافی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کام کے لیے ایک اور مونو مشین کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ناظم طباعت نے ایک مشین و متعلقہ سامان کی خریدی کے لیے ۳۱۸۴۷ روپے کلدار کا تخمینہ بتاتے ہوئے لکھا کہ دارالطبع میں موجودہ چار مونو ٹائپ مشینوں کی صفائی و درستگی بھی ضروری ہے جس کے لیے ۶۳۰۰ روپے درکار ہیں۔ صدر ناظم طباعت نے اس کی تائید کرتے ہوئے جملہ رقم ۳۸۱۴۷ روپے کی منظوری کی درخواست کی۔ نائب صدر اعظم (سر عقیل جنگ بہادر) نے ایک عرضداشت مورخہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۴۱ء میں اردو لغت کی طباعت کے لیے مونو ٹائپ مشین کی خریدی کے سلسلے میں ناظم طباعت کی تجویز اور صدر ناظم طباعت وغیرہ کی سفارشات درج کیں اور اسے آصف سابع کے ہاں روانہ کیا جسے آصف سابع نے منظوری عطا کی۔ اس سلسلے میں حسب ذیل فرمان مورخہ ۶ رجب ۱۳۶۰ھ م ۳۱ جولائی ۱۹۴۱ء صادر ہوا۔

''صدر اعظم کی رائے کے مطابق اخراجات مذکور کے لیے ۳۸۱۴۷ روپے کلدار منظور کیے

جائیں''۔لغت کی طباعت کے لیے مونو ٹائپ مشین کی خریدی کی منظوری مل جانے کے بعد دو امور تصفیہ طلب رہ گئے تھے (الف)طباعت بغیر اعراب کے یا اعراب کے ساتھ ہوگی ۔ (ب)ایک پروف ریڈر کا تقرر۔فقرہ الف کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے مولوی عبدالحق کی ایما پر ایک کمیٹی بصدارت مہدی یار جنگ بنائی گئی جس کا پہلا اجلاس ۸ مہر ۱۳۵۱ف ۱۴ اگست ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوا۔اس کمیٹی نے آخر کار اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹ شہریور ۱۳۵۳ف م ۲۵ جولائی ۱۹۴۴ ء میں اس بارے میں قطعی رائے دی ۔ پروف ریڈر کے تقرر کے بارے میں مولوی عبدالحق نے اپنی رائے ظاہر کی کہ لغت کا معاملہ بہت نازک ہے ۔اس میں انتہائی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے ۔ پروف ریڈر کا کام صرف یہی نہ ہوگا کہ وہ مسودے سے مطابقت کر کے کتابت کی غلطیاں درست کردے بلکہ بعض خفیف اسقام جو مسودے میں رہ گئے ہیں ان کی بھی اصلاح کرنی ہوگی اور کہیں کہیں جو حوالے اور اسناد نامکمل رہ گئے ہیں ان کی بھی تکمیل کرنی پڑے گی ۔احتشام الدین ایم اے دس گیارہ سال سے ان کے ساتھ مسلسل اس کام کو کرتے رہے ہیں اور وہ ان تمام اصولوں سے بخوبی واقف ہیں جن پر اس لغت کی بنیاد رکھی گئی ہے نیز اس رسم الخط اور املا سے بھی باخبر ہیں جو اس لغت میں اختیار کیا گیا ہے ۔ابتدا سے اب تک تمام مسودے ان کی نظر سے گزر چکے ہیں نیز تمام کتب اسناد ان کے پیش نظر ہیں ۔زبان کے معاملے میں ان کی نظر بہت وسیع ہے،اس کے تمام نشیب وفراز سے وہ پورے طور پر واقف ہیں ۔ان سے اس کام میں جو مدد مل سکتی ہے وہ کسی نئے شخص سے نہیں مل سکتی ۔لہذا پروف ریڈنگ کی خدمت پر احتشام الدین کا تقرر منظور فرمایا جائے ۔ پروف ریڈر کی تنخواہ کے اخراجات کے بارے میں سررشتہ تعلیمات اور فینانس سے رائے لینے کے بعد کارروائی باب حکومت کے اجلاس منعقدہ ۱۲ خورداد ۵۴ ف م ۱۶ اپریل ۱۹۴۵ ء میں پیش ہوئی ۔صدر المہام فینانس نے پروف ریڈر کے تقرر کے اخراجات تنخواہ وسفر خرچ زائد از موازنہ برداشت کرنے پر رضا مندی ظاہر کی ۔لہذا باتفاق آرا طے پایا کہ احتشام الدین کے ۲۵۰ روپے کلدار ماہوار پر بمدت ایک سال یکم آذر ۱۳۵۴ف م ۶ اکتوبر ۱۹۹۴ء سے زائد از موازنہ تقرر کے لیے بارگاہ جہاں پناہی کی منظوری حاصل کی جائے ۔

یہ بھی طے پایا ''حسب سفارش کمیٹی منعقدہ ۱۹ شہریور ۱۳۵۳ ف م ۲۵ جولائی ۱۹۴۴ء صحت تلفظ کے مدنظر لغت میں پہلے لفظ پر جس کے معنی متن میں بتلائے جائیں گے اعراب لگائے جائیں تاکہ معیاری تلفظ ظاہر ہو۔ البتہ متن میں عموماً الفاظ پر اعراب لگانے کی ضرورت نہیں اِلّا اس کے کہ متن میں بھی چند الفاظ پر اعراب لگانا ناگزیر ہو۔ حسبہٗ عمل کیا جائے اور بارگاہ خسروی میں اطلاعی معروضۂ ادب گزرانا جائے''۔

صدر اعظم (سر محمد احمد سعید خاں) نے طباعت میں اعراب کے استعمال اور پروف ریڈر کے تقرر کی کارروائی کی تمام تفصیلات اور باب حکومت کی مذکورہ بالا قرارداد کو ایک عرضداشت مورخہ ۲۲ جمادی الاول ۱۳۶۴ م ۵ مئی ۱۹۴۵ء کی شکل میں آصف سابع کی خدمت میں روانہ کی۔ ان تفصیلات سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالحق نے چند اعراب اور علامات تجویز کر کے لغت کے مسودے کے صرف ۴۰ صفحات ناظم دارالطبع کے حوالے کیے تھے کہ اسے ان اعراب وعلامات کے ساتھ کمپوزڈ ٹائپ کر کے کمیٹی میں پسند کی غرض سے پیش کرنے کے لیے تیار کیا جائے۔ لغت کی پروف ریڈنگ کے سلسلے میں یہ اطلاع بھی درج کی گئی کہ احتشام الدین پروف ریڈنگ کے سلسلے میں دہلی سے حیدرآباد آئیں گے اور پھر پروف لے کر مولوی عبدالحق کے پاس دہلی جائیں گے۔ آصف سابع نے پروف ریڈر کے تقرر کی منظوری دی اور اس سلسلے میں حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۲ رجب ۱۳۶۴ھ ۲۳ جون ۱۹۴۵ء صادر ہوا۔

''کونسل کی رائے کے مطابق مذکور خدمت پر احتشام الدین کا تقرر ۲۵۰ کلدار ماہوار پر ایک سال کے لیے کیا جائے اور تنخواہ وسفر خرچ کے اخراجات زائد از موازنہ اجرا کیے جائیں۔''

حکومت حیدرآباد کے اس مستند ریکارڈ سے پہلی بار مولوی عبدالحق کی اردو لغت سے متعلق بعض حقائق سامنے آتے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایسے حقائق ہیں جن سے اردو زبان اور اس کے علمی وتحقیقی اثاثہ کا گہرا تعلق ہے۔ یہ جان کر افسوس ہوتا ہے کہ جو عظیم کام حیدرآباد میں برس ہا برس کی کدوکاوش، عرق ریزی اور ذرائع و وسائل بشمول فراہمی مالیہ کے نتیجے میں مکمل ہوچکا تھا وہ محض اس کی کمی وکوتاہی کی بنا پر ضائع ہوگیا کہ تیار شدہ لغت کا مسودہ

حکومت کے حوالے نہیں کیا گیا تھا حالانکہ اس کے لیے حکومت کی طرف سے توجہ دلائی گئی تھی اور اس پراجکٹ کے آغاز پر ہی جو شرطیں طے کردی گئی تھیں ان کے تحت اس لغت کی ملکیت حیدرآباد کو حاصل تھی اور اس کے جملہ حقوق بحق جامعہ عثمانیہ محفوظ کردیے گئے تھے۔ اس بات پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ لغت مذکور کی مرحلہ بہ مرحلہ تیاری کے ساتھ ہی ساتھ تیار شدہ مواد حکومت کو کیوں داخل نہیں کیا گیا اور خود حکومت نے بھی اس مواد کے حصول میں کیوں تغافل برتا۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کی سالانہ روداد (۱۹۵۴۔۱۹۵۵ء) کے بموجب ملک کی تقسیم کے موقع پر دہلی میں جو فساد برپا ہوا تھا مولوی عبدالحق کے پاس موجود اس اردو لغت کا مسودہ اسی ہنگامے میں تلف ہوگیا۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کی سالانہ روداد (۱۹۵۵۔۱۹۵۶ء) میں مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ انہیں پاکستان میں نئے سرے سے تنہا لغت کا کام پھر سے شروع کرنا پڑا اور خود ان کے الفاظ میں بڑی کاوش و محنت کے بعد تین حروف الف ب بھ مکمل ہوئے ہیں۔ بعد ازاں اس کام کا ایک بڑا حصہ لغت کبیر کے نام سے دو جلدوں میں پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حیدرآباد میں یہ کام مولوی عبدالحق کی نگرانی میں علم و ادب سے تعلق رکھنے والی مختلف قدآور شخصیتوں کے اس میں عملاً حصہ لینے کے نتیجے میں تکمیل پا چکا تھا۔ اگر کام محفوظ رہ جاتا تو اس سے اردو دنیا محروم نہ رہتی اور یقیناً اردو زبان اور ادب کو وہ بیش بہا فائدہ پہنچتا جس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔ ☆

ماخذ

Instalment No. 83, List No. 5, S.No.196

مقدمہ: درخواست عبدالحق پرنسپل انٹر میڈیٹ کالج نسبت عطائے مصارف برائے زیر ترتیب لغت اردو

فرمان

ملاحظہ عریضۂ صدارت عظمیٰ متعلقہ معروضہ ۲۴ صفر المظفر ۱۳۴۹ھ جو اورنگ آباد کے انٹرمیڈیٹ کالج کے سابق پرنسپل مولوی عبدالحق کو اردو لغت لکھنے کیلئے دس سال تک (الـ ؏) ماہانہ امداد دینے کی نسبت ہے۔

حکم:- کونسل کی رائے مناسب ہے حسب سفارش معروضہ صدارت عبدالحق کو دس سال تک ایک ہزار روپیہ (الـ ؏) ماہانہ امداد دی جائے۔ (دستخط مبارک)

۸ ربیع الاول شریف ۱۳۴۹ھ دستخط (امین جنگ)

(نقل مطابق اصل)

شبلی نعمانی

شبلی نعمانی اردو کی مایہ ناز شخصیتوں میں اپنے علمی و ادبی کارناموں اور اپنی شخصیت کی تہہ داری کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ وہ نہ صرف ایک جید عالم، بلند پایہ مورخ اور شاعر تھے بلکہ ایک نہایت اہم سوانح نگار اور نقاد بھی تھے۔ سرسید کے رفقا میں وہ اپنے نظریات کی انفرادیت کے باعث نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ اردو کی اس تاریخ ساز شخصیت کی قدر افزائی سابق ریاست حیدرآباد کی جانب سے نہ کی جاتی۔

شبلی نعمانی کا حیدرآباد سے طویل عرصے تک بڑا گہرا تعلق رہا۔ ان کی زندگی کے آخری ۱۸ سال تو ایسے گزرے جن میں وہ کسی نہ کسی حیثیت سے حیدرآباد سے وابستہ رہے۔ مولانا سلیمان ندوی نے اپنی تصنیف ''حیات شبلی'' میں شبلی اور حیدرآباد کے بارے میں بیش قیمت تفصیلی مواد فراہم کیا ہے۔ چند ایسے مضامین بھی لکھے گئے ہیں جن میں حیات شبلی کے ان گوشوں پر مزید روشنی پڑتی ہے جن کا حیدرآباد سے تعلق ہے۔ ان مضامین میں تمکین کاظمی کا مضمون ''علامہ شبلی نعمانی''، نصیر الدین ہاشمی کا مضمون ''علامہ شبلی اور حیدرآباد'' (مطبوعہ ماہنامہ صبا، حیدرآباد، شبلی نمبر ۱۹۵۸ء) اور سید یعقوب کا مضمون ''شبلی اور حیدرآباد'' (مطبوعہ ماہنامہ آج کل، دہلی، جون ۱۹۶۴ء) شامل ہیں۔ مولانا سلیمان ندوی کی تصنیف اور متذکرہ بالا مضامین میں شبلی کی

حیدرآباد میں آمد، یہاں ان کے اعزاز میں منعقدہ جلسوں اور ان میں انہوں نے جو تقریریں کی تھیں اور نظمیں سنائی تھیں اس کی تفصیلی روداد ملتی ہے، حیدرآباد کے علمی و ادبی ماحول اور پس منظر کا بھی تذکرہ ملتا ہے اور شبلی کی حیدرآباد میں آمد نے یہاں کی علمی و ادبی فضا اور ماحول پر جو خوش گوار اثرات چھوڑے تھے ان کا بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حیدرآباد کے عالموں، شاعروں اور اعلیٰ عہدیداروں سے شبلی کے تعلقات اور حیدرآباد کی قدیم درس گاہ دارالعلوم کے لیے جامع نصاب کی ترتیب اور تیاری کے لیے شبلی کی کوششوں کا تفصیلی بیان بھی ملتا ہے مگر ان متذکرہ تحریروں میں حیدرآباد سے شبلی کے لیے جاری کردہ وظیفے، بعدازاں اس وظیفے میں اضافے اور حیدرآباد میں شبلی کی ملازمت کے بارے میں جو مواد بکھرا ہوا نظر آتا ہے وہ نہ تو مربوط ہے اور نہ ہی پوری طرح درست۔

آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں جو ریکارڈ، دستاویز اور امسلہ کی شکل میں محفوظ ہے اس کی چھان بین کے ذریعے راقم الحروف نے متذکرہ غیر مربوط ریکارڈ کی کڑیاں جوڑنے، سند فراہم کرنے اور مزید دستیاب مواد کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔

شبلی نعمانی پہلی بار ۱۸۹۱ء میں حیدرآباد آئے تھے لیکن ان کے حیدرآباد آنے کی کوئی ذاتی غرض و غایت نہ تھی۔ دراصل سرسید جس وفد کو لے کر حیدرآباد آئے تھے اس وفد میں شبلی بھی شامل تھے۔ حیدرآباد میں سرسید اور ان کے وفد میں شریک ارکان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی تھی۔ سرسید اور وفد کے ارکان کو نواب میر محبوب علی خان آصف سادس نے باریابی کا موقع دیا تھا اور اس موقع پر انہوں نے علی گڑھ کی امداد کو دوگنا یعنی دو ہزار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس دورۂ حیدرآباد کے موقع پر ایک شان دار جلسہ وقارالامرا کی زیرِ صدارت بشیر باغ میں منعقد کیا گیا تھا جس میں سرسید اور ان کے بعض رفقا کی تقریروں کے علاوہ مولانا حالی نے اپنا اردو قصیدہ اور علامہ شبلی نے اپنا فارسی قصیدہ پیش کیا تھا۔

شبلی نعمانی دوسری بار ۱۸۹۶ء میں حیدرآباد آئے۔ اس دورۂ حیدرآباد کے بارے میں مولانا سلیمان ندوی اپنی تصنیف "حیات شبلی" میں لکھتے ہیں ...... "حیدرآباد میں اس وقت نواب

وقارلامرا کی وزارت تھی اور مولوی سید علی بلگرامی کو جن سے مولانا کے خاص روابط تھے نواب صاحب کے یہاں خاص رسوخ حاصل تھا۔ موصوف نے انہیں (شبلی نعمانی) حیدرآباد بلایا اور وہ وہاں چار پانچ ہفتے جا کر رہے۔ نواب صاحب ممدوح کی سفارش سے نظام الملک میر محبوب علی خان نے ازراہ قدر دانی ۱۰۰ روپے ماہوار کا وظیفہ ۳ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ (۱۲ ستمبر ۱۸۹۶ء) سے منظور فرمایا اور یہ شرط رکھی کہ آئندہ سے مولانا کی تمام تصنیفات سلسلہ آصفیہ میں شامل ہوں۔'' اس کے بعد مولانا سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ وظیفے کے ساتھ فرمان جاری ہوا تھا جس کا پورا متن انہوں نے کتاب میں شائع کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ شبلی نعمانی کو حیدرآباد سے ۱۰۰ روپے ماہوار وظیفہ دلانے میں مولوی سید علی بلگرامی کی کوششوں کو بڑا دخل رہا ہے لیکن وظیفے کی منظوری آصف سادس میر محبوب علی خان نے نہیں دی تھی اور نہ اس سلسلے میں ان کا کوئی فرمان صادر ہوا تھا۔ دراصل شبلی نعمانی کے وظیفے کی منظوری وقارالامرا نے دی تھی۔ وظیفے کی منظوری کی کارروائی اسی سطح پر تکمیل پا گئی تھی اور وظیفے کے اجرا کے لیے سند جاری ہوئی تھی۔ اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ کے ذخائر سے ایک مسل دستیاب ہوئی ہے جس میں ایک عرضداشت مورخہ ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ م ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ موجود ہے جسے مہاراجا کشن پرشاد نے جو اس وقت مدارالمہام کے عہدے پر فائز تھے شبلی نعمانی کی ایک اور کارروائی کے سلسلے میں میر محبوب علی خان آصف سادس کی خدمت میں پیش کی تھی۔ یہ تفصیلی یادداشت کے حسب ذیل پیراگراف سے راقم الحروف کے ادعا کا پورا ثبوت ملتا ہے۔

''۱۳۱۴ھ میں سید علی بلگرامی معتمد تعمیرات عامہ نے نواب سر وقارالامرا کے پاس گزارش پیش کی کہ مولوی شبلی نعمانی پروفیسر علی گڑھ کالج مشہور عالم علوم قدیمہ کی تمنا ہے کہ اپنے پورے وقت کو تصنیف کے کام میں صرف کریں اور معمولی درس و تدریس کو ترک کردیں۔ ان کی رعایت اب قومی کام ہے۔ اس لیے ان کے نام وظیفہ تصنیفی تقرر فرمایا جائے۔ جو کتابیں مولوی صاحب تصنیف کریں گے وہ سرکار آصفیہ سے مشتہر ہوں گی۔ اس پر نواب صاحب ممدوح نے ''بالفعل سو روپے کلدار جاری کیے جائیں، آئندہ ان کی تصنیفات دیکھنے کے بعد اضافہ کیا جائے گا''

کی شرح لکھی اور حسبہ' سو روپے کلدار ۴ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ (۱۳ ستمبر ۱۸۹۶ء) سے مولوی شبلی نعمانی کے نام منظور ہوئے۔''

مولانا سلیمان ندوی نے شبلی نعمانی کے وظیفے کے تعلق سے جو تحریر درج کی ہے اسے فرمان کا جزو قرار دیا ہے۔ اس تحریر کا بغور جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تحریر فرمان کا جزو نہیں ہے۔ یہ جملے ''لہذا سرکار نے بالفعل ۱۰۰ روپے کلدار ماہوار جاری کرنے کے لیے منظوری صادر فرمائی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ ان کی تصنیفات دیکھنے کے بعد اضافہ کیا جائے گا'' فرمان کے نہیں ہوسکتے۔ یہ تحریر دراصل اس سند کا جزو ہے جو شبلی نعمانی کے وظیفے کے اجرا کے لیے جاری کی گئی تھی۔ اس وظیفے میں اضافے کی کارروائی سے متعلق ایک اور مسل میں بھی سند جاری ہونے کی توثیق ملتی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

شبلی نعمانی اور حیدرآباد کے موضوع پر لکھتے ہوئے حکومت ریاست حیدرآباد کے صیغہ ترجمہ علوم وفنون کے بارے میں بھی چند سطریں لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ شبلی نعمانی تقریباً ساڑھے تین سال اس صیغے کے ناظم/مہتمم رہے تھے۔ علوم کی اشاعت کی غرض سے یہ صیغہ ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۴۔۱۸۹۵ء) میں وقار الامرا مدار المہام کی منظوری سے قائم ہوا تھا جس کا سالانہ خرچ (۱۰۵۷۲) روپے تھا اور کتابوں کی طباعت کے لیے علاحدہ ایک ہزار روپے سالانہ منظور ہوئے تھے۔ شبلی نعمانی کے مستعفی ہونے کے بعد واکر معین المہام فینانس کی تحریک پر اس صیغہ کا باقی عملہ بھی تخفیف کر دیا گیا۔

۱۸۹۹ء میں شبلی نعمانی والد کے انتقال کے بعد گوناگوں مشکلات میں مبتلا ہوئے اور آخر کار معاشی الجھنوں سے چھٹکارا پانے اور بہتر ملازمت کی تلاش میں وہ فروری ۱۹۰۱ء میں حیدرآباد پہنچے۔

مولانا سلیمان ندوی اپنی تصنیف میں حیدرآباد میں شبلی نعمانی کی ملازمت کے بارے میں لکھتے ہیں ''نواب مدار المہام نے اپریل ۱۹۰۱ء میں محکمہ امور مذہبی کی خدمت مولانا کے سپرد کرنا چاہی لیکن مولانا نے اسے منظور نہیں کیا۔ جب مولانا نے امور مذہبی سے انکار کیا تو سررشتہ علوم و

فنون کی خالی شدہ نظامت کے عہدے پر ان کا تقرر ہوا۔ پہلے ان کی قائم مقامی کی نصف تنخواہ ۲۰۰ روپے مقرر ہوئی، اس کے بعد ۲۷ جولائی ۱۹۰۱ء کو اس عہدے کی پوری تنخواہ چار سو روپے ماہوار کا فرمان ہوا۔ بعد کو مولوی عزیز مرزا مرحوم وغیرہ کی کوششوں سے پانچ سو روپے ماہوار ہو گئے لیکن سو روپے ماہوار کا گذشتہ وظیفہ جو سرکار آصفیہ سے ان کو ملا کرتا تھا وہ بند ہو گیا''۔

مہاراجا کشن پرشاد کی عرضداشت مورخہ ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ کے حسب ذیل جملے شبلی نعمانی کی تنخواہ کے بارے میں مصدقہ معلومات فراہم کرتے ہیں۔

''۱۳۱۹ھ م ۱۹۰۱ء میں شبلی نعمانی کا تقرر ۴۰۰ روپے ماہوار پر بہ عہدہ مہتمم ترجمہ کتب علمیہ سرکار اعلیٰ ہوا مگر ماہوار رعایتی ۱۰۰ روپے کلدار جاری رہی۔ خانہ زاد (مہاراجا کشن پرشاد) نے اس ۱۰۰ روپے کلدار ماہوار خاص کو حسب رائے مسٹر واکر محرم ۱۳۲۰ھ سے موقوف کر دیے۔ اب مولوی شبلی نعمانی کو ۴۰۰ روپے حالی مہتمی ترجمہ کتب علمیہ کی ماہوار ملتی ہے''۔

متذکرہ بالا عرضداشت کے جملوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی نعمانی کی تنخواہ تاریخ تقرر سے آخر تک ۴۰۰ روپے حالی ماہوار تھی نہ کہ ابتدا میں ۲۰۰ پھر ۴۰۰ اور بعد میں ۵۰۰ روپے تک پہنچ گئی تھی جیسا کہ مولانا سلیمان ندوی نے لکھا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی اس عہدے پر کچھ زیادہ عرصہ تک فائز نہیں رہے۔ انہوں نے مہاراجا کشن پرشاد مدار المہام کے پاس ایک درخواست پیش کی کہ ان کو یہاں کی آب و ہوا موافق نہیں ہے، اس لیے ان کا سابقہ وظیفہ جاری کر کے موجودہ عہدے سے استعفیٰ لے لیا جائے۔ اس پر مہاراجا کشن پرشاد نے عرضداشت مورخہ ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ م ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ء نواب میر محبوب علی خان آصف سادس کی خدمت میں پیش کی جس میں مہاراجا نے معین المہام فینانس واکر کی رائے نقل کرتے ہوئے شبلی نعمانی کا استعفیٰ قبول کرنے اور وظیفہ سابق جاری کرنے کی سفارش کی۔ مہاراجا کی سفارش منظور ہوئی اور اس سلسلے میں آصف سادس کا حسب ذیل فرمان مورخہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ م ۲۸ جنوری ۱۹۰۵ء جاری ہوا۔

''آپ کی رائے معروضہ ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ کے مطابق مولوی شبلی نعمانی کا استعفیٰ قبول کیا جائے اور ان کا وظیفۂ سابقہ ایک سو روپے کلدار جاری کیا جائے۔''

اس طرح شبلی نعمانی صیغہ ترجمہ علوم وفنون میں تقریباً ساڑھے تین سال کام کرنے کے بعد مستعفی ہو گئے۔ مولانا سلیمان ندوی اپنی کتاب ''حیات شبلی'' میں شبلی کی اس ملازمت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شبلی نعمانی حیدرآباد میں کل چار برس رہے یعنی فبروری ۱۹۰۱ء سے فبروری 1905 تک۔ اس میں بھی ۱۹۰۱ء کے چند مہینے امیدواریوں میں گزر گئے۔ غالباً جولائی یا اگست ۱۹۰۱ء میں وہ صیغہ ترجمہ علوم وفنون کی نظامت پر فائز ہوئے اور فبروری ۱۹۰۵ء کو الگ ہو گئے۔ اس بنا پر ان کی نظامت کی مدت ساڑھے تین برسوں سے زیادہ نہیں۔ اس عرصے میں انہوں نے پانچ کتابیں تصنیف کیں۔ الغزالی، علم الکلام، الکلام، سوانح مولانا روم اور موازنہ انیس ودبیر۔ موازنہ انیس ودبیر سوانح مولانا روم سے پہلے ہی لکھی جا چکی تھی مگر یہ بعد میں شائع ہوئی۔

حیدرآباد کی قدیم درس گاہ دارالعلوم کا تعلق پنجاب یونیورسٹی سے منقطع ہونے پر اس کے عربی و فارسی کے نصاب تعلیم مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جس میں شبلی نعمانی بھی ایک رکن تھے۔ اس سلسلے میں شبلی نعمانی کو حیدرآباد مدعو کیا گیا تھا۔ وہ اس دعوت پر حیدرآباد آئے اور انہوں نے یہاں چند روز قیام کر کے نصاب تیار کیا اور اسے ایک تفصیلی یادداشت کے ساتھ پیش کیا۔ اس یادداشت اور نصاب پر غور وخوص کے لیے جو کمیٹی مقرر ہوئی تھی اس کے ایک سے زیادہ اجلاس ہوئے جس میں ماہرین تعلیم شریک تھے۔ کافی غور وخوص کے بعد شبلی نعمانی کا مرتبہ نصاب کچھ تغیر وترمیم کے ساتھ منظور ہوا۔ نصاب، یادداشت اور کمیٹی کے اجلاس کی روداد اور اس کے بارے میں بہت کچھ الندوہ، دیگر رسائل اور کتابوں میں چھپ چکا ہے۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ شبلی نعمانی کو ریاست حیدرآباد سے ۱۸۹۶ء میں ایک سو روپے کلدار ماہوار وظیفہ جاری ہوا تھا۔ سترہ سال بعد میر عثمان علی خان آصف سابع نے ۱۹۱۳ء میں ۲۰۰ کا اضافہ کر کے وظیفے کی رقم ۳۰۰ روپے ماہوار کلدار کر دی۔ تمکین کاظمی نے لکھا ہے کہ شبلی نعمانی اکتوبر ۱۹۱۳ء میں حیدرآباد آئے اور عماد الملک نے حضور (آصف سابع) سے عرض کر کے ان کے سابقہ وظیفے ایک سو روپے پر دو سو روپے کا اضافہ کرا دیا۔ مولانا سلیمان ندوی بھی تقریباً یہی بات لکھتے ہیں۔ شبلی نعمانی کے وظیفے میں اضافے سے متعلق ایک مسل اسٹیٹ آرکائیوز میں

محفوظ ریکارڈ سے دستیاب ہوئی ہے۔ اس مسل کے مطالعے سے شبلی نعمانی کے وظیفے میں اضافے کی منظوری کے بارے میں کچھ اور ہی تفصیلات سامنے آتی ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

شبلی نعمانی نے اپنے وظیفے میں اضافے کے لیے ایک درخواست پیش کی تھی جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ وہ مدت تک علی گڑھ میں پروفیسر رہے۔ ۱۳۱۴ھ میں ریاست ابد قرار سے ۱۰۰ روپے کلدار وظیفہ اس شرط پر مقرر ہوا کہ ملازمت چھوڑ کر تمام وقت تصنیف و تالیف میں صرف کریں اور ان کی تمام تصنیفات سلسلہ آصفیہ کے نام موسوم کی جائیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ سند وظیفہ میں یہ درج ہے کہ تصانیف حال کے بعد وظیفے میں اضافہ کیا جائے گا نیز وہ اس زمانے سے اب تک اس کام میں مصروف ہیں اور ان کی بہت سی تصنیفات شائع ہو چکی ہیں جن کی ایک ایک جلد بارگاہ خسروی میں پیش کی جاتی ہے۔ تقرر وظیفے کو سترہ سال گزر چکے ہیں لیکن انہوں نے اضافے کے متعلق کوئی گزارش پیش نہیں کی تھی لیکن اب مختلف اسباب سے اس گزارش کے لیے مجبور ہیں۔ شبلی نعمانی نے جو اپنی سات تصانیف پیش کی تھیں اس کی فہرست درخواست کے ساتھ منسلک ہے۔

شبلی نعمانی کی درخواست پر سالار جنگ سوم نواب یوسف علی خان مدار المہام نے ایک عرضداشت مورخہ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ م ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کی خدمت میں پیش کی جس میں انہوں نے لکھا ''مولانا کی ذات بہ لحاظ علم و تحقیق ہندوستان میں مغتنم ہے اور سارا وقت ان کا تالیف و تصنیف میں صرف ہوتا ہے۔ ان کو جو سند سرکار سے عنایت ہوئی تھی اس میں اضافے کا وعدہ درج ہے۔ اس لیے اگر ماہوار حالیہ کے علاوہ ۲۰۰ روپے کلدار یعنی کل تین سو روپے کلدار انہیں تا حیات جاری کیے جائیں تو بعید از قدر دانی نہ ہوگا۔ سالار جنگ کی سفارش کو منظوری حاصل ہوئی اور اسی روز آصف سابع کا حسب ذیل فرمان صادر ہوا۔

''شمس العلما شبلی نعمانی کو اطلاع دی جائے کہ ان کے تصانیف کے چند نسخے جو عرضداشت امروز کے ساتھ گزرانے گئے ہیں اس کو میں نے خوشی کے ساتھ قبول کیا اور تمہاری

رائے کے مطابق ان کی موجودہ ماہوار میں جوایک سو روپے کلدار ہے اور دوسو روپے کا اضافہ کر کے آئندہ تین سو روپے کلدار ماہوار تاحیات مقرر کیا جائے۔"

لہذا یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ وظیفے میں اضافے کے لیے عماد الملک نے سفارش کی تھی جیسا کہ مولانا سلیمان ندوی اور تمکین کاظمی نے لکھا ہے بلکہ راست شبلی نعمانی کی درخواست اور اس کے ساتھ پیش کردہ سالار جنگ کی عرضداشت پر آصف سابع نے اضافے کی منظوری دی تھی۔

آج کے حالات میں تین سو روپے کی رقم حقیر معلوم ہوگی لیکن ۱۹۱۴ء سے قبل جبکہ پہلی جنگ عظیم کا آغاز نہیں ہوا تھا تین سو روپے کی قدر یقیناً آج کے پندرہ بیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔

شبلی نعمانی تین سو روپے ماہوار وظیفے سے زیادہ مدت تک استفادہ نہ کر سکے۔ وظیفے میں اضافہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو منظور ہوا تھا اور علامہ ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

شبلی نعمانی کے انتقال کے بعد ان کے تین سو روپے ماہوار دارالمصنفین کے نام جاری کیے گئے۔ مولانا سلیمان ندوی نے اپنی کتاب میں اس بارے میں صرف اتنا لکھا ہے "یہ رقم دارالمصنفین کے کام آئی"۔ اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ سے حسب ذیل تفصیلات سامنے آتی ہیں۔

شبلی نعمانی کے انتقال کے فوراً بعد رزیڈنٹ نے ریاست حیدرآباد کے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کو ایک مراسلہ لکھا کہ اگر شبلی نعمانی مرحوم کی ماہوار کے اجرا کے لیے کوئی درخواست آئے تو اس پر غور کرتے ہوئے چند باتوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ عرضداشت مورخہ ۲۱ صفر ۱۳۳۳ھ م ۸ جنوری ۱۹۱۵ء کے ذریعے رزیڈنٹ کے اس مراسلے کی نقل اور کیفیت آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس پر آصف سابع کا یہ حکم مورخہ ۳۰ صفر ۱۳۴۰ھ جاری ہوا۔

"معین المہام فینانس کو لکھ دیا جائے۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی ماہوار کی اجرائی کے لیے کوئی درخواست پیش ہو تو اس کی اطلاع پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کو دی جائے تاکہ اس کی نسبت ریزیڈنٹ صاحب کے مراسلے کے مدنظر غور کیا جائے۔ رزیڈنٹ صاحب کو جواب دیا جائے کہ اس بارے میں اب تک کوئی درخواست نہیں آئی ہے اگر آئے گی تو اس کی نسبت ان کی تحریر کے

مدنظر لحاظ یا غور مناسب کیا جائے گا''۔

حامد نعمانی نے اپنے والد کا وظیفہ ان کے قائم کردہ دارالمصنفین کو منتقل کرنے کے لیے درخواست پیش کی تو شبلی نعمانی کی ماہوار دارالمصنفین کے نام جاری کرنے کی نسبت حسب ذیل شرائط تجویز کی گئیں اور حامد نعمانی سے یہ دریافت کیا گیا کہ آیا شرائط مجوزہ انہیں منظور ہیں؟

۱۔ دارالمصنفین کی مثل دیگر انجمن ہائے شراکتی باضابطہ رجسٹری کی جائے۔

۲۔ اس امر کا کافی اطمینان دلایا جائے کہ اس کام کی نگرانی کا خاص انتظام کیا گیا ہے۔

۳۔ ہر سال جو کچھ کام ہو اس کے متعلق مفصل رپورٹ اور تنقیح شدہ حسابات سرکار عالی میں داخل ہوتے رہیں۔

اس استفسار پر حامد نعمانی نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۱۵ء میں لکھا کہ یہ ایک محض علمی خدمت ہے نہ کہ ذاتی غرض۔ شرائط نہایت مناسب ہیں۔ ان سے ان کو بھی اطمینان ہے اور رہے گا کہ سرکار عالی کی امداد باقاعدہ صرف ہوگی۔ بخوشی تمام و کمال تشکر شرائط متذکرہ ان کو منظور ہیں۔

حامد نعمانی کے مکتوب کی وصولی پر ایک عرضداشت مورخہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ م ۲۸ اپریل ۱۹۱۵ء پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کی جانب سے آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں حامد نعمانی کی جانب سے شرائط کی منظوری کی اطلاع دیتے ہوئے یہ لکھا گیا کہ رزیڈنٹ اور معین المہام فینانس کو مولوی شبلی نعمانی کے ماہوار کے اجرا میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آخر میں تین سو روپے ماہانہ دارالمصنفین کے نام جاری کرنے کی سفارش کی گئی۔ جس روز یہ عرضداشت آصف سابع کی خدمت میں روانہ کی گئی تھی اسی روز ان کا حسب ذیل حکم جاری ہوا۔

''معین المہام فینانس اور فریدوں جنگ بہادر کی رائے کے مطابق مرحوم کی تین سو روپے ماہوار دارالمصنفین کے نام تین شرائط مندرجہ عرضداشت جاری کی جائے۔''

شبلی نعمانی کو جو وظیفہ ریاست حیدرآباد کی جانب سے جاری کیا گیا تھا اس میں نہ صرف قابل لحاظ اضافہ کیا گیا بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے وظیفے کی ماہوار رقم دارالمصنفین کو

منتقل کی گئی تا کہ اس وظیفے کے منشا و مقصد کی تکمیل ہوتی رہے۔۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 76, List No. 16, S.No. 208

وظیفہ مولوی شبلی نعمانی

2) Instalment No. 79, List No. 1, S.No.822

در باب اضافہ ماہوار مولوی شبلی نعمانی صاحب

3) Instalment No. 79, List No. 3, S.No. 770

تنخواہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم و عطائے ماہوار دوسو روپے کلدار برائے اشاعت کتاب سیرۃ النبی بہ سید سلیمان ندوی

پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ

حکم

تجویز: - عرضداشت پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ مورخہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ جو مولوی شبلی نعمانی مرحوم کے ماہوار کی اجرائی کی نسبت ہے۔

حکم: - صدر المہام فنانس اور نواب سرور جنگ بہادر کی رائے کے مطابق مرحوم کا جو سو روپیہ ماہوار دار المصنفین کو بہ تعمیل شرائط مندرجہ عرضداشت ہذا ساتھ جاری کیا جاوے۔ (دستخط مبارک اعلیٰحضرت مد ظلہ)

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ - چہار شنبہ

(دستخط) مولوی احمد حسین امین

ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان کا شمار برصغیر کے ان چند مشاہیر اردو میں کیا جاتا ہے جنہوں نے دو آصف جاہی سلاطین نواب میر محبوب علی خان آصف سادس اور نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کے عہد میں ریاست حیدر آباد میں ملازمت کی ۔ یہی نہیں بلکہ نصف صدی سے زیادہ مدت تک سابق ریاست حیدر آباد سے وابستہ رہے ۔

آصف سادس کے عہد میں ظفر علی خان پہلی بار ۱۸۹۶ء میں ریاست حیدر آباد کی سرکاری ملازمت سے وابستہ ہوئے تھے (وہ اس ملازمت سے ۱۹۰۹ء میں ریاست بدر کیے گئے جس کی تفصیل آگے بیان کی جا رہی ہے ۔ وہ اپنی ایک درخواست مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے عہد آصف سادس میں (۱۳) سال سرکاری ملازمت کی تھی ۔ اس طرح حیدر آباد میں ان کے آغاز ملازمت کا سال ۱۸۹۶ء ہوتا ہے) ان کی اصل یا مستقل خدمت معتمدی عدالت میں منتظمی پیشی کی تھی جس کی تنخواہ ۲۵۰ روپے ماہوار تھی ۔ اس تنخواہ کے علاوہ عدالت میں متعینہ سواران کی نگرانی کے لیے انہیں ۵۰ روپے ماہانہ الاونس بھی ملتا تھا ۔ معتمدی عدالت میں پیشی کے منتظم ہونے کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے مترجم کے فرائض بھی انجام دیے ۔ جس وقت ظفر علی خان کا ریاست حیدر آباد سے اخراج عمل میں آیا تھا اس وقت وہ دفتر مجلس وضع

قوانین میں رجسٹرار کی خدمت مواجبی ۴۰۰ روپے کے نصف ماہوار پر منصرمانہ طور پر کارگزار تھے۔اس طرح انہیں ۱۹۰۹ء میں حیدرآباد سے ۴۵۰ روپے ماہانہ ملا کرتے تھے۔''ظفرعلی خان اور ان کا عہد'' کے مصنف عنایت اللہ نسیم سوہدراوی نے لکھا ہے کہ مولانا ظفرعلی خان مجلس وضع قوانین کے عہدۂ رجسٹرار پر فائز رہنے کے بعد اسسٹنٹ سکریٹری ہوم کے عہدے پر فائز کیے گئے تھے۔ یہ بیان آرکائیوز کے ریکارڈ کی روشنی میں درست نہیں ہے اور یہ بات بھی ناقابل فہم ہے کہ رجسٹرار کے برتر عہدے کے بعد کوئی کیوں کر اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے پر فائز ہوسکتا ہے جو مقابلتاً بہت کم تر عہدہ ہے۔

مولانا ظفرعلی خان اسی زمانے میں ریاست حیدرآباد کے ولی عہد شہزادہ نواب میر عثمان علی خان کے اتالیق بھی مقرر ہوئے تھے۔ حیدرآباد میں قیام کے ان ہی دنوں میں انہوں نے وائسرے ہند لارڈ کرزن کی کتاب پرشیا اینڈ دی پرشین کوسچن کا اردو ترجمہ خیابان فارس شائع کیا تھا جس کا ایک نسخہ لارڈ کرزن نے اپنے دورۂ حیدرآباد کے موقع پر مولانا کے ہاتھوں حاصل کیا تھا۔''خیابان فارس'' کی اشاعت کے سلسلے میں آصف سادس نے مولانا ظفرعلی خان کو دو ہزار سات سو روپے کی امداد منظور کی تھی (اس بارے میں ایک علاحدہ مضمون ''ظفرعلی خان کا ترجمہ۔ خیابان فارس'' اس کتاب میں شامل ہے)

آصف سادس کے عہد میں ان کی ملازمت کے (۱۳) سال گزرنے کے بعد حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ عزیز مرزا، صفی الدین اور عبدالحلیم شرر کے ساتھ انہیں بھی ایک سازش میں ملوث ہونے کے الزام میں ریاست بدر ہونا پڑا۔اس سلسلے میں آصف سادس کا جو فرمان مورخہ ۲۳ رمضان ۱۳۲۷ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۹ء جاری ہوا تھا اس میں ظفرعلی خان کے بارے میں یہ احکام تھے''تین ماہ کی نوٹس کے عوض تین ماہ کی سالم تنخواہ موجودہ دے کر اس کے بعد سے موجودہ مستقل تنخواہ کی نصف تنخواہ بطور وظیفہ اس شرط سے دی جائے کہ وہ ممالک محروسہ میں کہیں نہ رہیں اور آئندہ یہاں کی کسی انٹریگ میں کسی طرح شریک نہ ہوں''۔اس فرمان کی تعمیل میں مولانا ظفرعلی خان فوراً ریاست چھوڑ کر چلے گئے اور انہیں ریاست حیدرآباد سے ۱۲۵ روپے

ماہوار وظیفہ مقرر ہوا۔

نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کے عہد میں مولانا ظفر علی خان پھر سے ریاست حیدرآباد سے وابستہ ہوئے تھے لیکن کسی بھی کتاب، تذکرے یا مضمون میں اس تعلق سے تفصیلات نہیں ملتیں۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ چند اسلہ کی چھان بین سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا ظفر علی خان کو آصف سابع نے بطور خاص یاد کیا تھا اور وہ مولانا کو پرانی ملازمت پر بحال کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ وہ عہدہ تخفیف کیا جا چکا تھا اس لیے ان کا دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں مترجم کی حیثیت سے تقرر کیا گیا۔ ان کے علاوہ ان کے فرزند اختر علی خان کو بھی ۲۰۰ روپے ماہوار مقرر ہوئے مگر دو سال بعد حکومت برطانوی ہند کی ایما پر دونوں حضرات کو پنجاب کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی پاداش میں ملازمتوں سے علاحدہ کر دیا گیا اور مولانا کا سابقہ وظیفہ بھی مسدود کر دیا گیا لیکن ۲۴ برس بعد مولانا ظفر علی خان کی نمائندگیوں پر جبکہ ملک کے سیاسی حالات کافی بدل چکے تھے اس ساری مدت کے مسدود شدہ وظیفہ کا بقایا ادا کیا گیا۔ اس کے علاوہ ماہ بماہ وظیفے جاری کیے جانے کے احکام بھی صادر ہوئے۔ اس سلسلے میں آرکائیوز کے ریکارڈ کی بنیاد پر ساری تفصیلات سلسلہ وار ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

عام طور پر اہم اور اعلیٰ عہدے پر تقرر کے لیے صدر اعظم کی جانب سے عرضداشت آصف سابع کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی جس میں کئی لائق اور باصلاحیت اشخاص کے نام پیش کیے جاتے تھے اور تقرر کی منظوری کے لیے ان میں سے کسی ایک موزوں ترین شخص کی سفارش کی جاتی تھی لیکن کبھی کبھار آصف سابع خود اپنی جانب سے کسی خاص شخص کے تقرر یا کسی کو کوئی خاص کام تفویض کرنے کے احکام جاری کرتے تھے۔ چنانچہ آصف سابع نے ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ م ۱۵ فروری ۱۹۱۸ء کو یہ احکام صادر کیے کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں جو تراجم کا کام ہوگا اس سے متعلق ظفر علی خان ایڈیٹر "ستارہ صبح" سے بھی کام لیا جائے۔

متذکرہ بالا احکام کے جاری ہونے کے بعد ہی مولانا ظفر علی خان کی ملازمت کے سلسلے میں آصف سابع کا جو حسب ذیل حکم مورخہ ۷ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ م ۲۱ مارچ ۱۹۱۸ء صادر ہوا

تھا اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ سابق میں مولانا ظفر علی خان پر سازش میں ملوث ہونے کا جو الزام عائد کیا گیا تھا وہ غلط تھا اور مولانا بے گناہ تھے۔

''مولانا ظفر علی خان صاحب جو بغیر کسی پولیٹکل الزام کے خارج البلد کیے گئے تھے ان کو طلب کر کے ان کی پیشتر کی خدمت پر بحال کیا جائے اور ان سے عثمانیہ یونیورسٹی میں تراجم کے کام میں مدد لی جائے جس کا محنتانہ ان کو کام کے لحاظ سے علاحدہ ملنا چاہئے۔ لہذا فوراً انتظام عمل میں آنا چاہئے''۔

آصف سابع کے مندرجہ بالا فرمان میں ظفر علی خان کو سابقہ خدمت پر بحال کرنے کے احکام صادر ہوئے تھے لیکن معتمدی عدالت کی منتظمی پیشی کی خدمت جس پر ظفر علی خان مستقل طور پر مامور تھے کافی عرصہ پہلے تخفیف ہو کر دوسری خدمت میں ضم ہو چکی تھی اور سواروں کے برخاست ہونے کی وجہ سے الاونس نگرانئ سواران بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے علاوہ ریاست بدر ہونے سے پہلے دفتر مجلس وضع قوانین کے رجسٹرار کی جس خدمت پر ظفر علی خان منصرمانہ طور پر مقرر تھے اس پر محمد اسد اللہ مامور کیے جا چکے تھے اور وہ آٹھ سال سے اس عہدے پر مستقلاً کارگزار تھے۔ اس لیے رجسٹرار مجلس وضع قوانین کی اس خدمت پر بھی ان کی بازماموری کی گنجائش نہیں تھی۔ ایک عرضداشت مورخہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ م ۹ اپریل ۱۹۱۸ء میں ان باتوں کی صراحت کرتے ہوئے سررشتہ تالیف و ترجمہ میں مترجم کی خدمت مواجبی ۳۰۰ تا ۵۰۰ روپے پر بہ یافت ۴۰۰ روپے ظفر علی خان کے تقرر کی سفارش کی گئی۔ یہ سفارش منظور ہوئی اور اسی تاریخ ظفر علی خان کے تقرر کے سلسلے میں حسب ذیل فرمان جاری ہوا۔

''معین المہام صیغہ کی رائے مناسب ہے۔ حسبہ 'سررشتہ تالیف و ترجمہ میں مترجمی کی جائداد مواجبی ۳۰۰ تا ۵۰۰ پر بہ بافت ۴۰۰ روپے ظفر علی خان صاحب کا تقرر کیا جائے''۔

متذکرہ بالا حکم کے اجرا کے اندرون ایک ہفتہ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲ رجب ۱۳۳۶ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۱۸ء کے ذریعے ظفر علی خاں کو مترجم کی خدمت کی انتہائی یافت ۵۰۰ روپے ادا کیے جانے کے احکام صادر کیے۔

ان احکام کے جاری ہونے کے بعد صدر محاسب نے ظفر علی خان سے ان کے وظیفے اور وقفۂ ملازمت کے بارے میں استفسارات کیے جن کے جوابات دینے کے بعد ظفر علی خان نے ایک درخواست پیش کرتے ہوئے یہ استدعا کی کہ اگر درمیان کے ۹ سال کی مدت بھی ان کی ملازمت میں محسوب کر لی جائے اور اس زمانے کی تنخواہ بھی ایصال شدہ وظیفے کو وضع کر کے دے دی جائے تو وہ پھر وظیفہ نہ لیں گے۔ انہوں نے مزید لکھا کہ وہ تنخواہ کے بقیہ حصے کے عطا کیے جانے پر اصرار نہ کرتے اگر اس عرصے میں حوادث زمانہ نے مالی طور پر ان کو بہت زیر بار نہ کر دیا ہوتا۔ ظفر علی خان کی یہ درخواست ایک عرضداشت مورخہ ۱۴ شوال ۱۳۳۶ھ م ۲۳ جولائی ۱۹۱۸ء کے ذریعے آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کی گئی۔ آصف سابع نے ان کی متذکرہ استدعا تو منظور نہیں کی لیکن دوسری بہت ساری مراعات کی منظوری دے دی مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لینے کی شرط بھی عائد کر دی۔ اس بارے میں آصف سابع کا جو حکم مورخہ ۲۷ شوال ۱۳۳۶ھ م ۵ اگست ۱۹۱۸ء صادر ہوا تھا اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''میرے حکم مصدرہ ۲۷ ربیع الثانی کے منشا کے موافق عثمانیہ یونیورسٹی سے متعلق ترجمے کا کام ظفر علی خان صاحب اپنے وطن ہی میں رہ کر وہیں سے انجام دیا کریں لیکن ان کو علاوہ اس وظیفے کے جو انہیں ملتا ہے اس کام کے لیے، میرے حکم مصدرہ ۲ رجب ۱۳۳۶ھ کے بموجب ۵۰۰ روپے ایصال ہوا کرے جب تک کہ کسی پولیٹیکل معاملہ میں وہ حصہ نہ لیں۔''

اس فرمان کے ذریعے ظفر علی خان کو نہ صرف اپنے وطن پنجاب میں رہ کر ملازمت انجام دینے کی سہولت دی گئی تھی بلکہ انہیں سابقہ وظیفے اور موجودہ ملازمت کی مکمل تنخواہ سے استفادہ کی بھی اجازت دی گئی تھی۔ ایسا استفادہ از روئے قاعدہ ممکن نہ تھا۔

ظفر علی خان کے فرزند اختر علی خان کو بھی ریاست حیدرآباد سے ۲۰۰ روپے ماہوار جاری کیے گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ اختر علی خان نے اپنی درخواست مورخہ ۲ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ م ۱۰ اگست ۱۹۱۸ء میں لکھا کہ اگرچہ ان کا ارادہ حیدرآباد میں ہی زندگی بسر کرنے تھا لیکن وہ بعض

ناگزیر وجوہ کے باعث پنجاب جانے پر مجبور ہیں۔ ان کے والد محترم پنجاب تشریف لے جارہے ہیں۔ اس لیے ان کے ہمراہ ان کا جانا بھی ضروری ہے۔ یہ لکھتے ہوئے انہوں نے استدعا کی اگر ان کو کوئی ماہوار وظیفہ جاری کیا جائے تو وہ اپنا علمی مشغلہ جاری رکھ سکیں گے اور اپنے والد محترم (ظفر علی خان) کی بھی ان کے ترجمے کے کام میں مدد کر سکیں گے۔ اختر علی کی استدعا منظور ہوئی اور اس بارے میں آصف سابع کا حسب ذیل حکم مورخہ ۴ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ م ۱۲ اگست ۱۹۱۸ء صادر ہوا۔

''اختر علی خان کی عرضی ملفوف ہے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ انہیں یہاں پر کوئی خدمت دی جائے گی لیکن وہ اپنے والد کے ساتھ پنجاب جانے کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور ان کے والد کی بھی یہی خواہش پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ان کو اپنے والد کے ساتھ رہ کر عثمانیہ یونیورسٹی سے متعلق ترجمے کے کام میں مدد دینے کے لیے بالفعل ۲۰۰ روپے سکہ عثمانیہ ماہوار ایصال ہوا کرے بشرطیکہ وہ کسی پولٹیکل معاملے میں حصہ نہ لے۔ اگر اختر علی خان ترجمے کے کام کو عمدگی کے ساتھ انجام دیں گے تو اس وقت اس کی نسبت لحاظ کیا جائے گا۔''

ظفر علی خان اور ان کے فرزند اختر علی خان کی ملازمتیں قلیل مدت یعنی دو سال سے بھی کم عرصے کے لیے جاری رہ سکیں۔ انہیں وطن میں رہ کر کام انجام دینے کی اجازت اس شرط سے دی گئی تھی کہ وہ کسی پولٹیکل معاملے میں حصہ نہ لیں لیکن جب ان کی سیاسی سرگرمیاں بڑھ گئیں تو انہیں ملازمت سے علاحدہ کر دیا گیا۔ سرکاری ملازمت سے ظفر علی خان کی علاحدگی کے سلسلے میں جو فرمان ۸ رمضان ۱۳۳۸ھ م ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء کو صادر ہوا تھا اس میں ان پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے نہ صرف اپنے ترجمے کے کام میں بے جا غفلت کی تھی بلکہ اپنی ملازمت کی شرط کے خلاف علانیہ طور پر پنجاب کے پولٹیکل کارروائیوں میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اسی تاریخ کے ایک اور فرمان کے ذریعے ظفر علی خان کے فرزند اختر علی خان کو بھی ان کی خدمت سے اس لیے علاحدہ کر دیا گیا کہ ان سے ترجمے کے کام میں ایسی بے جا غفلت سرزد ہوئی تھی کہ جس سے جامعہ عثمانیہ کے انتظام میں سخت ہرج واقع ہوا۔

ظفر علی خان کو نہ صرف ملازمت سے علاحدہ کیا گیا بلکہ فرمان مورخہ ۱۳ شوال ۱۳۳۸ھ م ۲۹ جون ۱۹۲۰ء کے ذریعے ان کے سابقہ وظیفے کی مسدودی کے احکام بھی جاری کیے گئے۔

دارالترجمہ کی ملازمت سے علاحدگی اور وظیفے کی مسدودی کے بعد ایک طویل عرصے تک ظفر علی خان کی ریاست حیدرآباد سے وابستگی باقی و برقرار نہیں رہی۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ظفر علی خان کی انگریزوں کے خلاف سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں مگر تقریباً ۲۱ سال بعد ظفر علی خان نے ایک درخواست مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۱ء صدر اعظم حیدرآباد سر محمد احمد سعید خان کے نام روانہ کی جس میں انہوں نے ریاست حیدرآباد سے اپنے دیرینہ تعلقات اور اپنی ملازمتوں کا ذکر کرتے ہوئے استدعا کی کہ صدر اعظم ان کے وظیفۂ حسن خدمت کے اجرا کے لیے آصف سابع کی خدمت میں سفارش کریں۔ انہوں نے یہ بھی درخواست کی کہ تاریخ مسدودی سے لے کر آج تک کی مجموعی رقم ادا کی جائے اور آئندہ کے لیے وظیفہ ماہ بماہ جاری کیا جائے۔ ظفر علی خان نے پندرہ روز بعد ایک اور درخواست مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۴۱ء آصف سابع کی خدمت میں روانہ کی جس کے ساتھ صدر اعظم کو دی گئی درخواست کی نقل بھی منسلک تھی۔ اس درخواست میں انہوں نے لکھا کہ ان کی گوناگوں معاشی پریشانیوں میں آصف سابع ان کی امیدوں کا آخری سہارا ہیں۔

ان درخواستوں پر آصف سابع کی پیشی سے جو حکم مورخہ ۲۹ شوال ۱۳۶۰ھ م ۱۹ نومبر ۱۹۴۱ بذریعہ نیم سرکاری (راز) صادر ہوا تھا اس کے ذریعے ظفر علی خان کی استدعا اس بنیاد پر رد کر دی گئی کہ ان کی درخواست پر اس وقت غور کرنے کا موقع نہیں ہے اور نہ حالات حاضرہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اس حکم میں آصف سابع نے ظفر علی خان کی شخصیت کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

> ''دیگر اس شخص کا کیریکٹر پبلک پلیٹ فارم پر کیا رہا ہے یہ مزید توضیح کا محتاج نہیں ہے۔ یعنی بذات یہ برا نہیں ہے اور اس سے ایسے حرکات سرزد ہو جاتے ہیں جو اس کے لیے پیچیدگیوں کا باعث بنتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ

شخص آئندہ اپنے کردار کو ترقی نہ دے سکا مگر افسوس اس کا ہے کہ اصلاح کا موقع اب جاتا رہا، اس کے لیے اس کی عمر موزوں نہیں رہی۔"

مندرجہ بالا حکم کے صادر ہونے کے بعد کچھ عرصے تک ظفر علی خان خاموش رہے لیکن ایک سال ۱۰ ماہ کے بعد انہوں نے آصف سابع کے نام چند سطری درخواست مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۳ء اپنے فرزند اختر علی خان کے ساتھ حیدرآباد روانہ کی تا کہ وہ آصف سابع کی خدمت میں درخواست کے علاوہ ظفر علی خان کے معروضات زبانی طور پر پیش کریں۔ اختر علی خان نے آصف سابع کی خدمت میں باریاب ہونے کے بعد اپنے والد محترم ظفر علی خان کے کیا معروضات پیش کیے تھے اور اس بارے میں آصف سابع نے کیا کہا تھا ان تفصیلات کا علم آصف سابع کے حسب ذیل نوٹ مورخہ ۱۷ رمضان ۱۳۶۲ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۴۳ء سے ہوتا ہے۔

"عرضی گزار کے فرزند اختر علی خان سے کل ملا تھا، اس نے جو پیام لایا تھا اپنے باپ کی طرف سے یہی تھا کہ سابقہ حالات ان کی ذات سے متعلق جو تھے وہ اب باقی نہیں رہے یعنی برٹش گورنمنٹ کے خیالات اچھے ہیں۔ لہٰذا زمانہ گذشتہ میں ظفر علی خان کا ازوقہ جو ریاست حیدرآباد سے مسدود ہوگیا تھا (شملہ و دہلی کے ایما سے) وہ اب جاری ہوجائے تو وہاں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس طرح ان کی آمد و رفت حیدرآباد میں گاہ گاہ ہو تو بھی ممانعت نہیں ہے۔ دوسری طرف ان کی مالی حالت درست نہیں ہے اس لیے قابل امداد ہیں اور ۷۲ سال ان کی عمر ہے وغیرہ۔ میں نے جواب میں لکھ بھیجا ہے کہ پہلے ان امور سے متعلق ایک وثیقہ پولٹیکل ڈپارٹمنٹ سے حاصل کر کے اس کو یہاں بھجوایا جائے (معروضہ کے ساتھ بتوسط پرزیڈنٹ کونسل) اس کے بعد اس کی روشنی میں غور ہو کر جو کچھ ممکن ہوگا وہ کیا جائے گا۔ بس"۔

ظفر علی خان خود اپنی اس کارروائی کے سلسلے میں حیدرآباد آئے اور انہوں نے قیام حیدرآباد کے دوران ایک مکتوب مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۴۴ء صدر اعظم حیدرآباد سر محمد احمد سعید خان کو روانہ کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ انگریزی حکومت کو اب ان کی سیاسی سرگرمیوں سے متعلق کوئی شکوہ نہیں رہا۔ اس لیے انہیں امید ہے کہ وظیفہ کی بحالی کے مسئلے کو وہ آصف سابع کی

خدمت میں پیش کر کے منظوری حاصل کریں گے۔ظفر علی خان کے اس مکتوب کو صدر اعظم نے نیم سرکاری مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۴۴ء کے ذریعے نواب کاظم یار جنگ صدر المہام پیشی کو روانہ کیا جس میں انہوں نے یہ لکھا کہ ظفر علی خان کا یہ کہنا کہ حکومت ہند کو اب ان سے کوئی شکایت نہیں ہے درست ہے۔ انہوں نے مزید لکھا کہ تمام واقعات آصف سابع کے علم میں لائے جائیں اور منشائے خسروی سے آگاہ کیا جائے۔

خود آصف سابع نے بھی رزیڈنٹ کو لکھ کر ظفر علی خان کے بارے میں حکومت ہند کا منشا معلوم کیا جس پر انہیں مطلع کیا گیا کہ اگر ظفر علی خان کے وظیفے کی مسدودی پر سے پابندی ہٹالی جائے اور تاریخ مسدودی سے وظیفہ جاری کر دیا جائے تو حکومت ہند کو اعتراض نہیں ہے۔ فرمان مورخہ ۲۰ رجب ۱۳۶۳ھ م ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء میں آصف سابع نے یہی بات تحریر کرتے ہوئے احکام صادر کیے کہ جس تاریخ سے ظفر علی خان کا وظیفہ حسن خدمت مسدود ہے اس کی مقدار کی انہیں اطلاع دی جائے تاکہ وہ اس بارے میں ضروری احکام صادر کر سکیں ۔ یہ احکام جاری کرنے کے اندرون ایک ہفتہ آصف سابع نے ظفر علی خان کو حیدرآباد طلب کیا۔ وہ جانتے تھے کہ مولانا کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔اس لیے حکم مورخہ ۲۵ رجب ۱۳۶۳ھ کے ذریعے ۵۰۰ روپے کلدار اخراجات سفر کے لیے بتوسط منی آڈر ظفر علی خان کو روانہ کرنے کے احکام صادر کیے۔

مولانا ظفر علی خان حیدرآباد آئے اور ویکاجی ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے ۔ ان کی واپسی کے لیے ۵۰۰ روپے کلدار بطور زادراہ ادا کرنے کے احکام بھی آصف سابع نے بتاریخ ۱۲ شعبان ۱۳۶۳ھ م ۲ اگست ۱۹۴۴ء جاری کیے۔

آصف سابع کے فرمان کی تعمیل میں معتمد فینانس نے اپنے مراسلے مورخہ ۱۹ شہریور ۱۳۵۳ ف م ۲۵ جولائی ۱۹۴۴ء کے ذریعے معتمد باب حکومت کو اطلاع دی کہ ظفر علی خان کو آخر اردی بہشت ۱۳۲۹ف م ۴ اپریل ۱۹۲۰ء تک وظیفہ ایصال ہوتا رہا۔ اس اعتبار سے انہیں آج کی تاریخ یعنی ۱۹ شہریور ۱۳۵۳ف تک ۲۴ سال ۴ ماہ ۱۹ یوم کا بقایا بحساب ۱۲۵ روپے ماہانہ ۹۔۹۔۳۶۴۵۱ ایصال طلب قرار پاتے ہیں۔ یہ اطلاع معتمد باب حکومت نے صدر المہام پیشی کے پاس روانہ

کردی جسے ملاحظے کرنے کے بعد آصف سابع نے حسب ذیل حکم مورخہ ۱۴ رمضان ۱۳۶۳ھ م ۳ ستمبر ۱۹۴۴ء صادر کیا۔

''بقایا وظیفہ حسن خدمت کی رقم (۹۔۹۔۳۶۴۵۱) ظفر علی خان کو ایصال کرنے سے متعلق منجانب کونسل صیغہ متعلقہ کو ہدایت دے دی جائے تو مناسب ہوگا (قبل تعطیلات عید صیام) کیونکہ انہوں نے اس کی نسبت یاد دہانی کی ہے اور رقم بقایا ایصال ہوئے بعد ماہ بماہ مقررہ وظیفہ ان کے نام جاری رہے''۔

اس طرح مولانا ظفر علی خان کا وظیفہ جو ۱۹۰۹ء میں جاری ہوا تھا وہ ریاست حیدرآباد کے خاتمے تک جاری رہا۔ آرکائیوز کے ریکارڈ سے جو تفصیلات سامنے آئی ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا ظفر علی خان پر آصف سابع کی بڑی عنایت اور مہربانی تھی اور مولانا کو وہ زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔ مولانا آصف سابع کے اتالیق رہ چکے تھے اور بڑی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ غالباً اسی وجہ سے مولانا ظفر علی خان کے لیے نواب میر عثمان علی خان اپنے دل میں نرم گوشہ اور قدر دانی کا جذبہ رکھتے تھے جس کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ مولانا کی اعانت کے لیے آصف سابع کبھی خود پہل کرتے دکھائی دیتے ہیں تو کبھی ان کی کارروائیوں کی بڑی سرعت کے ساتھ یکسوئی کر دیتے ہیں۔ آصف سابع کی اپنی مجبوریاں بھی تھیں۔ انگریزوں کے خلاف سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے والی اس شخصیت کے خلاف بدیسی حکمرانوں کے شدید دباؤ کی وجہ سے کارروائی کرنا بھی وقت اور حالات کے تحت ناگزیر تھا۔ اس کے باوجود آصف سابع سے جو بھی ممکن تھا انہوں نے اپنے اس بزرگ (مولانا ظفر علی خان) کے لیے کیا اور اپنی طرف سے قدر دانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 80, List No. 4, S.No. 667

عثمانیہ یونیورسٹی (تقرر ظفر علی خان صاحب واختر علی خان صاحب ومسدودی وظیفہ وامتناع داخلہ بلدہ وغیرہ)

حکم

میرے حکم صادرہ ۲۷ ربیع الثانی شریف ۱۳۳۶ھ کے منشاء کے موافق عثمانیہ یونیورسٹی سے متعلق ترجمہ کا کام ظفر علی خان صاحب اپنے وطن ہی میں رہکر وہیں سے انجام دیا کریں لیکن اونکو علاوہ اون کے وظیفہ کے جو اونہیں ملتا ہے اس کام کیلئے میرے حکم صادرہ ۲ رجب ۱۳۳۶ھ کے بموجب پانچسو روپیہ ماہوار الاونس ملا کرے جبتک کہ کسی پولیٹکل معاملہ میں وہ حصہ نہ لیں

۲۷ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ دوشنبہ

(از رقم دستخط مبارک اعلیٰحضرت بندگان عالی متعالی)

(از رقم دستخط) امین جنگ بہادر

نقل مطابق اصل

اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مد ظلہ العالی

۱۴ ۔ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

خدمت شریف جناب معین نواز جنگ بہادر معتمد باب حکومت سرکارعالی

مولوی ظفر علیخان پروپرائٹر اخبار زمیندار لاہور کے مسدودہ وظیفہ حسن خدمت کے بازاجرائی وغیرہ کی نسبت آپکا مراسلہ ن ۲۹۶۸ مورخہ ۲۴ ۔ شہریور ۱۳۵۳ف ملاحظہ فرماکر بسلسلہ حکم صادرہ ۲۰ ۔ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ آپکو تحریر کرنے کیلئے سرکار کا جو حکم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

"بقایا وظیفہ حسن خدمت کی رقم (۳۶۵۱ ... ۹/۹) ظفر علیخان کو ایصال کرنے کے متعلق منجانب کونسل میری منظور کردہ ہدایت دیدیا جانا مناسب ہوگا (قبل تعطیلات عید صیام) کیونکہ انہوں نے اسکی نسبت یاددہانی کی ہے۔ اور رقم بقایا ایصال ہونے کے بعد ماہ بماہ مذکورہ وظیفہ ان کے نام جاری رہے"

شرحہ دستخط
نواب (کاظم یار جنگ) بہادر
صدر المہام پیشی

بملاحظہ معزز صدر المہام فنانس

شرحہ دستخط
نواب (معین نواز جنگ) بہادر
۲۸ ۔ ۹ ۔ ۶۳

شرحہ دستخط
(مالیہ ۔ نواب صدر اعظم بہادر)
۱۵ ۔ ۹ ۔ ۶۳

نقل مطابق اصل
از دفتر
نائب معتمد

ظفر علی خان کا ترجمہ۔ خیابان فارس

مولانا ظفر علی خان اردو کی ان گنی چنی شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنہیں زبان اور ادب کے ایک سے زیادہ شعبوں میں اور اصناف پر نہ صرف یہ کہ عبور حاصل تھا بلکہ ہر شعبے اور صنف میں انہیں منفرد اور ممتاز مقام حاصل تھا۔ وہ ایک بے مثال مترجم، نہایت بلند پایہ صحافی، قادر الکلام شاعر اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ وہ سابق ریاست حیدرآباد سے طویل عرصے تک وابستہ رہے۔ مولانا ظفر علی خان کی حیدرآباد سے وابستگی اور حیدرآباد میں ملازمت ایک الگ موضوع ہے اور اس موضوع پر ایک علاحدہ مضمون اس کتاب میں شامل ہے۔ یہ مختصر مضمون ان کی کتاب خیاباں فارس کے بارے میں ہے۔

ظفر علی خان نے نواب میر محبوب علی خاں آصف سادس کے عہد میں اپنی ملازمت کے سلسلے میں قیام حیدرآباد کے دوران اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ کرزن کی انگریزی تصنیف پرشیا اینڈ دی پرشین کوسچن Persia And The Persian Question کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جو خیاباں فارس کے نام سے شائع ہوا تھا۔ کرزن جیسے زبردست، مغرور اور تند خو وائسرائے نے خواہش ظاہر کر کے خیاباں فارس کا نسخہ ظفر علی خان کے ہاتھوں حاصل کیا تھا۔ اس کتاب کی اشاعت پر حکمران ریاست آصف سادس نے مالی اعانت منظور کی تھی۔ اس بارے

میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ریکارڈ سے اخذ کردہ تفصیلی معلومات ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔

ظفرعلی خان نے جو اس وقت معتمد عدلیہ، پولیس اور امور عامہ کے دفتر میں مترجم تھے ان محکمہ جات کے معتمد عزیز مرزا کے نام ایک انگریزی درخواست لارڈ کرزن کی کتاب پرشیا اینڈ دی پرشین کوسچن کے ترجمے کی اجازت کے سلسلے میں پیش کی۔ انہوں نے اس درخواست میں یہ لکھا کہ پہلی بار ان ہی (عزیز مرزا) کی زبانی اس کتاب کی تعریف سن کر اس کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا اور عزیز مرزا ہی کی دی ہوئی کتاب کا نسخہ ان کے زیر مطالعہ رہا۔ ظفرعلی خان نے آگے لکھا کہ مصنف (کرزن) کے خوب صورت اور متاثر کن طرز تحریر نے کتاب کو بے حد دلکش اور دلچسپ بنادیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جیسا پابندی سے نہ پڑھنے والا بھی باقاعدہ اور پابندی کے ساتھ مطالعہ کرنے والا میں تبدیل ہوگیا ہے اور انہوں نے یہ ضخیم کتاب ایک ہفتے کے اندر پڑھ لی ہے۔ اس کتاب کے موضوع کی اہمیت واضح کرتے ہوئے انہوں نے درخواست میں تحریر کیا کہ وہ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کرنا چاہتے ہیں تا کہ ایران پر ایک وقیع کتاب اردو داں طبقے کو مہیا ہوسکے۔ درخواست کے آخر میں انہوں نے لکھا کہ ترجمے کے لیے اصل کتاب کے مصنف کی اجازت لینی ہوگی۔ اس لیے وہ استدعا کرتے ہیں کہ ان کی درخواست رزیڈنٹ کے پاس بھیجی جائے تا کہ وہ اسے اپنی سفارش کے ساتھ لارڈ کرزن کے ہاں روانہ کریں۔

ظفرعلی خان کی استدعا پر ان کی درخواست لارڈ کرزن کی اجازت کے لیے ایک سرکاری مراسلے مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۰۰ء کے ساتھ رزیڈنٹ کو بھیجی گئی۔ دوسرے ہی روز رزیڈنسی سے ایک مراسلہ وصول ہوا جس میں لکھا گیا کہ ظفرعلی خان سے کہا جائے کہ وہ سیدھی سادی زبان میں درخواست تحریر کر کے روانہ کریں کیونکہ ان کی روانہ کردہ درخواست میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے جسے ممکن ہے کہ لارڈ کرزن پسند نہ کریں۔ رزیڈنسی کی ہدایت پر ظفرعلی خان نے دوسری درخواست لکھی جسے وقار الامرا مدارالمہام (وزیراعظم) نے اپنے مراسلے مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۰۰ء کے ساتھ منسلک کر کے رزیڈنسی کو روانہ کیا۔ وقار الامرا نے اپنے مراسلے میں ظفرعلی خان کا تعارف

کرواتے ہوئے لکھا کہ وہ ایک عمدہ اور ماہر مترجم ہیں۔ وقار الامرا کے مراسلے کے جواب میں رزیڈنسی کے مراسلے مورخہ ۸ نومبر ۱۹۰۰ء کے ذریعے مطلع کیا گیا کہ لارڈ کرزن نے بخوشی ظفر علی خان کو اپنی کتاب کے ترجمے کی اجازت دی ہے۔ اجازت ملنے پر ظفر علی خان نے کرزن کی کتاب کا ترجمہ مکمل کیا جو کتابی صورت میں خیاباں فارس کے نام سے شائع ہوا۔

کرزن نے خیابان فارس کی اشاعت کی اطلاع ملنے پر اپنے دورۂ حیدرآباد کے موقع پر اس کتاب کو ظفر علی خان کے ہاتھ سے حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ رزیڈنسی سے ایک مکتوب مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۲ء کے ذریعے مہاراجا کشن پرشاد، مدارالمہام کو اس کی اطلاع دی گئی۔ چنانچہ کرزن نے نومبر ۱۹۰۲ء میں دورۂ حیدرآباد کے موقع پر خیاباں فارس کا نسخہ ظفر علی خان کے ذریعے حاصل کیا۔

ظفر علی خان کو خیاباں فارس کی اشاعت کے لیے مالی مدد کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے آصف سادس کے نام ایک درخواست میں لکھا کہ کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں دو ہزار سات سو روپے جزوی مالی اعانت کے طور پر منظور کیے جائیں، بقیہ اخراجات کا وہ بندوبست کر چکے ہیں۔ ان کی درخواست کے بارے میں مہاراجا کشن پرشاد، مدار المہام نے آصف سادس کی خدمت میں پیش کردہ عرضداشت مورخہ ۲۷ شعبان ۱۳۲۰ھ ۲۸ نومبر ۱۹۰۲ء میں لکھا کہ ظفر علی خان کی کتاب بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ ان کے ترجمے کے بارے میں مرزا داغ جیسے مستند ماہر زبان اور عماد الملک جیسے جید عالم نے عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے اور رزیڈنسی سے یہ اطلاع وصول ہوئی ہے کہ لارڈ کرزن دورۂ حیدرباد کے موقع پر یہ کتاب ظفر علی خان سے حاصل کریں گے۔ اس عرضداشت پر آصف سادس نے کوئی حکم صادر نہیں کیا۔ تقریباً ساڑھے چار ماہ بعد مہاراجا نے ایک عرضداشت مورخہ ۱۰ محرم ۱۳۲۱ھ م ۹ اپریل ۱۹۰۳ء کے ذریعے آصف سادس کو توجہ دلائی کہ مالی امداد منظور نہ ہونے کی وجہ سے مترجم پریشان ہے۔ اس عرضداشت میں یہ اطلاع بھی درج کی گئی کہ لارڈ کرزن نے یہ کتاب ظفر علی خان کے ہاتھوں حاصل کر کے خوشنودی کا اظہار کیا۔ اس عرضداشت پر آصف سادس نے فرمان مورخہ ۱۷ محرم

۱۳۲۱ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۰۳ کے ذریعے ظفر علی خان کو بطور امداد دو ہزار سات سو روپے ادا کرنے کے احکام دیے۔

آرکائیوز کے ریکارڈ سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر معلومات فراہم کرنے کے بعد خیابان فارس سے متعلق حسب ذیل مزید باتیں قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں گی۔

کرزن سے ترجمے کرنے کی اجازت ملنے پر (۸ نومبر ۱۹۰۰ء) ظفر علی خان نے بڑی تیزی سے کتاب کا ترجمہ مکمل کیا جو خیابان فارس کے نام سے مطبع شمسی حیدرآباد سے ۱۹۰۲ء کے اوائل میں شائع ہوا۔ کرزن کی ضخیم کتاب کے ترجمے اور اس کی اشاعت کا کام سال، سوا سال کی انتہائی قلیل مدت میں تکمیل پایا۔ ۶۱۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں پندرہ تصاویر شامل ہیں۔ اس کتاب کو حکمران ریاست نواب میر محبوب علی خان آصف سادس کے نام معنون کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے بعض ابواب کا آغاز عظیم المرتبت شعرا کے اشعار سے ہوا ہے جن کا ظفر علی خان نے منظوم ترجمہ کیا ہے۔

ایران کرزن کی کتاب کا موضوع ہے۔ اس وقت تک ایران کے جغرافیہ اور اس کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر متعدد کتابیں تصنیف کی جا چکی تھیں لیکن کرزن کی کتاب کو بہت سی خصوصیات کی وجہ سے منفرد مقام حاصل تھا۔ اس بارے میں ظفر علی خان کے خیالات اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ خیابان فارس کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"قلمرو ایران کے حالات کے متعلق متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس موضوع کی مسلسل و عمیق دلچسپی اور وسیع اہمیت نے ایک عرصہ دراز سے اس کو ان ذی رتبہ سیاحوں اور مقیم ملک مصنفوں کا مبحث بنا رکھا ہے جنہیں اپنے شوق سفر یا تعلقات سفارت کی وجہ سے اس مسئلہ پر رائے زنی کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ چنانچہ اس سرزمین کے مختلف پہلوؤں کو عالم و فاضل و تجربہ کار لوگوں نے وقتاً فوقتاً اپنے زور قلم کا تختہ مشق بنایا۔ کسی نے اس کی تاریخ لکھی اور کسی نے اس کے جغرافیہ طبعی، اس کی ہئیت طبقات الارض، اس کے تمدن، اس کی السنہ، اس کی اقوام اور اسکے آثار قدیمہ پر خامہ فرسائی کی۔ بعض مصنفین نے دولت ایران کے ان تعلقات

سیاسی کو جو اسے دول خارجہ سے ہیں اور نیز اس کے اندرونی نظم و نسق اور اس کی تدبیر مملکت مالیہ و ماعلیہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا لیکن آج تک کسی ایک کتاب میں ان تمام امور پر اس وضاحت، سلاست اور امعان نظر سے بحث نہیں کی گئی جو لارڈ کرزن کی جامع تصنیف کی حقیقی خصوصیات ہیں''۔

کتاب تصنیف کرنے میں کرزن نے جو محنت کی تھی اس بارے میں ظفر علی خان اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ کرزن کو اس کتاب کے لکھنے میں جو محنت کرنی پڑی ہوگی اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جو تصانیف اس کتاب کے مرتب کرتے وقت کرزن کے پیش نظر تھیں ان کی تعداد ڈھائی سو سے کم نہیں تھی اور ان سب کی سب یا تقریباً سب کتابوں کا کرزن نے بغور مطالعہ کیا تھا۔ خود کرزن نے اپنی کتاب کے بارے میں لکھا ہے ''یہ کتاب تین سال کی لگاتار محنت، ایران و ملحقہ علاقہ جات کے سفر اور اس سفر کے بعد ایران میں مقیم لائق و مستند اصحاب کے ساتھ مسلسل خط و کتابت کا نتیجہ ہے''۔

کرزن کی کتاب کے ترجمے (خیابان فارس) سے ظفر علی خان نے جبکہ ان کی عمر صرف ۲۸ برس تھی خود کو ایک ماہر مترجم کی حیثیت سے تسلیم کروایا۔ ظفر علی خان کے بیان کی سلاست اور بامحاورہ زبان کے بارے میں داغ جیسے مسلم الثبوت زبان داں کی رائے سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ ظفر علی خان کے ترجمے کے بارے میں داغ کی حسب ذیل رائے انشائے داغ مرتبہ احسن مارہروی میں شامل ہے۔

''مولوی ظفر علی خان کو میں مبارکباد دیتا ہوں کہ یہ کتاب بہ اعتبار لطف زباں بجائے ترجمے کے اصل کتاب معلوم ہوتی ہے۔ سلسلہ بیان اس قدر باربط اور ایسا سلیس ہے کہ ایک انگریزی خواں نوجوان اور وہ بھی متوطن پنجاب ہو، اس سے ایسی توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ ایسی اعلیٰ درجہ کی بامحاورہ اردو میں اتنی ضخیم اور مبسوط کتاب کا ترجمہ بے تکلف کرنے پر قادر ہو سکے گا''۔

ظفر علی خان کا ترجمہ (خیابان فارس) ایک سو سال پرانا ہے۔ مضمون کے آخر میں خیابان فارس کا ایک پیراگراف ذیل میں درج کیا جارہا ہے جسے پڑھ کر قارئین ظفر علی خان کے ترجمے

کی خوبیوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

"اس مقدس شہر (مشہد) کے خاص خاص حالات کا ذکر میں نہایت اختصار کے ساتھ کروں گا۔ اس کے نام (مشہد جس کے معنی مقام شہادت کے ہیں) اور اس کی شہرت کا باعث یہ واقعہ ہے کہ نویں صدی عیسوی میں (ابن) حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام جو بارہ ائمہ میں سے بلحاظ سلسلہ آٹھویں ہیں یہاں پر سپرد خاک کیے گئے۔ افواہاً یہ سنا جاتا ہے کہ لیکن اس کی بظاہر کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی کہ خلیفہ مامون الرشید مشہور خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے نے جس کا دارالخلافہ مرو تھا حسد کی وجہ سے امام صاحب کو جو اس وقت شہر طوس میں جو موجودہ مشہد سے پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا زہر آلود انگور کھلا کر شہید کرا دیا لیکن ایک روایت اس طرح سے ہے کہ امام ممدوح نے طوس ہی میں طبعی طور پر انتقال فرمایا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان دونوں روایتوں میں سے سچی کون سی ہے۔ بہر حال امام صاحب کی نعش موضع صنع آباد میں جو مشہد کے قریب واقع ہے ایک روضہ کے اندر دفن کی گئی"۔ ☆

ماخذ

1) Instalment No. 39, List No. 10, S.No.140

Moulvi Zafar Ali Khan's application regarding permision to translate Lord Curzon's work " Persia and the Persian Question"

2) Instalment No. 76, List No. 15, S.No.27

مقدمہ: درخواست ظفر علی خان مترجم جہت امداد ترجمہ پرشیا

5th March 1902

My dear Maharaja,

I am desired to inform you, for communication to Moulvie Zafar Ali Khan, that His Excellency the Viceroy will be pleased to receive a copy of the Urdu Translation of his work entitled "Persia and the Persian Question" personally from him during His Excellency's forthcoming visit to Hyderabad.

Yours Sincerely,

W Haig

سر اکبر حیدری

آصف جاہی عہد حکومت میں بیرون ریاست سے جن ماہرین نظم و نسق کو حیدر آباد طلب کیا گیا تھا ان کے ناموں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان ماہرین کی خاصی تعداد اپنے اپنے شعبے میں یگانۂ روزگار کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان ماہرین نے ریاست کی ترقی و فلاح و بہبود کے لیے بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ بیرون ریاست سے آنے والے ماہرین کی منتخب فہرست میں بھی جو نام سب سے زیادہ نمایاں دکھائی دیتا ہے وہ اکبر حیدری کا ہے۔ جدید حیدر آباد کی تعمیر کے لیے ریاست کے چھٹے اور ساتویں حکمراں نواب میر محبوب علی خان آصف سادس اور نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کے عہد میں چن چن کر جو رتن اکٹھا کیے گئے تھے ان میں سر اکبر حیدری سب سے زیادہ تابناک اور چمک دار رتن تھے۔ انہوں نے اپنی فکرِ عمیق اور جدید خیالات سے ہی نہیں بلکہ اپنے عمل، حکمت اور تدبر کے ذریعے حیدر آباد کی تعمیر میں کلیدی رول ادا کیا۔ وہ مشیر بھی تھے اور حاکم بھی۔ جدید نظم و نسق اور معاشی و مالی امور پر انہیں کامل عبور حاصل تھا۔ زائد از اکتیس سال مختلف اہم اور کلیدی عہدوں پر خدمات انجام دینے کے بعد بالآخر انہوں نے سب سے اعلیٰ عالمانہ عہدے (صدر اعظم) پر فائز رہتے ہوئے اپنی فکر کو عمل کے سانچے میں ڈھالا اور ریاست حیدر آباد کے نظم و نسق کو ترقی پسندی، رواداری، معاملہ فہمی اور انصاف کی اعلیٰ اقدار

اور روایات سے مالا مال کیا۔ ان کے عہد میں ریاست کے نظم ونسق میں بڑے پیمانے پر جو اصلاحات ہوئیں اور جس تیز رفتاری کے ساتھ ریاست نے ہمہ جہت ترقی کی اس سے سالار جنگ اول کے عہد کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سر اکبر حیدری، سالار جنگ اول کے بعد ریاست کے دوسرے بڑے صدر اعظم تھے۔

محمد اکبر نذر علی حیدری ۸ نومبر ۱۸۶۹ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ وہ متمول اور با اثر بوہرہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے سترہ برس کی عمر میں بی۔ اے کے امتحان میں اعزاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ حکومت ہند کی جانب سے منعقدہ فینانس کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد وہ ۱۸۸۸ء میں ۱۹ برس کی عمر میں برطانوی حکومت ہند کے محکمہ فینانس کی ملازمت میں داخل ہوئے اور انہوں نے مختلف صوبوں میں کئی حیثیتوں سے خدمات انجام دیں۔ ان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور عمدہ کارکردگی کی وجہ سے انہیں حکومت ہند میں اہم عہدوں پر فائز کیا گیا اور انہوں نے ۱۹۰۵ء کے آخر تک بحسن وخوبی یہ خدمات انجام دیں۔

نواب میر محبوب علی خان آصف سادس کے عہد میں معین المہام (وزیر) فینانس سر جارج کیسن واکر کے رعب داب کا بڑا چرچا تھا۔ ساری ریاست میں اس کے زور اور اقتدار کی دھوم تھی۔ ریاست کے اہم اور اعلیٰ عہدیدار بھی اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے تھے۔ ہر جگہ اس کا حکم اور زور چلتا تھا۔ یہی واکر، اکبر حیدری کی ذہانت، قابلیت اور اعلیٰ صلاحیتوں کا بڑا معترف تھا۔ وہ ریاست حیدرآباد کی صدر محاسبی اور مالیے کے نظم ونسق سے مطمئن نہ تھا اور اکبر حیدری کے صلاح ومشورے اور تعاونٗ سے ان محکموں میں اصلاحات نافذ کرتے ہوئے برطانوی طرز کے نظم ونسق کو اپنانے کا خواہاں تھا۔ چنانچہ اس کی پر زور تحریک پر اکبر حیدری کی خدمات برطانوی ہند سے ریاست حیدرآبادی کی صدر محاسبی کے عہدے پر مستعار لی گئیں۔

اکبر حیدری ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو صدر محاسبی کی خدمت پر رجوع ہوئے۔ جب انہیں برطانوی ہند کی ملازمت میں ترقی ملی انہیں ریاست حیدرآباد میں یکم اپریل ۱۹۰۸ء کو ترقی دے کر معتمد فینانس مقرر کیا گیا۔ اکبر حیدری نے صدر محاسبی اور معتمد فینانس کے عہدوں پر خدمات انجام

دیتے ہوئے ہمیشہ واکر کے منشا کو پورا کرنے کا خیال رکھا۔اسی دوران انہوں نے اپنی اعلیٰ ذاتی صلاحیتوں اور واکر کی تربیت اور صلاح ومشوروں کی وجہ سے ریاست کے نظم ونسق پر عبور حاصل کیا۔ واکر یہ چاہتا تھا کہ اکبر حیدری اس کے جانشین ہوں مگر جب وہ معین المہام فینانس کے عہدے سے سبکدوش ہوا تو رزیڈنٹ کے زیر اثر اکبر حیدری کی بجائے اول مددگار رزیڈنسی گلانسی کو معین المہام فینانس مقرر کیا گیا جبکہ وہ برطانوی ہند کی ملازمت میں اکبر حیدری سے جونیر تھا اوران سے کم یافت پاتا تھا۔اس سلسلے میں اکبر حیدری کی نمائندگی بے اثر رہی مگر انہیں ماہانہ تنخواہ میں اضافے کے ساتھ معتمد عدالت وامور عامہ مقرر کیا گیا۔ وزیر فینانس کی تنخواہ (۲۸۰۰) کلدار تھی اور معتمد عدالت وامور عامہ کے لیے (۳۰۰۰) کلدار ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی ۔ اکبر حیدری نے ۵ جولائی ۱۹۱۱ء کو اس نئے عہدے کا جائزہ لیا۔ معتمد عدالت، کوتوالی، تعلیمات اور امور عامہ کا عہدہ اکبر حیدری کے لیے بالکل نیا تھا۔ وہ تحت کے محکموں کے کام سے ناواقف تھے لیکن انہوں نے بڑی محنت اور توجہ سے کام کیا اور وہ جلد ہی ان محکموں کے کام پر بھی حاوی ہوگئے ۔ اکبر حیدری کے اسی دور میں محکمہ آثار قدیمہ قائم ہوا ۔ ریاست میں تعلیم کو غیر معمولی فروغ ہوا اور ان کی غیر معمولی توجہ اور دلچسپی کے باعث جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا۔ جامعہ عثمانیہ غیر منقسم ہندوستان کی تاریخ میں اپنی طرز کی منفرد جامعہ تھی جہاں ایک ہندوستانی زبان اردو کو جامعاتی سطح پر ذریعہ تعلیم بنانے کا تجربہ کیا گیا تھا۔اس عظیم اور جرات مندانہ تجربے کی علمی حلقوں میں بڑی ستائش کی گئی تھی۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے پر زور حامی تھے ۔ چنانچہ انہوں نے اکبر حیدری کے نام اپنے ایک مکتوب مورخہ ۹ جنوری ۱۹۱۸ء میں لکھا کہ انہیں یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ ریاست حیدرآباد میں ایک ایسی یونیورسٹی کے قیام کی تجویز ہے جس میں اردو کے ذریعے تعلیم دی جائے گی ۔ (گرودیو ٹیگور کا یہ مکتوب آندھرا پردیش آرکائیوز کے ریکارڈ کے ذخائر میں موجود ہے) سالار جنگ اول کی اصلاحات کی اسکیمات میں ایک اسکیم یہ بھی تھی کہ سرکاری ملازمتوں کی فراہمی کے لیے ملکی افراد کی خاص تعلیم اور تربیت کا بندوبست کیا جائے ۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے۱۸۸۴ء میں شہر حیدرآباد میں سول

سروس کلاس کا آغاز ہوا مگر چند سال بعد ہی ۹۲ ۔ ۱۹۹۱ ء میں اسے موقوف کر دیا گیا۔ اکبر حیدری کے معتمدی تعلیمات کے دور میں سول سروس کلاس کا احیا عمل میں آیا۔ انہوں نے محکمہ تعلیمات کے علاوہ دیگر محکموں کی ترقی اور توسیع پر بھی توجہ دی۔ وہ ۱۹۲۰ ء میں برطانوی ہند کی ملازمت میں واپس گئے جہاں انہیں بمبئی میں فرسٹ اکاونٹنٹ جنرل مقرر کیا گیا۔ اکبر حیدری پہلے ہندوستانی تھے جنہیں یہ اعلیٰ عہدہ دیا گیا۔ وہ وہاں چند ہی مہینے رہنے کے بعد پھر حیدرآباد آ گئے اور گلانسی کے سبکدوش ہونے پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۶ شوال ۱۳۳۹ ھ م ۱۳ جون ۱۹۲۱ ء کے ذریعے اکبر حیدری کو صدر المہام فینانس مقرر کیا۔ انہوں نے ۵ جولائی ۱۹۲۱ ء کو صدر المہام فینانس کے عہدے کا جائزہ لیا اور ۱۹۳۷ ء میں صدر اعظم مقرر ہونے تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ اکبر حیدری نے صدر المہام فینانس کی حیثیت سے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ محکمہ واری موازنے کی تیاری اکبر حیدری کا ایک بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اس موازنے کی تیاری کا مقصد یہ تھا کہ کوئی محکمہ نقصان میں نہ رہے اور کسی محکمے کو کافی اور ضروری رقم نہ ملنے کے عذر کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ اس موازنے کے مفید نتائج مختلف شعبہ ہائے حیات میں ترقی کی صورت میں دیکھے گئے۔ محکمہ جات تعلیمات، تعمیرات، آبپاشی، آرائش بلدہ، صحت عامہ اور تنظیم دیہی وغیرہ میں جو اصلاحات اور ترقیاں ہوئیں وہ سب سر اکبر کے اسی موازنے کی دین سمجھی جاتی ہیں۔ اکبر حیدری کے دور میں ریلوے لائنوں کی توسیع ہوئی اور اینچ۔ ای۔ اینچ۔ دی نظامس گیارنٹیڈ اسٹیٹ ریلوے کمپنی لمیٹڈ سے سارے ریلوے نظام کی خریدی عمل میں آئی۔ ریاست حیدرآباد نے ریلوے نظام کی خریدی کے بعد یکم اپریل ۱۹۳۰ ء سے اینچ۔ ای۔ اینچ۔ دی نظامس اسٹیٹ ریلوے کے نام سے تمام کاروبار سنبھالا۔

اکبر حیدری کے ماہرانہ کام اور فاضل بچت کے موازنوں کو آصف سابع پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمان مورخہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۰ ھ م ۹ اگست ۱۹۳۱ ء کے ذریعے ۱۳۴۱ ف کا موازانہ منظور کرتے ہوئے لکھا "اس کساد بازاری اور اقتصادی انحطاط کے زمانے میں سر اکبر حیدری نے موازانے میں ایک معتدبہ فاضل بچت کی جو توقع ظاہر کی ہے

وہ اطمینان بخش اور قابل قدر ہے۔ان سے میری خوشنودی کا اظہار کیا جائے،،

سر اکبر حیدری نے تینوں راونڈ ٹیبل کانفرنسوں منعقدہ ۱۹۳۰، ۱۹۳۱ اور ۱۹۳۲ء میں ریاست حیدرآباد کے وفد کی قیادت کی جہاں انہوں نے مباحث میں سرگرم حصہ لیا اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کو منوایا۔مباحث کے دوران انہوں نے فیڈریشن کے قیام کی صورت میں یا مستقبل کے حالات میں ریاست حیدرآباد کے مفادات کے تحفظ کے لیے وکالت کی ۔ ان ہی کی کوششوں کی وجہ سے ایک بار پھر ریاست حیدرآباد کو ملک کی سب سے بڑی دیسی ریاست کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا اور برار کے مسئلے پر از سر نو انڈیا آفس لندن اور اکبر حیدری کی قیادت میں ریاست حیدرآباد کے عہدیداروں کے مابین گفت وشنید ہوئی جس کے نتیجے میں ۱۹۳۶ء کا معاہدہ طے پایا۔

اکبر حیدری کو ان کی خدمات کے صلے میں آصف سابع نے اپنی سالگرہ کی تقریب کے موقع پر فرمان مورخہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ م ۵ فبروری ۱۹۲۳ کے ذریعے حیدر نواز جنگ کا خطاب دیا۔حکومت برطانوی ہند کی جانب سے انہیں ۱۹۲۸ء میں سر اور ۱۹۳۶ء میں رائٹ آنریبل کا خطاب ملا۔

سر اکبر حیدری ۱۵ سال سے زیادہ مدت تک صدرالمہام فینانس رہے۔مہاراجا کشن پرشاد کے مستعفی ہونے پر آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۹ مارچ ۱۳۳۷ء اکبر حیدری کا پانچ سال کے لیے صدراعظم کے عہدے پر تقرر کیا۔صدراعظم مقرر ہونے سے قبل وہ زائد از اکتیس سال مختلف محکموں کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے تھے۔ اب انہوں نے اپنے طویل تجربے اور اعلیٰ اختیارات سے استفادہ کرتے ہوئے مخلصانہ طور پر ریاست اور اس کے عوام کی خدمت انجام دینے کی کوشش کی۔

اکبر حیدری کی حکمت عملی اور کارکردگی کی بالعموم تحسین وستائش ہوئی لیکن بعض مرتبہ انہیں سخت اعتراضات اور تنقیدوں کا بھی سامنا کرنا پڑا جس کی ایک اہم مثال ریاست کے لیے ریلوے نظام کی خریدی تھی ۔ اس بارے میں ریاست کے اخباروں نے سخت تنقیدیں کرتے

ہوئے لکھا کہ سر اکبر نے ساری دنیا میں پھیلی ہوئی کساد بازاری کے دوران ریلوے کی خریدی کے لیے بہت بھاری رقم ادا کی ۔ اکبر حیدری کے دور عظمیٰ میں دستوری اصلاحات کے لیے جو کمیٹی قائم کی گئی تھی اس کی رپورٹ پر بھی شد و مد سے تنقید کی گئی تھی جس کی وجہ سے حکومت کو مجبور ہو کر اس رپورٹ پر عمل آوری دوسری جنگ عظیم کے خاتمے تک ملتوی کرنی پڑی ۔ ان باتوں کی روشنی میں دیوان بہادر آروا موددو آئینگار کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ سر اکبر بہت بڑے ماہر مالیات ، بہت بڑے ماہر تعلیم اور بہت بڑے مدبر ہیں اور جہاں کسی کی اتنی حیثیتیں ہوں ، ظاہر ہے کہ وہاں اس کے بارے میں موافقت اور مخالفت میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش رہ سکتی ہے ۔

سر اکبر چونکہ طویل عرصے تک ریاست حیدرآباد کے بڑے اہم عہدوں پر فائز رہے تھے اس لیے بیرون ریاست کی بے حد اہم اور ممتاز شخصیتوں سے ان کی خط و کتابت ہوا کرتی تھی ۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں سر اکبر حیدری کے نام مہاتما گاندھی ، رابندر ناتھ ٹیگور ، مولانا ابوالکلام آزاد ، سردار پٹیل ، رادھا کرشنن ، راج کماری امرت کور ، علامہ اقبال ، سر عبدالقادر ، سر فیروز خان نون وغیرہ کے خطوط محفوظ ہیں ۔

اکبر حیدری صدر اعظم کے عہدے پر فائز تھے کہ انہیں وائسرے کی اگزیکیٹو کونسل میں وزیر اطلاعات کے عہدے کی پیشکش کی گئی اور وہ صدارت عظمیٰ کی پانچ سالہ میعاد مکمل کرنے سے قبل مستعفی ہو کر ۲۸ اگست ۱۹۴۱ء کو نئے عہدے کا جائزہ لینے کی غرض سے بمبئی روانہ ہو گئے ۔ اکبر حیدری جب حیدرآباد سے رخصت ہو رہے تھے ان کے اعزاز میں متعدد وداعی تقاریب منعقد ہوئیں ۔ باب حکومت کی جانب سے انہیں جو وداعی ڈنر دیا گیا تھا اس موقع پر مابعد ڈنر تقریر میں مہدی یار جنگ نے کہا تھا کہ اس موقع پر سر اکبر کے کارناموں کا تفصیلی ذکر کرنا نہیں چاہیے کیونکہ ان تمام کارناموں کا خلاصہ اس ایک جملے میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ حیدرآباد آج جو کچھ ہے وہی ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ۔ غیر معمولی قابلیت کا انحصار ایک حصہ فطری ذہانت اور تین حصے ذاتی مشقت پر ہے ۔ چنانچہ سر اکبر سخت محنت کرنے اور صبر کے ساتھ تفصیلات کا مطالعہ

کرنے میں دوسروں کے لیے ہمیشہ ایک قابل تقلید مثال پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ ایک مدبر سیاست کے تخیل اور تخلیقی قوت کے بھی حامل ہیں۔ چنانچہ ان ہی اوصاف کا نتیجہ ہے کہ ان کی بدولت اس ریاست کی ترقی میں اس قدر مدد ملی کہ اب حیدرآباد کو ہندوستان میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

اکبر حیدری کی دیرینہ اور بے مثال خدمات کے صلے میں آصف سابع نے فرمان مورخہ ۳۰ رجب ۱۳۶۰ھ م ۲۴ گست ۱۹۴۱ء کے ذریعے سر اکبر کے نام یکم ستمبر ۱۹۴۱ء سے ۳۰۰۰ کلدار ماہانہ وظیفہ منظور کیا اور ان کے پانچ پوتے پوتیوں کے نام فی کس ایک سو روپے منصب کی بھی منظوری دی۔ ان کی عمدہ کارگزاری کے انعام کے صلے میں ان کو سات ماہ رخصت خاص کی تنخواہ کے عوض پچاس ہزار کلدار یکمشت دینے کے بھی احکام دیے۔ اس کے علاوہ اس فرمان میں یہ بھی ہدایت کی گئی کہ ان کی سرکاری رہائش گاہ دل کشا تا حیات ان کے قبضے میں دے دی جائے تاکہ جب کبھی وہ یہاں آئیں اس میں قیام کر سکیں کیونکہ عمر کا زیادہ حصہ اس میں بسر ہونے کی وجہ سے ان کو اس سے انس پیدا ہو گیا ہے۔

اکبر حیدری وائسرے کی اگزیکیٹو کونسل میں صرف چند ماہ کام کر سکے۔ اہلیہ کی وفات سے انہیں گہرا صدمہ پہنچا تھا اور وہ علیل رہنے لگے تھے۔ بالآخر وہ ۸ جنوری ۱۹۴۲ کو رحلت کر گئے۔ ان کی میت حیدرآباد لائی گئی جسے دائرہ سلیمانیہ میں لیڈی حیدری کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ اکبر حیدری کے انتقال پر ریاست حیدرآباد کے کابینی وزرا اور دیگر اہم شخصیتوں بشمول سروجنی نائیڈو کے علاوہ بیرونی ریاست کے جن متعدد، ممتاز اور نامور شخصیتوں نے تعزیتی پیامات روانہ کیے اور خراج عقیدت ادا کیا تھا ان میں مہاتما گاندھی، وائسرائے ہند، راج گوپال چاری اور سر تیج بہادر سپرو کے نام قابل ذکر ہیں۔ سروجنی نائیڈو نے اکبر حیدری کی وفات پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ برطانوی ہند اور حیدرآباد میں سر اکبر کے دیرینہ بے مثال کارنامے یہاں اور باہر کی دنیا میں کافی شہرت رکھتے تھے لیکن ان کے سچے ثنا خوانوں یا سخت اعتراضات کرنے والوں میں صرف چند ہی ایسے افراد ہیں جنھوں نے اس عظیم شخصیت کی

سیاست دانی اور نظم و نسق کی مہارت میں ایک زبردست قوم پرست مصلح و مفکر کو دیکھا جس کی دلی تمنا ایک ایسے ترقی پذیر ہندوستان کو آزاد اور متحد دیکھنا تھی جس کی تہذیب، تمدن اور روحانی عظمت ساری دنیا کے لیے زندگی کا پیام ہو۔

آرکائیوز میں محفوظ آصف جاہی ریکارڈ کے غائر مطالعے اور اس سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر مضامین قلم بند کرنے کے دوران میرے سامنے اکبر حیدری کی شخصیت کا ایک بے حد اہم پہلو بہت واضح اور غیر مبہم انداز میں ابھرتا رہا ہے۔ وہ پہلو یہ ہے کہ اکبر حیدری بہت وسیع النظر، سیکولر اور کھلے دماغ کے انسان تھے۔ وہ کسی قسم کے بھید بھاؤ میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ بلا شبہ مسلمان تھے لیکن دیگر مذاہب کی تعلیمات سے بھی بخوبی واقف تھے اور وہ ان مذاہب اور ان کی برگزیدہ ہستیوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اگر وہ مسلمان شہنشاہوں اور بادشاہوں کے کارناموں اور ان کے دور کی عمارتوں کے فن تعمیر کی مدح و ستائش کرتے تھے تو ساتھ ہی ساتھ ہندو راجاؤں کے کارناموں اور ان کے عہد کی یادگاروں کے طرز تعمیر کے بھی دل سے معترف تھے۔ اکبر حیدری نے جہاں مسلم تعلیمی و علمی اداروں کے لیے عطیوں اور عمارتوں کے تحفظ و مرمت کے لیے مالی امداد کی سفارشیں کی تھیں وہیں انہوں نے غیر مسلم تعلیمی و علمی اداروں کے لیے بھی عطیوں اور یادگاروں، عمارتوں اور مندروں کے تحفظ کے لیے بڑی فیاضی کے ساتھ مالی امداد منظور کروائی تھی۔ اسی طرح شخصیتوں کی امداد و اعانت میں بھی انہوں نے امتیاز نہیں برتا۔ بنارس ہندو یونیورسٹی، بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں گیسٹ ہاوز کی تعمیر اور مہا بھارت کی اشاعت کے لیے مالی امداد منظور کروانے میں اکبر حیدری کی کوششوں کو بڑا دخل رہا۔ غارہائے اجنتا کی تصاویر کی مرمت و تحفظ اور یادگار انگریزی کتاب اجنتا کی اشاعت کے لیے اکبر حیدری نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ ریاست حیدرآباد میں مسلمان ملازمین سرکار کو فریضہ حج ادا کرنے اور مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے چھ ماہ کی رخصت خاص پیشگی تنخواہ کے ساتھ حاصل کرنے کی سہولت تھی۔ اکبر حیدری نے ریاست کے ہندو ملازمین سرکار کو یاتراؤں یا مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے بھی سہولت دلانے میں کلیدی رول ادا کیا۔ یہ چند

مثالیں ایک طرف سر اکبر حیدری کے ذہنی رویے کی غمازی کرتی ہیں تو دوسری طرف اس بات کا اشارہ کرتی ہیں کہ انہوں نے دانستہ اور شعوری طور پر یہ رویہ اختیار کیا تھا تاکہ حکومت کی سرپرستی اور قدر افزائی میں توازن قائم رہے اور حکومت پر تعصب اور تنگ نظری کا الزام نہ لگے۔ اکبر حیدری کی یہ شعوری کوششیں حکومت ریاست حیدرآباد کو سیکولر، فراخ دل اور مذہبی طور پر روادار ثابت کرتی ہیں اور یہی وہ خصوصیات ہیں جو کسی بھی حکومت کی نیک نامی کا باعث بنتی ہیں۔۔

ماخذ

Instalment No. 80, List No. 1, S.No.55.

مقدمہ : تقرر مسٹر حیدری معتمد عدالت و کوتوالی بر جائداد گلانسی صدر المہام فینانس و تقرر نواب ذوالقدر جنگ بہادر بجائے مسٹر حیدری

فرمان

کونسل کے پیش کردہ تجاویز سے مجھکو اتفاق ہے کہ سر اکبر حیدری المخاطب حیدر نواز جنگ کے دیرینہ (یعنے ۳۶ سالہ) وفادارانہ خدمات کا معقول معاوضہ اونکو ملنا چاہیئے لہذا منظور کرتا ہون کہ:-

(۱) یکم بہمن ۱۳۵۴ف سے انکے نام سمتہ ۲ ہزار کلدار کا ماہانہ وظیفہ جاری ہو۔

(۲) انکے (۵) پانچ پوتے پوتی کے نام فی کس یکصد حالی منصب جاری ہو (جنکے نام اونسے دریافت کر لیئے جائین)

(۳) چونکہ انہون نے اپنے طویل زمانہ ملازمت مین اپنے خانگی اغراض کیلیے کسی قسم کی رخصت سے مستفید نہ ہونے سے اونکو چھ ماہ کی رخصت خاص کامل مواجب کے ساتھ پانے کا استحقاق ہو چکا ہے اور اونکی مدت پنجسالہ خدمت صدر اعظمی سات ماہ کے بعد ماہ مارچ آیندہ مین ختم ہوتی ہے لہذا اونکو سات ماہ کی رخصت خاص سالم ماہوار سے دینے کے عوض ان کو یکمشت پچاس ہزار روپیہ کلدار بطور انعام اونکی کارگزاری کے صلہ مین ایصال کیا جائے۔

(۴) چونکہ جس سرکاری مکان مین یہ رہتے ہین اس سے انکو انس پیدا ہو گیا ہے کہ عمر کا زیادہ حصہ اسمین انکا بسر ہوا ہے لہذا (قید حیات کی شرط کے ساتھ) یہ مکان انکے قبضہ مین دیدیا جائے (یعنے دلکشا) تاکہ جب کبھی وہ یہان آئین اسمین اقامت کر سکین۔

آخر مین مجھے امید ہے کہ خیرخواہانہ خدمات کا جو معاوضہ انکو دیا گیا ہے اس سے انکو اطمینان قلب حاصل ہوگا۔

یہہ جریدۂ غیر معمولی مین طبع کر دیا جائے۔

۳۰۔ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۰ھ

شرح دستخط مبارک اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مد ظلہم العالی

پیارے لال شاکر

ریاست حیدرآباد کی فیاضی اور سرپرستی سے استفادہ کرنے والوں میں اردو کے دو معیاری ادبی و علمی ماہناموں کے ایڈیٹر منشی پیارے لال شاکر بھی شامل ہیں جنہوں نے شمالی ہند میں اردو زبان کی ترقی اور علم و ادب کی اشاعت میں اہم رول انجام دیا۔ پیارے لال شاکر کو نہ صرف حکومت ریاست حیدرآباد نے گراں قدر امداد ایصال کی بلکہ اس ریاست سے چندہ اکٹھا کر کے بھی ان کی ضرورت کو پورا کرنے کی پر خلوص کوشش کی گئی۔ انہیں امداد دلوانے میں حیدرآباد کی عالی مرتبت و علم دوست شخصیت نواب عماد الملک کی کوششوں کو نمایاں دخل حاصل تھا۔ ریاست کے مدارالمہام (وزیراعظم) میر یوسف علی خاں سالار جنگ سوم (دور مدارالمہامی ۱۹۱۲ ـ ۱۹۱۴ء) نے ابتدا میں دو بار پیارے لال شاکر کے لیے امداد منظور کی۔ بعد ازاں ریاست کے حکمران نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع نے نہ صرف یہ کہ امداد و اعانت منظور کرنے کی تحریک سے اتفاق کیا بلکہ سفارش کردہ رقم کو منظوری دینے کی بجائے دوگنی رقم منظور کر کے علم و فن اور ادب و صحافت کے شعبوں میں خدمات انجام دینے والوں کی قدر دانی اور سرپرستی کا ثبوت دیا۔

منشی پیارے لال شاکر اردو کے مشہور انشا پرداز اور شاعر ہونے کے علاوہ اردو کے دو چوٹی

کے رسالوں کے مدیر کی حیثیت سے بھی بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ وہ ۱۳ مارچ ۱۸۸۰ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ پیارے لال شاکر کا وطن میرٹھ تھا لیکن انہوں نے جوانی اور ادھیڑ عمری کا زمانہ لکھنو میں کاٹا اور زندگی کا آخری حصہ دہلی میں گزارا جہاں وہ ۲۰ فروری ۱۹۵۶ء کو فوت ہوئے۔ پیارے لال شاکر ماہنامہ ادیب (الہ آباد) اور ماہنامہ العصر (لکھنو) سے وابستہ رہے۔ یہ دونوں اردو رسالے اپنے وقت کے بلند پایہ اور معیاری رسالے مانے جاتے تھے۔ انڈین پریس الہ باد کا رسالہ ماہنامہ ادیب جنوری ۱۹۱۰ء کو جاری ہوا اور جون ۱۹۱۳ء کا شمارہ شائع ہونے کے بعد اس کی اشاعت مسدود ہوگئی۔ ابتدائی ایک سال چار ماہ تک نوبت رائے نظر اس رسالے کے ایڈیٹر تھے۔ اس کے بعد ایک سال آٹھ ماہ تک پیارے لال شاکر اس رسالے کے ایڈیٹر رہے۔ انڈین پریس کی ملازمت چھوڑنے کے بعد پیارے لال شاکر نے اپنا ذاتی رسالہ ماہنامہ العصر لکھنو سے جاری کیا جس کا پہلا شمارہ مارچ ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا اور آخری شمارہ دسمبر ۱۹۱۷ء میں۔ اس طرح ماہنامہ العصر کے اٹھاون شمارے شائع ہوئے۔ اس رسالے میں ممتاز ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کے علاوہ زبان کے مسائل، علوم وفنون، تاریخ ہند، مذہبی عقائد وافکار، فلسفہ، سائنس وصنعت وحرفت پر مضامین شائع کیے جاتے تھے۔ اس رسالے کے قلمی معاونین میں علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، عبدالحلیم شرر، شمس اللہ قادری، عبداللہ عمادی، عبدالماجد دریابادی، ندرت میرٹھی، نادر کاکوروی اور رشید احمد صدیقی جیسے مشاہیر شامل تھے۔ اس رسالے میں مشاہیر کی نادر عکسی تصویریں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ ماہنامہ العصر کی کتابت، طباعت اور گٹ اپ نہایت عمدہ اور اعلیٰ درجے کا تھا۔ پیارے لال شاکر کا یہ ماہنامہ صوری ومعنوی اعتبار سے اردو کا ایک نہایت معیاری ادبی وعلمی رسالہ تھا۔ پیارے لال شاکر کو انگریزی، اردو اور فارسی پر عبور تھا۔ وہ سنسکرت اور ہندی سے بھی واقف تھے۔ میگھ دوت کا ترجمہ ان کی یادگار ہے۔ وہ زندگی کے آخری دور میں مسیحی لٹریچر کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک عرصے تک اس کام میں مصروف رہے۔ (خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کی جانب سے شائع کردہ خدا بخش لائبریری جرنل کا شمارہ ۱۳، ۱۴، ۱۵ (۱۹۸۰ء) پیارے لال شاکر کے ماہنامہ العصر (۱۹۱۳۔

۱۹۱۷ء)کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ پیارے لال شاکر کے بارے میں متذکرہ بالا معلومات اسی خدا بخش لائبریری جرنل کے شمارے سے ماخوذ ہیں۔)

پیارے لال شاکر کو حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۵ء کے دوران تین بار مالی امداد ایصال کی گئی۔ پہلی بار ۱۹۱۳ء میں اور دوسری بار ۱۹۱۴ء میں پانچ سو روپے کلدار کی امداد منظور کی گئی۔ گومتی ندی کی طغیانی کے باعث جب وہ شدید نقصانات سے دوچار ہوئے تو انہیں ۱۹۱۵ء میں تیسری بار ایک ہزار روپے کی مالی امداد دی گئی۔ اس علمی فیاضی پر پیارے لال شاکر نے آصف سابع کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر روانہ کیا جس کے صلے میں انہیں مزید پانچ سو روپے ایصال کیے گئے۔ ان رقومات کے علاوہ ان کی امداد کی غرض سے چندہ جمع کر کے پانچ سو روپے سے زائد رقم بھی انہیں بھیجی گئی۔ حیدرآباد سے پیارے لال شاکر کو جس مدت کے دوران مالی امداد روانہ کی گئی اس دوران وہ ماہنامہ العصر کے ایڈیٹر تھے۔

ریاست حیدرآباد کی جلیل القدر شخصیت نواب عماد الملک بہادر کی گوناگوں خوبیوں میں ایک نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ اہل علم کی مدد کرتے تھے۔ جب کبھی یہ بات ان کے علم میں آجاتی کہ کوئی عالم مفید علمی کام کر رہا ہے مگر مالی دشواریاں کام کو بہتر طریقے سے انجام دینے میں رکاوٹ بن رہی ہیں تو وہ خود اپنی طرف سے، اپنے احباب سے اور سفارش کر کے حکومت سے مدد دلانے میں دریغ نہ کرتے۔

آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ریکارڈ کے ذخائر میں پیارے لال شاکر کو دی گئی امداد کی کارروائی محفوظ ہے۔ اس کارروائی کا خلاصہ درج ذیل ہے جس سے امداد کی تفصیلات اور امداد دلانے میں عماد الملک کا مثبت رول منظر عام پر آتا ہے۔

سرفریدوں جنگ بہادر صدر المہام (وزیر) سیاسیات ایک عرضداشت مورخہ یکم صفر ۱۳۳۴ھ/ ۹ دسمبر ۱۹۱۵ء میں لکھتے ہیں کہ سالار جنگ سوم مدار المہام نے عماد الملک کی سفارش پر فبروری ۱۹۱۳ء میں منشی پیارے لال شاکر مالک و مدیر رسالہ العصر لکھنو کو ان کی ایک علمی اسکیم میں مدد دینے کی غرض سے جس کا مقصد اردو زبان کی ترقی و توسیع تھا (یقیناً یہ اشارہ ماہنامہ العصر کی

اشاعت کی جانب ہے۔ ماہنامہ العصر مارچ ۱۹۱۳ء تا دسمبر ۱۹۱۷ء شائع ہوتا رہا۔) خلعت و تواضع واستصوابی پرائیوٹ سکریٹری مد سے پانچ سو روپے کلدار دیے تھے۔ اس کے ایک سال بعد فبروری ۱۹۱۴ء میں پیارے لال شاکر نے درخواست دی تھی کہ بعض بینکوں کا دیوالیہ نکل جانے کی وجہ سے ان کو خسارہ اٹھانا پڑا جس کی وجہ سے ان کا کام رک گیا ہے۔ لہٰذا ان کی مدد کی جائے۔ اس درخواست پر سالار جنگ سوم کی منظوری سے متذکرہ بالا مد سے مزید پانچ سو روپے کلدار کی رقم پیارے لال شاکر کو روانہ کی گئی۔ اس عرضداشت میں فریدوں جنگ مزید تحریر کرتے ہیں کہ اب نواب عماد الملک نے ان کے نام ایک خانگی مکتوب میں لکھا ہے کہ حال میں رود گومتی کی ہولناک طغیانی سے پیارے لال شاکر مالک و مدیر العصر کا بہت نقصان ہوا ہے۔ ان کا مکان منہدم ہوگیا اور ان کے مکان کا کل اثاثہ معہ مطبع (پریس) بہہ گیا ہے اور ان کا کتب خانہ جس میں انہوں نے بہت سی نایاب کتابوں کے قلمی نسخے جمع کیے تھے نیز جس میں تجارت کی غرض سے کتابیں اکٹھا کی گئی تھیں وہ طغیانی کی نذر ہوگیا جس کے باعث وہ بالکل مفلس اور محتاج ہوگئے ہیں۔ عماد الملک نے پیارے لال شاکر کی پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے خط کے آخر میں لکھا کہ ان حالات کے مدنظر اگر پیارے لال شاکر کی امداد کے لیے کوئی چندہ جمع کیا جائے تو وہ بھی اس چندے میں اپنی طرف سے کچھ رقم دینے آمادہ ہیں۔ ان تفصیلات کو درج کرنے کے بعد فریدوں جنگ نے لکھا کہ ان کی رائے میں پیارے لال شاکر کی حالت نہایت قابل رحم معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا قطع نظر کسی پرائیوٹ چندے کے جو ان کے لیے فراہم کیا جائے گا ان کو سابق کی طرح حکومت سے پانچ سو روپے کلدار دینا مناسب رہے گا۔ اگر آصف سابع پسند و منظور فرمائیں تو خلعت و تواضع استصوابی پرائیوٹ سکریٹری مد سے پانچ سو روپے کلدار پیارے لال شاکر کو ایصال کیے جائیں گے۔ اس عرضداشت کے آخر میں یہ اطلاع بھی درج کی گئی کہ عماد الملک نے لکھا ہے کہ پیارے لال شاکر نے آصف سابع کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے اور وہ خود کسی وقت حاضر ہو کر اسے آصف سابع کی خدمت میں پیش کرنے کے متمنی ہیں۔ ان تمام تفصیلات کے ساتھ عرضداشت کو آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش

کیا گیا۔

اس عرضداشت میں پانچ سو روپے کلدار بطور امداد ایصال کرنے کی سفارش کی گئی تھی مگر آصف سابع نے ایک ہزار کلدار کی منظوری دی۔ جس روز عرضداشت پیش ہوئی تھی اسی روز آصف سابع کا فرمان جاری ہوا۔ اس فرمان کا متن درج ذیل ہے۔

''منشی پیارے لال شاکر کو بعوض پانچ سو روپے ایک ہزار روپے کلدار امداۃً دیے جائیں۔ اگر وہ اپنا مصنفہ قصیدہ روانہ کردیں تو خوشی سے قبول کرلیا جائے گا''۔

چند ماہ بعد عماد الملک بہادر نے ایک مکتوب مورخہ ۲۱ جون ۱۹۱۶ء فریدوں جنگ کو روانہ کیا جس میں انہوں نے پیارے لال شاکر کے قصیدے کی بڑی تعریف لکھی۔ فریدوں جنگ نے خود اس قصیدے کو آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا اور اس سلسلے میں ایک عرضداشت مورخہ ۲۷ شعبان ۱۳۳۴ھ ۲۹ جون ۱۹۱۶ء آصف سابع کے احکام کے لیے پیش کی جس میں انہوں نے پیارے لال شاکر کو دی گئی سابق امداد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس کے علاوہ ان کی مدد کی غرض سے چندہ کر کے پانچ سو سے زیادہ رقم ایصال کی جاچکی ہے۔ عرضداشت کے آخر میں فریدوں جنگ نے لکھا کہ اب پیارے لال شاکر آصف سابع سے اپنے قصیدے کا صلہ پانے کے آرزومند ہیں۔ اگر آصف سابع منظور فرمائیں تو انہیں پانچ سو کلدار ایصال کر کے یہ لکھ دیا جائے گا کہ انہیں معقول امداد دی جاچکی ہے اس لیے وہ آئندہ مزید مالی امداد کی توقع نہ رکھیں۔ اس عرضداشت پر آصف سابع نے اسی روز فرمان جاری کرتے ہوئے پیارے لال شاکر کو پانچ سو روپے کلدار ایصال کرنے کے احکام صادر کیے۔

پیارے لال شاکر کے ساتھ فیاضی اور فراخ دلی کا یہ جو مظاہرہ ریاست حیدرآباد میں کیا گیا اس کا تعلق تقریباً نوے سال قبل کے دور سے ہے۔ اس دور میں اور آج کے دور میں روپے کی قدر میں جو غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اسے اگر ذہن میں رکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ آج کی قدر زر کے پیمانے سے تنہا ایک شخص کو رسالہ جاری رکھنے اور مالی مشکلات پر قابو پانے کے لیے لاکھوں روپیوں کی مدد دی گئی۔ اس طرح کی علمی اعانت اور سرپرستی آج کے جمہوری دور میں بھی

فقید المثال ہے۔۔☆

ماخذ

Instalment No. 80, List No. 3, S.No.602

مقدمہ: پیارے لال صاحب شاکر مالک رسالہ العصر کی امداد کی نسبت

غلام یزدانی

ریاست حیدرآباد میں خدمات انجام دیتے ہوئے جن باکمالوں نے درجہ کمال کی بھی انتہا کو سر کیا اور نہ صرف سارے ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں اپنا اور حیدرآباد کا نام روشن اور بلند کیا ان میں غلام یزدانی اپنی طرز کی منفرد شخصیت تھے جن کے کارناموں کی وسعت اور جن کی قابلیت اور صلاحیت کی ہمہ گیری لائق صد رشک اور مثالی تھی۔

ریاست حیدرآباد میں محکمہ آثار قدیمہ ۱۹۱۴ء میں قائم ہوا۔ اس کے قیام کے ساتھ ہی اس کے لیے ایک ایسے سربراہ کے تقرر کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس کی تنظیم بہتر انداز میں کر سکے، قدیم آثار کی مرمت اور نگہداشت جدید سائنسی طریقوں سے انجام دلوا سکے اور وہ اہم، ضروری اور مفید کام کروا سکے جو اس محکمے کی جانب سے انجام دیے جا سکتے ہیں۔ اس کے لیے مولوی غلام یزدانی کا انتخاب عمل میں آیا جو اعلیٰ تعلیم یافتہ، بے حد قابل اور آثار قدیمہ کے ماہر تھے۔ انہوں نے اپنے انتخاب کو صد فیصد صحیح ثابت کیا۔ اس محکمے میں غلام یزدانی کی کارکردگی اتنی عمدہ اور اعلیٰ درجے کی رہی کہ انہیں نہ صرف ہندوستان گیر بلکہ بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ انہوں نے ریاست حیدرآباد کے محکمہ آثار قدیمہ کو اس درجہ ترقی دی کہ اس محکمے کو دنیا کے ترقی یافتہ اور متمدن ملکوں کے آثار قدیمہ کے محکموں کے معیار کے مساوی سمجھا جانے لگا۔ حکومت برطانوی

ہند کے محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر جنرل سرجان مارشل مولوی غلام یزدانی کی نگرانی میں حیدرآباد کے محکمہ آثار قدیمہ کے حسن انتظام، عمدہ کارکردگی اور قدیم آثار کی موثر نگرانی اور مرمت کو بہت اچھے الفاظ میں سراہا کرتے تھے۔

غلام یزدانی دہلی کے ایک معزز متوسط طبقے کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے والد منشی غلام جیلانی نیک و پاکیزہ زندگی بسر کرنے اور السنہ مشرقیہ پر عبور رکھنے کی وجہ سے دہلی میں ایک محترم شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ وہ ہندوستان میں خدمت انجام دینے والے برطانوی سول سروس عہدیداروں کو فارسی اور اردو پڑھایا کرتے تھے۔ وہ ریاست دوجانہ Dojana کے دیوان بھی رہے۔حکیم اجمل خاں ان کے عزیز دوست تھے۔

غلام یزدانی ۱۸۸۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کا تعلیمی کیریئر شاندار رہا۔انہوں نے میٹرک کے امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کی جس کی وجہ سے انہیں اعلی تعلیم کے لیے وظیفہ منظور کیا گیا۔انہوں نے کالج کی تعلیم ماہر اساتذہ اور ممتاز ماہرین تعلیم کی نگرانی میں حاصل کی۔ اس زمانے کے مشرقی السنہ کے نامور ماہرین مولوی محمد اسحاق اور مولوی نذیر احمد نے انہیں توصیفی صداقت ناموں سے نوازا۔انہیں ۱۹۰۳ء میں انٹرمیڈیٹ میں یونیورسٹی میں پہلا مقام حاصل ہوا اور ۱۹۰۵ء میں انہیں بی اے میں وہی موقف حاصل ہوا اور تین گولڈ مڈل ملے۔ انہوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے خانگی امیدوار کے طور پر فارسی سے ایم۔اے کیا اور اسی یونیورسٹی سے ۱۹۱۳ء میں انہیں تاریخ ہند میں اوریجنل ریسرچ پر گرفتھ انعام دیا گیا۔

غلام یزدانی کو نومبر ۱۹۰۵ء میں عربی اور فارسی میں تحقیق کے لیے حکومت ہند کے آثار قدیمہ کا وظیفہ منظور کیا گیا۔ انہوں نے پہلے مسٹر ڈینی سن راس اور بعد ازاں ڈاکٹر ہارو وٹز Horovitz کے ساتھ کام کیا۔ وہ ۱۹۱۵ء میں موخرالذکر کی جگہ حکومت ہند کے عربی اور فارسی کتبات کے اپی گرافسٹ مقرر ہوئے اور ۱۹۴۱ء تک اس عہدے پر مامور رہے۔

غلام یزدانی ۱۹۰۷ء میں سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۹۰۹ء میں انہیں سر ہنری شارپ نے گورنمنٹ کالج راج شاہی میں عربی کا پروفیسر مقرر کیا۔

غلام یزدانی ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۳ء تک کلکتہ میں رہے۔ حکومت پنجاب نے ۱۹۱۳ء میں حکومت بنگال سے ان کی خدمات مستعار لیں اور انہیں گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ وہ یہاں صرف چند ماہ ہی کام کر سکے کیونکہ ریاست حیدرآباد میں نئے قائم کردہ محکمہ آثار قدیمہ کی تنظیم کے لیے ۱۹۱۴ء میں ان کی خدمات مستعار لی گئیں جہاں وہ محکمہ آثار قدیمہ کے پہلے ناظم مقرر کیے گئے اور وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہونے تک اسی عہدے پر فائز رہے۔

مولوی غلام یزدانی کے ریاست حیدرآباد میں تقرر، ملازمت میں توسیع، بعد ازاں استقلال، تنخواہ میں اضافے اور ان کی جانب سے یا ان کے لیے پیش کردہ تحریکات کے منظور کیے جانے کی تفصیلات آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ کی تلاش، جائزے اور ریسرچ کے بعد ذیل میں درج کی جارہی ہیں جن سے مولوی غلام یزدانی کی عمدہ کارگزاری اور حکومت کی جانب سے ان کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کے واضح اشارے ملتے ہیں۔

ریاست حیدرآباد کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع کے ابتدائی دور حکمرانی میں محکمہ آثار قدیمہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس محکمے کے قیام کے لیے آصف سابع کا فرمان ۲۸ شوال ۱۳۳۱ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۱۳ء کو جاری ہوا تھا۔ اس محکمے کے عہدہ نظامت کے لیے مولوی غلام یزدانی کی خدمات حکومت برطانوی ہند سے تین سال کے لیے مستعار لی گئیں۔ وہ یکم اپریل ۱۹۱۴ء کو اس خدمت پر رجوع ہوئے۔ غلام یزدانی ریاست حیدرآباد کے محکمہ آثار قدیمہ کے ناظم کی خدمت پر جب برسرکار تھے حکومت برطانوی ہند کے ڈائرکٹر جنرل محکمہ آثار قدیمہ کی تحریک پر حکومت ہند نے غلام یزدانی کو ایک سو روپے ماہانہ الاونس کے ساتھ عربی و فارسی کتبوں کے پڑھنے کی خدمت پر اپی گرافسٹ ٹو دی گورنمنٹ آف انڈیا، نامزد و منتخب کیا اور اس کے لیے حکومت ریاست حیدرآباد سے اجازت طلب کی گئی۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۹ شعبان ۱۳۳۳ھ م ۲۳ جون ۱۹۱۵ء کے ذریعے حکم دیا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے اپی گرافسٹ کی خدمت پر غلام یزدانی کا انتخاب ہونے سے ان کے مفوضہ سرکاری کام میں کوئی ہرج واقع ہونے کا احتمال نہیں ہے اور مصارف کا بار بھی ہماری حکومت پر عائد نہیں ہوتا ہے اس لیے

گورنمنٹ آف انڈیا کی درخواست منظور کرلی جائے۔

مولوی غلام یزدانی کی خدمات ریاست حیدرآباد میں تین سال کے لیے مستعار لی گئی تھیں۔ اس لیے اس مدت کے ختم ہونے سے چند ماہ قبل ایک عرضداشت آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں وزیر فینانس نے لکھا کہ محکمہ آثار قدیمہ نے جو عمدہ کام انجام دیے ہیں اور قدیم آثار کے تحفظ کے لیے جو کوششیں کی گئی ہیں وہ بہت قابل تعریف ہیں۔ درحقیقت یہ کامیابیاں مولوی غلام یزدانی کی توجہ اور دلچسپی کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا ان کی خدمات مزید تین سال کے لیے حاصل کی جائیں۔ آصف سابع نے وزیر فینانس کی سفارش پر بذریعہ فرمان مورخہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ م ۱۹ جنوری ۱۹۱۷ء مولوی غلام یزدانی کی مدت ملازمت میں تین سال کی توسیع منظور کی۔ بعد ازاں ان کی عمدہ کارگزاری کے پیش نظر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۵ صفر ۱۳۳۸ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے ذریعے ان کی مدت ملازمت میں مزید دو سال کی توسیع دی۔

محکمہ آثار قدیمہ کے ناظم کی حیثیت سے سات سال کی مدت مکمل ہونے پر غلام یزدانی کی ملازمت کو مستقل کردینے کے لیے ایک عرضداشت آصف سابع کی خدمت میں بھیجی گئی جس میں متعلقہ معتمد کی یہ رائے درج کی گئی کہ موجودہ خدمت (ناظم آثار قدیمہ) کے واسطے موزوں ہونے کے لیے غلام یزدانی کی صلاحیتوں کا مجموعہ نادر الوجود ہے۔ مثلاً وہ اعلیٰ درجے کے محقق ہیں، علم آلا ثار کے کامل ماہر ہیں، لائق مصنف ہیں اور ان میں انتظامی قابلیت نہایت عمدہ ہے۔ اگر غلام یزدانی یہاں سے چلے جائیں تو ایک ایسا ناظم کا جو عہد اسلامی اور عہد قدیم کے علم آلا ثار میں یکساں طور پر ماہر ہو ملنا دشوار ہوگا۔ باب حکومت (کابینہ) نے سفارش کی کہ غلام یزدانی کو ان کی مسلمہ قابلیت، موزونیت اور محکمہ آثار قدیمہ کی ضرورت کے لحاظ سے ریاست حیدرآباد میں مستقل طور پر منتقل کرلینا مناسب ہے۔ اس عرضداشت کی سفارشات کی بنیاد پر آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۲۹ شعبان ۱۳۳۹ھ م ۸ مئی ۱۹۲۱ء مولوی غلام یزدانی کو ناظم آثار قدیمہ کی خدمت پر مستقل کرنے کی منظوری دی۔

ابتدا میں غلام یزدانی کا تقرر ناظم محکمہ آثار قدیمہ کی خدمت پر چار سو روپے کلدار ماہانہ پر عمل میں آیا تھا لیکن بعد ازاں بذریعہ فرمان مورخہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ م ۱۵ فبروری ۱۹۱۶ء ان کی تنخواہ پانچ سو تا چھ سو روپے کلدار کے گریڈ میں بہ اضافہ پچاس روپے کلدار سالانہ معہ پچھتر روپے سکہ عثمانیہ ماہانہ برائے کرایہ مکان مقرر ہوئی۔ تقریباً ساڑھے تین سال بعد آصف سابع کے فرمان مورخہ ۵ صفر ۱۳۳۸ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے ذریعے انہیں پانچ سو تا آٹھ سو روپے کلدار با اضافہ پچاس روپے کلدار سالانہ کا گریڈ دیا گیا اور ان کی تنخواہ آٹھ سو روپے کلدار مقرر ہوئی، کرایہ مکان پچھتر روپے ماہانہ سے بڑھا کر ایک سو روپے سکہ عثمانیہ کر دیا گیا۔

آصف سابع کے جس فرمان کے ذریعے مولوی غلام یزدانی کی ملازمت کو مستقل کرنے کی منظوری دی گئی تھی (جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے) اسی فرمان میں یہ احکام بھی دیے گئے تھے کہ غلام یزدانی کی کامل مدت ملازمت بااغراض وظیفہ و رخصت محسوب کر کے سابقہ فرمان کے مطابق ان کو آٹھ سو روپے کلدار ماہانہ تنخواہ دی جاتی رہے یہاں تک کہ ان کو اس خدمت کی انتہائی تنخواہ بارہ سو روپے کلدار ماہانہ مل جائے۔ اس احکام کی تعمیل کی گئی۔ جب مولوی غلام یزدانی گریڈ کی انتہائی یافت بارہ سو روپے کلدار ماہانہ پا رہے تھے انہوں نے تنخواہ میں تین سو روپے کلدار کا اضافہ کرنے کے لیے درخواست پیش کی جس پر باب حکومت نے انہیں دو سو روپے کلدار ماہانہ پرسنل الاونس دینے کی سفارش کی جس پر آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ م ۱۲ ستمبر ۱۹۳۲ء مولوی غلام یزدانی کو دو سو روپے کلدار ماہانہ پرسنل الاونس دینے کی منظوری دی۔

مولوی غلام یزدانی نے حکومت کے نام ایک درخواست کے ذریعے اوائل اپریل ۱۹۲۲ء سے دو سال کے لیے بیرونی ممالک کے دورے پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ انہوں نے درخواست میں لکھا کہ وہ یہ مدت حرمین شریفین کی زیارت کے علاوہ انگلستان اور اسلامی ممالک اسپین، فلسطین اور مصر کی قدیم عمارتوں کے معائنے میں صرف کریں گے۔ انہوں نے واضح کیا کہ اس دورے کا اصل مقصد بیرونی ممالک میں قدیم آثار کی تحقیق و تفتیش، نگرانی، مرمت اور

تحفظ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اور ان ممالک کے ماہرین سے تبادلہ خیال کرنا ہے۔
ان کی درخواست پر متعلقہ معتمد نے رائے دی کہ مولوی غلام یزدانی کا یہ دورہ بے حد فائدہ مند رہے گا اور صدر اعظم نے اس دورے کی اجازت اور منظوری دینے کی سفارش کی۔ چنانچہ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۸ مارچ ۱۹۲۲ء کے ذریعے مولوی غلام یزدانی کو سالم تنخواہ اور کرایہ آمد و رفت کے ساتھ انگلستان اور اسلامی ممالک کا دو سال کے لیے دورہ کرنے کی منظوری دی۔

محکمہ آثار قدیمہ کے قیام کے تقریباً سترہ برس بعد مولوی غلام یزدانی نے حکومت کے نام ایک درخواست میں لکھا کہ بیدر، گلبرگہ اور گولکنڈہ کے آثار پر ایسی کتابیں مدون کرنے کی ضرورت ہے جن میں دکن کے اسلامی فن تعمیر کی ابتدا اور عروج کے بارے میں مستند مواد یکجا ہوجائے۔ اس کام کے لیے اگرچہ مواد جمع ہو چکا ہے لیکن ترتیب اور تدوین کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ اگر انہیں موجودہ فرائض سے جو دفتری خط و کتابت، آثار کے تحفظ، نگرانی اور موقتی رپورٹوں کی تدوین پر مشتمل ہیں سبکدوش کر دیا جائے تو وہ یہ کام کر سکتے ہیں۔ اس وقت محکمے میں ایسے قابل افراد موجود ہیں جو محکمے کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے پورا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ مجوزہ کتابوں کی تدوین کے علاوہ اجنتا کی تین جلدوں کی تدوین بھی ابھی باقی ہے۔ اگر انہیں پانچ سال کے لیے اسپیشل ڈیوٹی پر مقرر کیا جائے تو اجنتا کی بقیہ تین جلدوں کے علاوہ بیدر، گلبرگہ اور گولکنڈہ پر مستقل کتابیں مدون اور شائع ہو جائیں گی اور محکمے سے ایسا کام انجام پائے گا جسے شائقین فن ضرور پسند کریں گے۔ غلام یزدانی کی اس تحریک کو متعلقہ اعلیٰ عہدیداروں نے نہایت اہم اور ضروری اور باب حکومت نے لائق منظوری قرار دیا۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۷ صفر ۱۳۵۱ھ م ۲۲ جون ۱۹۳۲ء کے ذریعے اس تحریک کو منظوری دی۔

ڈائرکٹر جنرل محکمہ آثار قدیمہ حکومت ہند سر جان مارشل "کتاب آثار قدیمہ ہند" کی تالیف میں مولوی غلام یزدانی کو اپنا شریک کار بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں حکومت ہند کی جانب سے ایک تحریک حکومت ریاست حیدرآباد کو روانہ کی گئی۔ اس تحریک کے سلسلے میں ایک عرضداشت آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس پر آصف سابع نے فرمان مورخہ

۱۵ ذی قعدہ ۱۳۵۹ ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۴۰ ء کے ذریعے احکام دیے کہ نظامت آثار قدیمہ کی عام نگرانی مولوی غلام یزدانی کے سپرد کر کے دفتری کام ان کے دو مددگاروں کے تفویض کیا جائے۔ غلام یزدانی اپنی موجودہ تنخواہ اور الاونس کے ساتھ اپنی مدت ملازمت کے اختتام تک تدوین کا کام کرتے رہیں اور وظیفے پر علحدگی کے بعد اس تدوین کے کام کے صلے میں انہیں مستقہ وظیفے کے علاوہ پانچ سو روپے ماہانہ الاونس تین سال تک دیا جائے۔

آرکائیوز کے ریکارڈ سے حاصل کردہ مواد کی بنیاد پر متذکرہ بالا تفصیلات کے بعد مولوی غلام یزدانی کی چند اہم تصانیف، ملک کے اہم تحقیقی اداروں سے ان کی وابستگی اور انہیں دیے گئے اعزازات کا مختصر بیان بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ غارہائے اجنتا کی تصویروں کی مرمت اور تحفظ میں مولوی غلام یزدانی نے غیر معمولی دلچسپی لی اور بعد ازاں ان کی مرتب کردہ کتاب ''اجنتا'' کی تین جلدوں میں اشاعت عمل میں آئی۔ ہر جلد کا پہلا حصہ تصویروں اور دوسرا حصہ وضاحتی متن (انگریزی) پر مشتمل ہے۔ اس وضاحتی متن کی تیاری میں انہوں نے سخت محنت کی اور تحقیق کا حق ادا کیا۔ ان کے اس کام کو دنیا کے علمی حلقوں میں بے حد سراہا گیا اور اسے عظیم الشان علمی کارنامہ قرار دیا گیا۔ اس بارے میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ کی بنیاد پر قلم بند کیے گئے دو مضامین ''غارہائے اجنتا کی تصاویر کی درستی اور حفاظت'' اور ''اجنتا کی تصاویر پر کتاب کی اشاعت'' راقم الحروف کی کتابوں ''حاصل تحقیق اور ''گذشتہ حیدرآباد۔ آرکائیوز کے آئینے میں'' میں شامل ہیں۔

2. Mandu : The City of Joy

3. Bidar : Its History and Monuments

4. The Early History of the Deccan

مولوی غلام یزدانی کی مرتب کردہ The Early History of the Deccan دو جلدوں پر مشتمل ہے جن میں ملک کے ممتاز مورخین کے مضامین شامل ہیں اور Fine Arts of the Deccan کا باب خود مولوی غلام یزدانی کا تحریر کردہ ہے۔

۵۔ محکمہ جاتی رپورٹیں۔ مولوی غلام یزدانی کے دور نظامت میں شائع شدہ محکمے کی سالانہ رپورٹیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ کی پہلی رپورٹ ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی۔ ہر سالانہ رپورٹ، رپورٹ کی مدت کے دوران محکمے کی جانب سے کیے گئے کام کی تفصیلات فراہم کرتی ہے۔ ان رپورٹوں سے یادگار و قدیم عمارتوں کے سروے، مرمت و تحفظ، کتبات اور سکوں کے حصول، قدیم آثار کے بارے میں کی گئی تحقیق و تفتیش کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں نیز ان رپورٹوں میں محکمے کی لائبریری کے لیے حاصل کردہ کتابوں اور میوزیم کے لیے خریدے گئے نوادر کی فہرستیں بھی شامل ہیں۔

۶۔ حکومت ہند کے عربی اور فارسی کتبات کے اپی گرافسٹ (ماہر علم کتبات) کے طور پر مولوی غلام یزدانی نے Epigraphia Indo Moslemica کی چودہ جلدیں مرتب کیں جن میں خود ان کے تقریبا ساٹھ مضامین شامل ہیں۔ یہ مضامین ابتدائی دہلی سلاطین سے بیجاپور اور گولکنڈہ سلطنتوں کے حکمرانوں تک کا احاطہ کرتے ہیں۔

مولوی غلام یزدانی رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے فیلو، بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے اعزازی رکن اور اسلامک ریسرچ اسوسی ایشن بمبئی کے اعزازی فیلو تھے۔ انہیں ۱۹۳۶ء میں حسن خدمات کے صلے میں حکومت برطانوی ہند کی جانب سے آرڈر آف برٹش امپائر (O.B.E.) کا خطاب ملا جس کے بارے میں سروجنی نائیڈو نے اپنے مخصوص اور بے لاگ انداز میں کہا تھا کہ خطابات لوگوں کو اعزاز بخشنے کے لیے دیے جاتے ہیں لیکن آپ کے معاملے میں خطاب کو اعزاز بخشا گیا ہے۔ انہیں عثمانیہ یونیورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے علی الترتیب ۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۶ء میں ڈی۔ لٹ کی اعزازی ڈگری دی۔ ۱۹۵۹ء میں حکومت ہند نے ان کے شاندار کارناموں کے صلے میں پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا۔

مولوی غلام یزدانی ملازمت کے سلسلے میں ۱۹۱۴ء میں بیرون ریاست حیدرآباد سے یہاں آئے تھے لیکن انہوں نے حیدرآباد کو اپنا وطن ثانی بنالیا اور یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ ناظم آثار قدیمہ کے عہدے سے ۱۹۴۳ء میں سبکدوش ہونے کے بعد بھی ان کی علمی، ادبی اور

تحقیقی سرگرمیاں جاری رہیں ۔ ان کا ۱۳ نومبر ۱۹۶۲ ء کو حیدرآباد میں انتقال ہوا اور وہ یہیں آسودہ خاک ہیں ۔ ان کے انتقال پر پروفیسر ہمایون کبیر مرکزی وزیر سائنٹفک ریسرچ اور ثقافتی امور نے اس خیال کا اظہار کیا کہ غلام یزدانی تاریخ ہند اور آثار قدیمہ کے بے حد ممتاز ناموں سے ایک ہے اور ان کا یادگار کارنامہ اجنتا ہمیشہ احسان مندی کے جذبے کے ساتھ یاد رکھا جائے گا ۔

مولوی غلام یزدانی کے کارنامے بے شمار ہیں لیکن شہرہ آفاق غار ہائے اجنتا اور ایلورہ ، ہنمکنڈہ ، اناگی وغیرہ کے عالی شان مندروں ، بہمنی و بیجاپور سلاطین کے گنبدوں اور مختلف قلعہ جات کی مرمت وتحفظ ، بیدر کے تاریخی آثار کا احیا ، کونڈا پور میں آندھرا شہر کی کھدوائی ، ضلع رائچور میں اشوک کے دور کے کتبات اور ماقبل تاریخ دور کے قبرستانوں کی دریافت ، ریاست حیدرآباد میں تلنگی کتبوں کا جامع سروے اور مطالعہ اور ان کی کتابیں Ajanta اور Bidar : Its History and Monuments ان کے ایسے کارنامے ہیں جن کی وجہ سے وہ ریاست حیدرآباد کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے ۔ ☆

ماخذ

1) Instalment No. 79, List No. 3, S.No.1006

تقرر وانتخاب غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ

2) Instalment No. 83, List No. 7, S.No. 116

پنج سالہ تعیناتی مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ بر اسپیشل ڈیوٹی برائے تدوین کتب آثار قدیمہ

3) Instalment No. 80, List No. 2, S.No. 224

منظوری سیاحت مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ

4) Instalment No. 79, List No. 1, S.No. 900

5) Instalment No. 78, List No. 5, S.No. 236

اجنتا کے عجائب روزگار تصاویر کی حفاظت اور درستی کے متعلق

اس مضمون کی تیاری میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ کے علاوہ حسب ذیل کتاب میں دستیاب مواد سے بھی استفادہ کیا گیا۔

Dr. Ghulam Yazdani Commemoration Volume, Hyderabad,1966

فرمان

ملاحظہ :- عرضداشت صیغہ تعلیمات مرقومہ ۸- جمادی الاول ۱۳۵۱ھ
جو ناظم آثار قدیمہ مسٹر غلام یزدانی کی ماہوار مین اضافہ کرنے کی نسبت ہے۔

حکم :- کونسل کی رائے کے مطابق غلام یزدانی کے نام کلدار دو سو روپیہ
(۲۰۰) ماہانہ کا پرسنل الاونس جاری کیا جائے۔ (دستخط مبارک)

۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

نقل مطابق اصل

فرمان

ملاحظہ:- عرضداشت صیغۂ عدالت و امور عامہ مورخہ ۱۹- شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ جو جدید کتاب آثار قدیمۂ ھند کی تالیف میں سرجان مارشل کے شریک کار رکھنے کے لئے غلام یزدانی کو وظیفہ پر علیحدگی کے بعد الونس ایصال کرنے اور بقیہ ملازمت میں دفتری کام اون کے مددگاروں کے تفویض کرنے وغیرہ کی نسبت ہے۔

حکم ۱- کونسل کی رائے کے مطابق غلام یزدانی کے سپرد نظامت آثار قدیمہ کی عام نگرانی کرکے دفتری کام کو اون کے دونوں مددگاروں کے تفویض کیا جائے جن کو سردست چھ چھ سو ماہوار ایصال ہوگی۔

فقرہ ۲- غلام یزدانی اپنی موجودہ ماہوار اور الونس کے ساتھ اپنی مدت ملازمت کے اختتام تک تدوین کا کام کرتے رہیں اور وظیفہ پر علیحدگی کے بعد اون کو تدوین کے صلہ میں علاوہ مستحقہ وظیفہ کے پانچ سو روپیہ ماہانہ الونس تین سال تک ایصال کیا جائے۔

۱۵- ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۹ھ

حمید الدین فراہی

ریاست حیدر آباد کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع کے عہد میں مولانا حمید الدین فراہی کی خدمات حیدر آباد کی مشہور درس گاہ دارالعلوم کے لیے بیرون ریاست سے حاصل کی گئی تھیں جہاں وہ ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۹ء تک پرنسپل کے عہدے پر فائز رہے۔ ریاست حیدر آباد تادیر ان کی خدمت سے استفادہ نہ کر سکی کیونکہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر وہ استعفیٰ دے کر اعظم گڑھ واپس ہو گئے۔ مولانا فراہی کی شخصیت اور علمی کارناموں کے سرسری مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت ریاست حیدر آباد نے کیسی قابل، نادر اور انوکھی شخصیت کی خدمات حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ مولانا فراہی علوم قرآنی میں بلند پایہ تحقیقی کاوشوں کے سبب عالم اسلام میں منفرد اور ممتاز مفسر قرآن مانے جاتے ہیں۔ ملک کے سرکردہ علما نے ان کی علمیت، وسعت نظر، تحقیق و تدقیق، اعلیٰ صلاحیتوں اور کارناموں کو دل کھول کر سراہا ہے۔ قرآن مجید کی عربی تفسیر "تفسیر نظم القرآن" تحقیق کا ایک نادر نمونہ اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ مولانا کا عقیدہ تھا کہ پورا قرآن ایک مرتب و منظم کلام ہے اور ساری آیات ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔

مولانا فراہی علامہ شبلی کے ماموں زاد بھائی تھے۔ وہ علامہ شبلی سے چھ سال چھوٹے اور ان

کے شاگرد تھے۔ مولانا فراہی کی ذہانت اور خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے مولانا شبلی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ علامہ شبلی جیسے متبحر عالم کے پاس مولانا فراہی کی جو قدر و منزلت تھی اس سے مولانا فراہی کے علمی مرتبے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سلیمان ندوی ''حیات شبلی'' میں لکھتے ہیں کہ علامہ شبلی، مولانا فراہی کو'' ہر بات میں اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، کابل سے ترجمہ ابن خلدون کی تحریک ہوئی تو ان ہی کا نام پیش کیا، علی گڑھ کی عربی پروفیسری کے لیے نواب محسن الملک نے لکھا تو ان ہی کے لیے کوشش کی اور وہ اسی کوشش سے وہاں کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ دارالعلوم حیدر آباد کی پرنسپلی کے لیے مولانا شبلی کا انتخاب ہوا تو انہوں نے یہ جگہ بھی مولانا فراہی کو دلا دی۔ علامہ شبلی ان کی فارسی سخن سنجی، نکتہ آفرینی اور آخر میں ان کی قرآن فہمی کے بے حد معترف تھے، مسائل کی تحقیق میں ان سے مشورے کرتے تھے، ان کے فارسی کلام کی نسبت کہتے تھے کہ یہ زبان ہے، ان کی مذہبی و علمی و عملی شیفتگی اور پابندی کی بنا پر ان کو درویش کہتے تھے اور تھے بھی وہ ایسے ہی'' (حیات شبلی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۳ء۔ ص ۷۸۱)

عربی و فارسی اور دینی علوم کی تحصیل کے بعد مولانا فراہی نے انگریزی تعلیم کے لیے علی گڑھ کالج میں داخلہ لیا۔ اس وقت انہیں اپنی کم عمری میں عربی و فارسی میں جو مہارت حاصل تھی اس کا اندازہ ان واقعات سے کیا جا سکتا ہے جنہیں محمد عنایت اللہ نے اپنی کتاب '' علامہ حمید الدین فراہی'' میں بیان کیا ہے۔ ایک واقعہ یہ ہے کہ سرسید نے مولانا فراہی کے لیے انگریز پرنسپل کو سفارشی خط لکھا جس میں انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ میں آپ کے پاس ایک ایسا لڑکا بھیج رہا ہوں جو عربی و فارسی میں اتنا حاوی ہے کہ یہاں کے طلبہ تو کیا پروفیسروں میں بھی کوئی اس کی ٹکر کا نہیں۔ اس زمانے میں کالج کے پروفیسروں میں شبلی نعمانی جیسے زبان کے ماہر اور جید عالم شامل تھے۔ انگریز پرنسپل کو سرسید کی یہ بات ناگوار گزری اور اس نے شبلی کو خط دکھاتے ہوئے کہا کہ سرسید نے ایک طالب علم کے بارے میں یہ بات لکھ دی ہے کہ یہاں کے عربی و فارسی کے پروفیسر ایک کم عمر طالب علم کے برابر بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کیا یہ آپ جیسے اساطین علم کی توہین نہیں۔ شبلی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ بلاشبہ آپ لوگوں کے لیے یہ بات توہین کی

ہوسکتی ہے لیکن میرے لیے تو یہ باعث فخر ہے، سر سید کے یہ ممدوح عربی و فارسی دونوں زبانوں میں میرے شاگرد ہیں۔ مولوی عنایت اللہ مزید لکھتے ہیں کہ سر سید نے مولانا فراہی کی طالب علمی کے زمانے میں طبقات ابن سعد سے سیرت نبوی کا کچھ حصہ فارسی میں ترجمہ کرایا۔ ترجمہ اس قدر عمدہ تھا کہ سر سید نے اسے بہت پسند کیا اور کالج کے نصاب میں شامل کر دیا۔ ان ہی دنوں سر سید امام غزالی کا کوئی قلمی رسالہ شائع کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ زیر ترتیب نسخہ نہایت کرم خوردہ تھا۔ سر سید روزانہ کچھ دیر مولانا شبلی اور مولانا حالی کو ساتھ لے کر بیٹھتے مختلف نسخوں سے اس کا تقابل کرتے اور کرم خوردہ الفاظ اور عبارتوں کا تعین کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ چونکہ یہ کام مشکل تھا اس لیے کام کی رفتار بہت سست تھی۔ ایک روز مولانا شبلی نے سر سید سے کہا ''یہ کام حمید کو دے دیجئے وہ کر دیں گے''۔ سر سید کو سخت حیرت ہوئی کہ جو کام وہ مولانا شبلی اور مولانا حالی کی مدد سے نہیں کر پا رہے ہیں وہ ایک طالب علم کس طرح کر پائے گا۔ چونکہ مولانا شبلی نے مشورہ دیا تھا اس لیے سر سید نے وہ نسخہ مولانا فراہی کے حوالے کر دیا جنھوں نے اس کا مطالعہ کر کے مختلف مقامات پر مناسب عبارتیں لکھ دیں۔ جب انہوں نے یہ نسخہ سر سید کو واپس کیا تو سر سید نے اس نسخے کا نئے دستیاب شدہ نسخوں سے تقابل کر کے دیکھا۔ سر سید سخت حیران ہوئے کہ مولانا فراہی کے لکھے گئے الفاظ یا عبارتیں یا تو دوسرے نسخوں کے مطابق ہیں یا ان سے قریب ہیں۔ سر سید مولانا فراہی کی علمی لیاقت سے بہت متاثر ہوئے اور پوچھا کہ کن باتوں نے الفاظ اور عبارتوں کے تعین میں ان کی مدد کی۔ مولانا نے جواب دیا'' امام غزالی کا اسلوب بیان اور سیاق کلام''

مولانا فراہی نے ۱۸۹۲ کے آس پاس الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ وہ ۱۸۹۸ میں کراچی کی مشہور درس گاہ مدرسۃ اسلام میں عربی کے مدرس مقرر ہوئے جہاں انہوں نے تقریباً آٹھ برس تک کام کیا۔ وہ عربی کے مددگار پروفیسر کی حیثیت سے ۱۹۰۶ میں علی گڑھ کالج میں رجوع ہوئے۔ وہ علی گڑھ میں صرف دو برس رہے۔ بعد ازاں ۱۹۰۸ میں ان کا تقرر الہ آباد کے میور سنٹرل کالج میں عربی کے پروفیسر کے طور پر ہوا۔ ان کالجوں میں ملازمت کے

دوران اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کے بعد وہ اپنا بقیہ وقت تحقیق، تالیف اور تصنیف میں صرف کرتے تھے۔ میور کالج الہ آباد سے ۱۹۱۴ میں ان کی خدمات حکومت ریاست حیدرآباد کی تفویض کی گئیں۔ ان کا حیدرآباد میں دارالعلوم کی پرنسپل کی حیثیت سے ابتدا میں تین سال کے لیے تقرر ہوا۔ اس مدت کے ختم ہونے پر انہیں تین سال کی توسیع دی گئی لیکن وہ اس مدت کے ختم ہونے سے قبل ہی ملازمت سے مستعفی ہوگئے۔

مولانا فراہی کو حیدرآباد طلب کرنے، ان کے تقرر، توسیع ملازمت اور استعفیٰ کی منظوری کے سلسلے میں جو سرکاری کارروائی ہوئی تھی اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ یہ خلاصہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے حاصل کردہ مواد پر مبنی ہے۔

حکومت ریاست حیدرآباد نے رزیڈنٹ کے نام مراسلہ نمبر ۸۰۹ مورخہ ۷ اپریل ۱۹۱۴ میں یہ تجویز روانہ کی کہ مولوی حمید الدین کی خدمات جو میور سنٹرل کالج، الہ آباد میں عربی کے پروفیسر ہیں دارالعلوم کے پرنسپل کی حیثیت سے ۵۰۰ تا ۱۰۰۰ روپے کے گریڈ میں تین سال کے لیے مستعار دی جائیں۔ اس تجویز کو منظور کر لیے جانے کے بعد حکومت اتر پردیش کے اطلاع نامہ مورخہ ۶ جون ۱۹۱۴ کے ذریعے اطلاع دی گئی کہ مولوی حمید الدین کی خدمات تین سال کے لیے پرنسپل دارالعلوم کی حیثیت سے حکومت ریاست حیدرآباد کے تفویض کی گئی ہیں۔ حمید الدین فراہی کے تقرر کی کارروائی تکمیل پانے کے بعد وہ ۲۰ جون ۱۹۱۴ء کو پرنسپل کے عہدے پر رجوع ہوئے۔

جب مولوی حمید الدین کی تین سالہ مدت قریب الختم تھی ان کی مدت ملازمت میں توسیع کے لیے وزیر فینانس کی جانب سے ایک عرضداشت مورخہ ۲۹ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ م ۲۴ مارچ ۱۹۱۷ آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں لکھا گیا کہ مولوی حمید الدین کی مدت ملازمت ماہ امرداد ۱۳۲۶ ف کو ختم ہونے والی ہے۔ ناظم تعلیمات نے دارالعلوم کے لیے ابھی ان کی سخت ضرورت ظاہر کی ہے جس پر معتمد اور وزیر تعلیمات نے ان کی ملازمت میں توسیع کی تحریک پیش کی ہے۔ وزیر فینانس نے اس تحریک سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ حمید الدین کو

مزید تین سال تک بدستور مامور رہنے کی منظوری دی جائے۔ اس عرضداشت پر آصف سابع نے حکم مورخہ ۴ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ م ۲۸ مارچ ۱۹۱۷ کے ذریعے مولوی حمید الدین کی مدت ملازمت میں تین سال کی توسیع منظور کی۔ مولوی حمید الدین سہ سالہ توسیع شدہ مدت کے مکمل ہونے تک اپنے عہدے پر فائز نہیں رہے۔ انہوں نے ڈھائی سال کی تکمیل سے قبل ہی اس بنیاد پر استعفیٰ پیش کر دیا کہ حیدر آباد کی آب و ہوا ان کے لیے ناموافق ہے اور انہیں چند اہم اور ضروری علمی کام انجام دینے ہیں۔ جب ان کے استعفیٰ کی منظوری کے لیے عرضداشت آصف سابع کے پاس پیش ہوئی تو انہوں نے حکم مورخہ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ م ۷ اگست ۱۹۱۹ کے ذریعے مولوی حمید الدین کے استعفیٰ کو منظور کر کے لکھا کہ ان کی جگہ دار العلوم کی پرنسپلی کے لیے دو چار نام صدر الصدور سے مشورے کے بعد منظوری کے لیے پیش کیے جائیں۔ فرمان کی تعمیل میں مولوی حمید الدین کے استعفیٰ کی منظوری کے احکام صادر کر دیے گئے۔ چونکہ فرمان میں دارالعلوم کے پرنسپل کے عہدے کے لے دو چار نام پیش کر کے منظوری حاصل کرنے کے لیے کہا گیا تھا اسی لیے عرضداشت مورخہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ م ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء کے ذریعے آصف سابع کی خدمت میں اطلاع دی گئی کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ فنون میں دارالعلوم کالج کے اکثر اساتذہ منتقل ہو چکے ہیں اور شعبہ دینیات میں (جس کی اسکیم بغرض منظوری دفتر فینانس بھیجی گئی ہے) دوسرے اساتذہ بھی منتقل ہو جائیں گے اور یہ دونوں شعبے عثمانیہ یونیورسٹی کے پرنسپل کی نگرانی میں رہیں گے اس لیے دارالعلوم کالج میں پرنسپل کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، ان حالات کے پیش نظر دار العلوم کے پرنسپل کے عہدے کو معمور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حیدر آباد کی ملازمت سے مستعفی ہونے پر مولانا کی ملازمت کا سلسلہ ختم ہو گیا کیونکہ وہ میور سنٹرل کالج الہ آباد میں دوبارہ رجوع خدمت نہیں ہوئے بلکہ اعظم گڑھ چلے گئے۔ اس کے بعد تا دم مرگ (تاریخ وفات ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء) ان کی ساری توجہ مدرسہ اصلاح العلوم اور دار المصنفین کی جانب مرکوز رہی۔

مولانا فراہی کے اس دار فانی سے رخصت ہونے پر مولانا سلیمان ندوی نے اپنے مضمون

''آہ! مولانا حمید الدین'' مشمولہ یادِ رفتگاں میں انہیں موثر اور عقیدت مندانہ انداز میں خراج پیش کیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

''......اس عہد کا ابن تیمیہ ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ کو اس دنیا سے رخصت ہوگیا، وہ جس کے فضل و کمال کی مثال آئندہ بظاہر حال عالم اسلامی میں پیدا ہونے کی توقع نہیں، جس کی مشرقی و مغربی جامعیت عہد حاضر کا معجزہ تھی، عربی کا فاضل یگانہ، انگریزی کا گریجویٹ، زہد و ورع کی تصویر، فضل و کمال کا مجسمہ، فارسی کا بلبل شیراز، عربی کا سوق عکاظ، ایک شخصیت مفرد لیکن جہان دانش! ایک دنیائے معرفت، ایک کائنات علم، ایک گوشہ نشین مجمع کمال، ایک بے نوا سلطان ہنر علوم ادبیہ کا یگانہ، علوم عربی کا خزانہ، علوم عقلیہ کا ناقد، علوم دینیہ کا ماہر، علوم القرآن کا واقف اسرار، قرآن پاک کا دانائے رموز اور دنیا کی دولت سے بے نیاز، اہل دنیا سے مستغنی، انسانوں کے رد و قبول اور عالم کی داد و تحسین سے بے پرواہ، گوشہ علم کا معتکف اور اپنی دنیا کا آپ بادشاہ، وہ ہستی جو تیس برس کامل قرآن پاک اور صرف قرآن پاک کے فہم و تدبر اور درس و تعلیم میں محو، ہر شئے سے بیگانہ اور ہر شغل سے ناآشنا تھی، افسوس کہ ان کا علم، ان کے سینہ سے سفینہ میں بہت کم منتقل ہوسکا''۔

مولانا فراہی کے قریبی رفیقوں اور نیاز مندوں نے حیدر آباد کے قیام کے دوران مولانا کی علمی مصروفیات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بڑی بیش قیمت معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ساتھ ساتھ ان کی شخصیت کے چند نمایاں پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی مضمون ''مولانا فراہی'' میں جو ان کی کتاب معاصرین میں شامل ہے لکھتے ہیں'' ۱۹۱۷ء میں حیدر آباد میں مہینوں ان کا ساتھ رہا، ہر مسئلے میں عجب عجب نکتہ آفرینیاں کرتے، عثمانیہ یونیورسٹی کی بنیادیں پڑ رہی تھیں، مجلس وضع مصطلحات میں شریک رہتے اور بحث و مباحثے میں اچھا خاصا حصہ لیتے''۔

مولانا سلیمان ندوی نے اپنے مضمون'' آہ! مولانا حمید الدین'' میں جس کا اوپر حوالہ آچکا ہے قیام حیدر آباد کے دوران مولانا فراہی کی مصروفیات کے بارے میں حسب ذیل اہم

معلومات فراہم کی ہیں۔

نواب عماد الملک نے مولانا شبلی کی فرمائش پر قرآن پاک کے انگریزی ترجمے کا جو کام شروع کیا تھا وہ نصف کے قریب انجام پا چکا تھا مگر اس میں نقائص تھے۔ عماد الملک نے مولانا حمید الدین کی حیدر آباد میں موجودگی سے فائدہ اٹھایا۔ مدت تک مولانا روزانہ صبح کو عماد الملک کے یہاں جاتے اور عماد الملک ضعف و پیری کے باوجود مولانا کے ساتھ انگریزی ترجمے پر مل کر غور کرتے اور مناسب مشورہ ملنے پر اصلاح و ترمیم کرتے۔ اس طرح ان کے ترجمے کے کئی پاروں پر نظر ثانی ہوئی۔ مولانا نے حیدر آباد کے قیام کے دوران خرد نامہ یعنی مواعظ سلیمانی کی تکمیل کر کے چھپوائی، پھر اسباق النحو کے نام سے عربی صرف و نحو کے سہل انداز میں نئے اصول پر اردو میں دو رسالے مرتب کیے جنہیں انجمن ترقی اردو نے شائع کیا۔ اپنے استاد ادب مولانا فیض الحسن کا عربی دیوان تصحیح کر کے چھپوایا۔ الرائی الصحیح تصنیف کی اور تفسیر کے بعض مقدمات لکھے، اسی کے ساتھ درس قرآن کا ایک حلقہ قائم کیا، مغرب کے بعد یہ مجلس جمع ہوتی تھی مولانا تقریر فرماتے تھے، لوگ شکوک پیش کرتے تھے وہ جواب دیتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد مجلس ختم ہو جاتی تھی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی جو اس وقت جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر تھے وہ اس مجلس کے خاص لوگوں میں تھے، ایک دو دفعہ انہیں (مولانا سلیمان ندوی) بھی شرکت کا اتفاق ہوا۔ کبھی کبھی مولوی وحید الدین سلیم بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔ مولانا فراہی فطرتاً تنہائی پسند، گوشہ نشین اور بڑے لوگوں سے ملنے جلنے سے عمداً بہت بچتے تھے۔ اس لیے حیدر آباد جا کر بھی جو ایک عالم کا مرکز اور خوش قسمتیوں کا عجائب خانہ ہے، ان کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا، سوائے اپنے حلقے کے خاص لوگوں کے جن سے ان کو اتحاد ذوق تھا اور کہیں آتے جاتے نہیں تھے۔ مولانا فراہی نے حیدر آباد میں عصری علوم و فنون کی اردو زبان میں تعلیم کی تجویز پیش کی اور اس کا خاکہ تیار کیا۔ ان کی تجویز تھی کہ دینیات کی تعلیم عربی میں ہو اور باقی تمام علوم یہاں تک کہ اصول فقہ بھی اردو میں پڑھائے جائیں۔ سید راس مسعود اور اکبر حیدر آبادی نے ان کی یہ تجویز کہ علوم کی تدریسی زبان اردو ہو قبول کی مگر یہ تجویز کہ تمام طلبہ کو دینیات کی عربی تعلیم دی جائے قبول نہیں

کی اور یہی درحقیقت حیدرآباد سے ان کی دل برداشتگی کا سبب ہوا۔ مولانا سلیمان ندوی مزید لکھتے ہیں کہ گو ظاہری سبب یہ بھی تھا کہ حیدرآباد کی آب و ہوا انہیں راس نہیں آئی۔ ان کے درد سر کی عارضی بیماری نے دائمی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس درد کے دورے سے وہ بے چین ہو جاتے تھے اور پھر کسی کام کے قابل نہیں رہتے تھے۔

مولانا شبلی نے ۱۹۰۸ میں حیدرآباد کی درس گاہ دارالعلوم کے لیے ایک اسکیم مرتب کی تھی جو انہوں نے اسی زمانے میں الندوہ میں شائع کر دی تھی۔ اس اسکیم پر مدتوں بحث و مباحث کا سلسلہ جاری رہا۔ دارالعلوم کو اسی اسکیم کے تحت چلانے کے لیے مولانا فراہی حیدرآباد بلائے گئے تھے۔ مولانا فراہی نے حیدرآباد آنے پر دارالعلوم کی اصلاح و ترقی اور نئے نصاب کے سلسلے میں مفصل اسکیمیں تیار کی تھیں۔ ان اسکیموں کے بارے میں دو مختلف نقاط نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ مولانا فراہی کی اسکیموں سے عثمانیہ یونیورسٹی کی تشکیل میں مکمل یا جزوی استفادہ کیا گیا تھا اور دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ اسکیمیں عثمانیہ یونیورسٹی کے تخیل سے میل نہیں کھاتی تھیں۔ اس لیے ان سے استفادہ نہیں کیا گیا۔ درحقیقت یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے۔ میں اس موضوع پر آرکائیوز کے ریکارڈ اور دیگر مستند ماخذات کی تلاش میں ہوں۔ مستند ماخذات سے ضروری مواد دستیاب ہونے پر ہی اس بارے میں ایک مدلل تحقیقی مضمون قلم بند کیا جا سکتا ہے۔

ماخذ

1) Instalment No. 80, List No. 4, S.No.612

۱۔ مقدمہ: منظوری توسیع مدت ملازمت پروفیسر حمید الدین مدرسہ دارالعلوم

2) Instalment No. 80, List No. 4, S.No.610

۲۔ مقدمہ: درباره منظوری استعفیٰ مولوی حمید الدین صاحب پرنسپل دارالعلوم

سرراس مسعود

سرسید احمد خان کے نام کے ساتھ ہی جو بڑے نام ذہن کے پردے پر ابھرتے ہیں ان میں سرراس مسعود کا نام بھی شامل ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ ایک روشن نام ہے۔ سرراس مسعود کی اہمیت اس لیے نہیں ہے کہ وہ سرسید احمد خان کے پوتے تھے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک بلند پایہ ماہر تعلیم اور علم وحکمت کا سرچشمہ تھے۔ اس سرچشمے سے ریاست حیدرآباد بھی سیراب وفیض یاب ہوئی ہے۔ سرراس مسعود نے ریاست حیدرآباد میں جو تعلیم کے شعبے میں پیچھے اور پسماندہ تھی اور جہاں خواندگی کا فیصد بہت کم تھا علم کی روشنی پھیلانے اور تعلیم کو ترقی دینے کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ ریاست حیدرآباد کی تعلیمی ترقی میں حصہ لینے والوں اور اس سلسلے میں حکومت وقت اور علم دوست حکمران کی مرضی اور عزائم کے متعلق اس دور کی تعلیمی پالیسی اور پروگرام کو کامیاب بنانے والوں میں سرراس مسعود کا نام ہمیشہ بلند رہے گا۔ راس مسعود نہ صرف ایک بلند پایہ ماہر تعلیم تھے بلکہ وہ ایک ہمہ پہلو شخصیت تھے اور صحیح معنی میں باعمل عالم اور دانشور تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی انتظامی صلاحیتیں بھی غیر معمولی تھیں۔

سید راس مسعود سرسید احمد خان کے پوتے اور جسٹس سید محمود کے اکلوتے فرزند تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت دادا اور باپ کی خاص نگرانی میں ہوئی۔ وہ کم عمری ہی میں دادا اور باپ

کی محبت، شفقت اور نگرانی سے محروم ہو گئے۔ راس مسعود ۱۹۰۵ء میں دسویں جماعت کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد سرکاری وظیفے پر برطانیہ گئے جہاں سے بی۔اے (آنرز) اور بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس ہوئے۔ ابتدا میں پٹنہ میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا لیکن انہیں جب یہ اندازہ ہوا کہ یہ پیشہ ان کے لیے ناموزوں ہے تو انہوں نے حکومت بہار و اڑیسہ کی انڈین ایجوکیشن سروس سے وابستگی اختیار کر لی۔ حکومت ریاست حیدرآباد نے سید راس مسعود کی اعلیٰ قابلیت اور صلاحیتوں کا اندازہ کرتے ہوئے ان کی خدمات حکومت بہار و اڑیسہ سے مستعار لیں اور محکمہ تعلیمات کے ناظم کے عہدے پر مامور کیا۔ اس حیثیت سے انہوں نے بارہ سال تک ریاست حیدرآباد میں جو خدمات انجام دیں اسے بہت سراہا گیا۔ ریاست حیدرآباد کے حکمران نواب میر عثمان علی خان آصف سابع نے راس مسعود کو ان کی حسن خدمت کے اعتراف میں مسعود جنگ کا خطاب عطا کیا۔ حکومت ہند کی جانب سے انہیں سر کا خطاب ملا۔ حکومت ریاست حیدرآباد نے مادری زبان کے ذریعے تعلیم کے مسئلے کا جائزہ لینے کی غرض سے راس مسعود کو ۱۹۲۲ء کے دوران چند ماہ کے لیے جاپان روانہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنے دورہ جاپان سے واپسی پر جاپان کے نظام تعلیم پر انگریزی میں ایک رپورٹ تیار کی تھی جس کا اردو ترجمہ ''جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق'' انجمن ترقی اردو (ہند) کی جانب سے شائع کیا گیا۔

سید راس مسعود ریاست حیدرآباد میں ۱۲ سال سے زیادہ مدت تک ناظم تعلیمات کے عہدے پر کارگزار رہنے کے بعد علالت کے باعث مستعفی ہوئے اور علاج و آرام کے لیے جرمنی چلے گئے۔ انہیں آصف سابع نے دوبارہ ملازمت کے لیے حیدرآباد طلب کیا تھا مگر علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے عہدے کی پیشکشی کی وجہ سے وہ حیدرآباد نہیں آسکے۔ وہ پانچ سال تک علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔ بعد ازاں انہیں ریاست بھوپال کا وزیر تعلیم و امور عامہ مقرر کیا گیا جہاں وہ طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ اس صدی کے اہم اور ممتاز ناول نگار فورسٹر نے اپنی کتاب A Passage to India راس مسعود کے نام معنون کی تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بیرون ملک دانشوروں اور ادیبوں سے ان کے کتنے

گہرے مراسم تھے۔

راس مسعود کو اپنی مادری زبان اردو سے بڑا گہرا لگاؤ اور پیار تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ اپنے ملک سے باہر گزارا تھا لیکن اس کے باوجود مادی زبان اردو سے ان کی الفت و محبت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ تعلیم کے بارے میں ان کا ایقان تھا کہ مادری زبان میں دی جانے والی تعلیم کسی بھی دوسری زبان میں دی جانے والی تعلیم سے بہتر، مفید اور پختہ ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی اسباب کی بنا پر انہیں ریاست حیدرآباد میں محکمہ تعلیم کے ناظم کے عہدے پر مقرر کیا گیا تھا کیونکہ اس وقت ریاست حیدرآباد میں اردو ذریعہ تعلیم کی یونیورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ زیر غور تھا۔ راس مسعود کے حیدرآباد آنے کے صرف آٹھ ماہ بعد عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں آصف سابع کا فرمان صادر ہوا۔ راس مسعود کو عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے پہلے پرنسپل کی زائد ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی۔

اس مضمون میں سید راس مسعود کے بارے میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈز سے اخذ کردہ مواد پیش کیا جا رہا ہے جس سے حیدرآباد میں ان کی ملازمت کے بارے میں تفصیلات سے واقف ہونے کا موقع ملے گا اور ان کی کارکردگی اور خدمات کے تعلق سے حکومت اور مہاراجا سرکشن پرشاد کی رائے اور تاثرات سے بھی آگاہی ہوگی۔ راس مسعود کے بارے میں یہ مستند مواد پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے۔

ڈاکٹر الماللطیفی کی خدمات حکومت ہند کو واپس کر دینے کے بعد ریاست حیدرآباد کے محکمہ تعلیمات کے ناظم کی خدمت کے لیے کئی ناموں پر غور کیا گیا۔ بالآخر قرعہ فال راس مسعود کے حق میں نکلا۔ وہ اس وقت پٹنہ کالجیٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ آصف سابع کے فرمان مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۱۶ء کے ذریعے راس مسعود کی خدمات ابتداً تین سال کے لیے ریاست بہار و اڑیسہ سے مستعار لی گئیں۔ راس مسعود ۲ اگست ۱۹۱۶ کو ناظم تعلیمات کی خدمت پر رجوع ہوئے۔ ابتدا میں ان کا تقرر ۱۱۰۰ تا ۱۴۰۰ روپے کلدار (سکہ ہند)، ۵۰ روپے کلدار اضافہ تدریجی کے ساتھ منظور ہوا لیکن چند روز بعد ہی بذریعہ فرمان مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۱۶ء جائزہ لینے کی تاریخ سے ابتدائی

تنخواہ میں ڈیڑھ سو روپے کا اضافہ کیا گیا اور انہیں سرکاری مکان کی سہولت بھی مفت فراہم کی گئی۔ اس کے علاوہ ایک سو روپے ماہانہ موٹر الاونس مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں حکومت بہار و اڑیسہ سے مشورے کے بعد ان کی تنخواہ میں جو ۱۴۰۰ روپے کلدار تھی ۲ اگست ۱۹۱۹ سے ۲۰ فیصد اضافہ منظور ہوا۔ اس طرح تاریخ مذکور سے انہیں ۱۶۸۰ روپے کلدار تنخواہ ایصال ہونے لگی۔ راس مسعود کی مدت ملازمت کے ۶ سال مکمل ہونے پر حکومت بہار و اڑیسہ نے تحریک روانہ کی کہ انہیں حکومت ریاست حیدرآباد کی ملازمت سے مستقل طور پر وابستہ کر لیا جائے۔ اس تحریک کے بھیجے جانے کی وجہ یہ تھی کہ راس مسعود کی ملازمت چونکہ حکومت بہار و اڑیسہ سے منقطع نہیں ہوئی تھی اس لیے ان کی جگہ منصرمانہ خدمات کے انتظام میں دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ اس تحریک پر معتمدی تعلیمات نے رائے دی کہ راس مسعود کے دور نظامت میں محکمہ تعلیمات کے ہر شعبے میں ترقی ہوئی ہے۔ مدارس ابتدائی سے لے کر مدارس ثانوی تک مختلف قسم کی اصلاحات عمل میں آئی ہیں اور راس مسعود کو مقامی حالات کا وسیع تجربہ ہو چکا ہے علاوہ ازیں آصف سابع نے ان کو جاپان بھیج کر وہاں کے تعلیمی حالات دیکھنے کا موقع عطا کیا جس کی رپورٹ وہ لکھ رہے ہیں۔ صدرالمہام فینانس (اکبر حیدری) نے تحریر کیا کہ راس مسعود کے کام کے متعلق ذاتی علم رکھنے کی وجہ سے وہ حرف بہ حرف اس رائے کی تصدیق کرتے ہیں جو معتمدی تعلیمات نے راس مسعود کے متعلق تحریر کی ہے۔ صدرالمہام تعلیمات (ولی الدولہ بہادر) نے لکھا کہ راس مسعود کی ملازمت کا استقلال محکمہ تعلیمات کے حق میں نہایت مفید ہوگا۔ جب ان تفصیلات کو ایک عرضداشت کے ذریعے آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے بذریعہ فرمان مورخہ ۹ نومبر ۱۹۲۲ء آگاہ کیا کہ اس مسئلے پر راس مسعود کی منظورہ توسیع ختم ہونے پر ہی غور کیا جائے گا۔ راس مسعود کے استقلال کے بارے میں جب دوبارہ عرضداشت پیش کی گئی تو آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۳ کے ذریعے یہ ہدایت دی کہ یہ شرائط لکھ کر ان کا عندیہ معلوم کیا جائے۔ اگر وہ ان شرائط پر بخوشی تیار ہیں تو حکومت مستقل طور پر ان کو یہاں موجودہ خدمت پر رکھ لے گی ورنہ برٹش ملازمت میں واپس جانے کی اجازت دے گی۔

(۱)ان کی ماہانہ تنخواہ ۱۶۸۰ روپے کے عوض مستقل کیے جانے کی تاریخ سے دو ہزار کلدار مقرر ہوگی (۲) مستقل کیے جانے کی تاریخ سے حکومت ان کو پانچ سال تک خدمت پر بحال رکھے گی اور اس کے بعد ضرورت محسوس ہوگی تو ایک ہزار روپے ماہانہ وظیفے پر علیحدہ کردے گی (۳)حکومت ضرورت محسوس کرے تو پانچ سال کے بعد بھی توسیع دے گی (۴)اگر حکومت کسی خاص وجہ سے انہیں اندرون پانچ سال علیحدہ کردے گی تو اس وقت بھی بلا لحاظ مدت پانچ سال ایک ہزار روپے وظیفہ دے گی ۔ ان احکام کی اطلاع جب راس مسعود کو دی گئی انہوں نے متذکرہ بالا شرائط کے لیے رضا مندی ظاہر کی جس پر بذریعے فرمان مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء یہ ہدایت دی گئی کہ متذکرہ بالا شرائط کے مطابق احکام جاری کردیے جائیں ۔ چنانچہ فرمان کی تعمیل میں احکام جاری کردیے گئے ۔ راس مسعود کی ملازمت کے مستقل کردیے جانے کے چار سال بعد راس مسعود نے آصف سابع کی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا کہ کچھ عرصے سے ناموافق آب و ہوا کی وجہ سے ان کی صحت خراب رہنے لگی ہے ۔ اس لیے ضرورت ہے کہ تبدیل آب و ہوا کے لیے وہ یورپ جائیں اور وہاں کے ممتاز ڈاکٹروں سے مشورہ کریں اور صحت یاب ہونے تک وہیں رہیں ۔ انہوں نے معروضہ میں یہ استدعا کی کہ پانچ سال کی مستقل ملازمت کے بعد جو ایک ہزار کلدار وظیفہ منظور کیا گیا ہے اسے ۱۲۴ کتوبر ۱۹۲۸ء سے جاری کرنے کے احکام صادر کیے جائیں ۔ مہاراجا کشن پرشاد، صدر اعظم نے راس مسعود کی درخواست کے بارے میں اپنی رائے لکھ کر مسل باب حکومت کو روانہ کردی ۔ راس مسعود کی سبکدوشی کی کارروائی باب حکومت میں پیش ہونے پر اس بارے میں ایک قرار داد منظور کی گئی ۔ اس قرار داد میں کہا گیا، ''باب حکومت ان کی قابل قدر خدمات کا اعتراف کرتا ہے ۔ باب حکومت ایک ایسے لائق شخص کے علیحدہ ہونے کی درخواست کو قبل از وقت سمجھتا ہے مگر وہ اپنی خرابی صحت کی وجہ سے ملازمت سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں ۔ مجبوراً ان کی درخواست کو آصف سابع کی مرضی پر چھوڑنا مناسب خیال کرتا ہے''۔ مہاراجا کشن پرشاد کی رائے اور باب حکومت کی قرار داد کو پیش نظر رکھتے ہوئے آصف سابع نے راس مسعود کو سبکدوش ہونے کی اجازت دے دی ۔ اس بارے میں آصف

سابع کا یہ فرمان ۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء جاری ہوا تھا۔ ''مسعود جنگ کو آئندہ جولائی سے تین ماہ کی رخصت خاص کے ساتھ وظیفہ منظورہ ایک ہزار روپے کلدار ماہانہ پر علحدہ ہونے کی اجازت دی جائے اور بوقت علحدگی ان کی پسندیدہ خدمات کی نسبت منجانب گورنمنٹ اظہار خوشنودی کیا جائے''۔ چنانچہ راس مسعود ۲۵ جولائی ۱۹۲۸ء کو ناظم تعلیمات کے عہدے سے سبکدوش ہوئے اور علاج کے لیے جرمنی چلے گئے۔

سر راس مسعود کی سبکدوشی کے اندرون چھ ماہ آصف سابع نے انہیں ایک اعلیٰ خدمت کی پیشکش کی تھی مگر وہ بہتر اور پسندیدہ خدمت کی پیشکش پر حیدرآباد نہیں آئے۔ اس کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۲۹ء کے ذریعے باب حکومت کو اطلاع دی کہ انہوں نے خانگی طور پر راس مسعود کو ایک خط لکھ کر دریافت کیا ہے کہ کیا وہ دو سال کے لیے مہدی یار جنگ کی جگہ پولیٹکل سکریٹری کی خدمت پر کام کرنے آمادہ ہیں۔ آصف سابع کو توقع تھی کہ راس مسعود اس پیشکش کو قبول کرلیں گے بشرطیکہ ان کی صحت اجازت دے۔ آصف سابع نے اس فرمان میں اس خیال کا بھی اظہار کیا تھا کہ پولیٹکل سکریٹری کی خدمت کے لیے راس مسعود سے بہتر کوئی دوسرا شخص دستیاب نہیں ہوسکتا۔ چند روز بعد آصف سابع کے فرمان مورخہ ۱۸ فبروری ۱۹۲۹ء کے ذریعے یہ علم ہوتا ہے کہ راس مسعود نے پولیٹکل سکریٹری کی خدمت قبول کرلی تھی اور آصف سابع نے انہیں آئندہ ماہ اپریل میں حیدرآباد آکر جائزہ حاصل کرلینے کی ہدایات روانہ کردی تھیں۔ راس مسعود اپنی آمادگی کے اظہار کے باوجود دیگر وجوہ کی بنا پر اس عہدے کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے حیدرآباد نہ آسکے۔ انہوں نے جرمنی سے آصف سابع کی خدمت میں ایک درخواست روانہ کی جس میں انہوں نے لکھا کہ انہوں نے پولیٹکل سکریٹری کی خدمت قبول کرلی تھی مگر اب انہیں تین سال کے لیے علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے عہدے کی پیشکش کی گئی ہے۔ یونیورسٹی کے موجودہ حالات اور یونیورسٹی سے ان کے قریبی تعلق کے پیش نظر وہ اس کی خدمت کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں لہذا انہیں پولیٹکل سکریٹری کی خدمت کو قبول کرنے سے معاف رکھا جائے۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۲۹ء کے

ذریعے راس مسعود کی درخواست منظور کرلی۔ اس طرح ریاست کے حکمران کی خواہش اور مرضی کے باوجود وہ دوبارہ حکومت ریاست حیدرآباد کی ملازمت سے منسلک نہ ہوسکے۔

جب راس مسعود ریاست حیدرآباد میں ناظم تعلیمات تھے ان کی اس ملازمت کے دوران جاری کردہ اڈمنسٹریشن رپورٹ میں حکومت حیدرآباد نے محکمہ تعلیمات بابت ۲۷۔۱۹۲۶ء پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کی شاندار خدمات کو حسب ذیل الفاظ میں سراہا تھا۔

''راس مسعود کے دور نظامت میں مدارس اور طلبہ کی تعداد تین گنی ہوگئی ہے۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر وہ بجا طور پر فخر کرسکتے ہیں۔ انہوں نے جامعہ عثمانیہ کے قیام اور اس کے بعد کے امور میں مستعدی سے حصہ لے کر جامعہ عثمانیہ کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں اس کے لیے حکومت ان کی شکر گزار ہے۔ متعدد کارکرد عہدیداروں کی تربیت راس مسعود کا ایک اور کارنامہ ہے۔''

راس مسعود کی ناظم تعلیمات کے عہدے سے سبکدوشی کی درخواست کی مسل جب ریاست کے صدر اعظم مہاراجا کشن پرشاد کے پاس پیش ہوئی تھی تو انہوں نے اس مسل پر اپنے قلم سے حسب ذیل جملے تحریر کیے تھے۔

''اس معاملے میں میری دلی خواہش تو یہ ہے کہ مسعود جنگ بہادر ابھی سرکاری ملازمت میں رہیں اور سرکار ابدقرار چند سالہ قابل خدمات کے صلے میں ترقی مدارج کے ساتھ ان کو اپنی ریاست میں ابھی خدمت گزاری کا موقع دیں لیکن ان کی خواہش اپنی صحت اور اپنی اولاد کی تعلیم کا انتظام کرنے کے لیے جانے کی ہے لہٰذا اگر یہ جائیں تو مجھ کو ان کے یہاں سے چلے جانے کا گہرا افسوس رہے گا۔ بلا شبہ مسعود جنگ بہادر جیسے ثقہ، شریف اور لائق افراد کی موجودگی خود حکومت کے لیے سرمایہ ناز تھی۔''

راس مسعود کا طویل علالت کے بعد ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو انتقال ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ م ۲۷ فروری ۱۹۳۸ء کے ذریعے یکم مارچ ۱۹۳۸ء سے مرحوم کی بیوہ کے گزارے کے لیے تا حیات ایک سو روپے کلدار اور دختر کی

پرورش کے لیے جب تک کہ وہ نا کتخدا رہے پچاس روپے کلدار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔☆

ماخذ

۱) نشان محافظی ۷۲۵، نشان صیغہ تعلیمات ۷۶۰ بابتہ ۱۳۲۵ ف
مقدمہ: دربار تقرر سید راس مسعود صاحب برخدمت نظامت تعلیمات

2) Instalment No.83, List No. 4, Serial No.17
مقدمہ: انتخاب نواب مسعود جنگ بہادر (وظیفہ یاب ناظم تعلیمات) برائے عہدۂ معتمدی سیاسیات

سر راس مسعود کی تصنیف ''جاپان کا تعلیمی نظم و نسق''

جب راس مسعود ریاست حیدرآباد میں محکمہ تعلیمات کے ناظم تھے حکومت نے ان کی درخواست پر انہیں جاپان بھیجا تھا تاکہ وہ وہاں کی تعلیمی ترقی کے اسباب اور تعلیمی نظم و نسق کا گہرا مطالعہ و مشاہدہ کریں۔ راس مسعود نے جاپان سے واپس ہونے پر ایک مفصل رپورٹ حکومت کو پیش کی جسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب کو اس دور کے جاپان کے تعلیمی نظم و نسق پر دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سلسلے میں جو سرکاری کارروائی ہوئی تھی اس سے متعلق مسل آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ کے ذخائر میں محفوظ ہے۔ اس کارروائی کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

راس مسعود نے حکومت کو ایک درخواست پیش کی جس میں انہوں نے لکھا کہ حکومت میسور نے تعلیمی امور کے مطالعے کی غرض سے اپنے ناظم تعلیمات کو یورپ کے ممالک، امریکہ اور مشرق بعید روانہ کیا تھا جس نے مختلف ممالک کے دوروں کے دوران وہاں کے ماہرین تعلیم سے تبادلہ خیال کیا۔ مختلف ماہرین تعلیم سے گفتگو اور ان کے مشوروں سے ریاست میسور کی تعلیمی ترقی میں بہت مدد ملی۔ حکومت ہند نے بھی اپنے محکمہ تعلیمات کے ایک عہدیدار کو جاپان بھیجا تھا۔ ریاست حیدرآباد تعلیم کے میدان میں روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور گزشتہ پانچ سال میں طلبہ

کی تعداد دوگنی ہوگئی ہے۔عثمانیہ یونیورسٹی میں صرف انگریزی ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے جبکہ جملہ علوم وفنون کی تعلیم اردو میں دی جاتی ہے۔چونکہ مشرقی ممالک میں جاپان کی تعلیم کا معیار یورپ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ممالک کے مماثل تسلیم کیا گیا ہے اور جاپان کی یونیورسٹیوں میں جملہ علوم کی تعلیم جاپانی زبان کے ذریعے دی جاتی ہے اس لیے وہاں کی حیرت انگیز ترقی کے مشاہدے کی ضرورت ہے۔ راس مسعود نے اپنی درخواست میں یہ بھی لکھا کہ جاپان میں وہ ان امور کا بطور خاص مطالعہ کریں گے۔ (۱) جاپان نے ایک ہی صدی میں مختلف کتابوں کے ترجمے کر لیے اور علوم وفنون کی تعلیم جاپانی زبان کے ذریعے دینا شروع کردی۔اس مقصد کے حصول میں کیا دقتیں پیش آئیں اور کیا تدابیر اختیار کرنی پڑیں؟ (۲) جاپان کی موجودہ پالیسی کیا ہے اور اس کی تکمیل کے لیے کیا تدابیر عمل میں لائی جارہی ہیں۔(۳) وہاں محکمہ تعلیمات ،تحتانیہ مدارس کے ذریعے تجارت اور صنعت وحرفت کو فروغ دینے کے لیے کس طرح مدد کر رہا ہے؟(۴) مغربی علوم وفنون اور مغربی تعلیمی طریقوں کو اختیار کرنے کے باوجود جاپانیوں نے اپنی تعلیم کی قومی خصوصیت باقی رکھنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی ہیں؟(۵) قومی زندگی میں صنعتی مدارس سے کتنی مدد ملی؟

راس مسعود نے یہ باتیں تحریر کرنے کے بعد استدعا کی کہ انہیں جاپان جانے کے لیے اوائل مارچ ۱۹۲۲ء سے بشمول مدت سفر پانچ ماہ کی اجازت دی جائے جن میں وہ تین ماہ جاپان میں قیام کریں گے اور یہ پانچ ماہ کی مدت فرائض اغراض سرکاری میں محسوب کرنے کی منظوری دی جائے۔حقیقی اخراجات حکومت کی جانب سے ادا کیے جائیں اور زمانہ غیاب میں مولوی فضل محمد خان، نائب ناظم تعلیمات کو نظامت کا کام انجام دینے کی منظوری دی جائے۔

راس مسعود کی درخواست پر معتمد عدالت و تعلیمات (نواب ذوالقدر جنگ) نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ریاست میں تعلیمی ترقی کی رفتار بڑھتی جارہی ہے اور اب اس بات کی ضرورت ہے کہ مہذب اور تعلیم یافتہ ممالک نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس کا بغور معائنہ کیا جائے اور یہاں کے مقامی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی پیروی جہاں تک مفید ہو کی جائے۔

اس کے لیے محکمہ تعلیمات کے ایک عہدیدار کا بھیجا جانا مناسب ہے ۔ چونکہ راس مسعود ناظم تعلیمات انگلستان کی ایک مشہور و معروف یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں اور ہندوستان کے مختلف صوبہ جات کے تعلیمی حالات سے بخوبی واقف ہیں اس لیے ان کا جاپان جانا زیادہ مناسب ہے۔ راس مسعود نے اپنے زمانہ غیاب میں جس منصرمانہ انتظام کی تجویز پیش کی ہے وہ قابل منظوری ہے ۔ محکمہ فینانس نے اس بارے میں یہ خیال ظاہر کیا کہ راس مسعود کو اس غرض سے جاپان بھیجنا کہ وہ وہاں کے طریقہ تعلیم کا مشاہدہ کریں اور اس کے نتائج پر غور کریں مفید ہوگا لیکن اس کے لیے یہ شرط بھی ہونی چاہئے کہ وہاں سے واپسی کے بعد وہ ایک ایسی مکمل اور جامع رپورٹ پیش کریں جس میں بیان کردہ ان کے مشاہدات اور تجربات دوسروں کے لیے کارآمد ثابت ہوں ۔ اخراجات کے بارے میں محکمہ فینانس نے لکھا کہ اس محکمے کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر وہ حکومت کے قواعد کے مطابق حقیقی سفر خرچ اور معینہ شرح کے مطابق ڈپوٹیشن الاونس حاصل کریں ۔ یہ محکمہ چار سو ماہوار ڈپوٹیشن الاونس کافی تصور کرتا ہے ۔ سر علی امام صدر اعظم (وزیر اعظم) نے عرضداشت مورخہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ م ۱۱ فبروری ۱۹۲۲ء میں راس مسعود کی درخواست کا خلاصہ، متعلقہ معتمد اور محکمہ فینانس کی رائے درج کر کے یہ سفارش تحریر کی کہ یہ تحریک قابل منظوری ہے کیونکہ تعلیمات کے لیے یہ نہایت مفید ثابت ہوگی ۔

آصف سابع نے عرضداشت پیش ہونے کے دوسرے ہی روز فرمان کے ذریعے ان شرائط کے ساتھ راس مسعود کو پانچ ماہ کے لیے جاپان بھیجنے کی منظوری دی (۱) جاپان سے واپسی کے بعد جس قدر جلد ہو سکے مکمل و جامع رپورٹ پیش کی جائے ۔ (۲) ضابطہ ملازمت سرکار عالی کے دفعہ (۱۳) کے مطابق حقیقی سفر خرچ دیا جائے ۔ (۳) ڈپوٹیشن الاونس ماہانہ چار سو روپے دیا جائے ۔ (۴) ان کے غیاب میں نائب ناظم تعلیمات فضل محمد خان منصرمانہ نظامت کا کام انجام دے سکتے ہیں ۔

مذکورہ بالا فرمان کی تعمیل میں راس مسعود ۸ مارچ ۱۹۲۲ء کو جاپان روانہ ہوئے اور جاپان کے دورے سے واپس ہونے کے بعد ۷ ستمبر ۱۹۲۲ کو اپنی خدمت پر رجوع ہوئے ۔ جاپان سے

واپس ہونے اور اپنی رپورٹ مکمل کرنے کے بعد انہوں نے استدعا کی کہ ان کی مرتبہ جامع رپورٹ عام استفادے کی غرض سے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع کی جائے۔ غالباً آصف سابع کے پاس اس رپورٹ کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا تھا اسی لیے انہوں نے فرمان مورخہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ م ۱۵ فبروری ۱۹۲۳ء کے ذریعے حکم دیا ''کتاب مذکور کے جو کہ اردو زبان میں ہے صرف دوسو نسخے طبع کرایے جائیں''۔ اس مرحلے پر بابائے اردو مولوی عبدالحق معتمد انجمن ترقی اردو نے معروضہ پیش کیا کہ راس مسعود ناظم تعلیمات کے سفر جاپان کی رپورٹ مرتب ہوگئی ہے اور اس کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ چونکہ یہ رپورٹ پر از معلومات اور دلچسپ ہے اور تمام ملک کے لیے مفید ہے لہذا مناسب ہوگا کہ جہاں تک ممکن ہو اس کی اشاعت عام طور پر کی جائے تا کہ ملک کا ہر طبقہ اس سے مستفید ہو سکے۔ اس لیے درخواست ہے کہ اردو ترجمہ طبع کرنے کے لیے انجمن ترقی اردو کو دیا جائے۔ انجمن خاص طور پر نہایت صفائی اور خوبی سے اس کی طباعت کا انتظام کرے گی۔ انجمن اس بات پر بھی آمادہ ہے کہ جس قدر نسخے حکومت کو مطلوب ہوں گے وہ تقریباً اصل لاگت پر مہیا کرے گی۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۲۳ء کے ذریعے انجمن ترقی اردو کو اردو ترجمہ اس شرط پر طبع و شائع کرنے کی منظوری دی کہ عمدہ و صحیح طور پر طبع ہونا چاہئے اور دوسو نسخے جو حکومت خریدے گی ان کی طباعت کے اخراجات دارالطبع (سرکاری پریس) کے نرخ سے زیادہ نہ ہونے چاہئیں۔ کتاب (رپورٹ) شائع ہونے پر اس کے دو نسخے آصف سابع کی خدمت میں روانہ کیے گئے جس پر انہوں نے فرمان مورخہ ۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے ذریعے کتاب مذکور کے پچیس نسخے دفاتر میں تقسیم کرنے کے بعد بقیہ نسخے واجبی قیمت پر فروخت کر دینے کے احکام دیے۔

اس کارروائی کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جب کوئی تجویز حکومت ریاست حیدرآباد کے پاس پیش ہوتی، اعلیٰ عہدیدار، محکمہ فینانس اور وزیر اعظم اس تجویز کی معقولیت اور افادیت کا بغور جائزہ لینے کے بعد حکمران ریاست سے اس کی منظوری کے لیے

سفارش کیا کرتے تھے تاکہ اس تجویز کی عمل آوری سے ریاست اور اس کے عوام کو فائدہ پہنچے۔ راس مسعود کی درخواست (تجویز) پر معتمد تعلیمات، محکمہ فینانس اور وزیر اعظم نے غور و خوص کے بعد راس مسعود کو ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے تعلیمی نظم و نسق کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کے لیے جاپان روانہ کرنے کی سفارش کی۔ چونکہ اس تجویز کا تعلق تعلیم اور ریاست کی ترقی سے تھا اسی لیے آصف سابع نے عرضداشت پیش ہونے کے دوسرے ہی روز منظوری کا فرمان جاری کیا۔

ریاست حیدرآباد نے عام ترقی خاص کر تعلیم کی ترقی کے لیے جس دور بینی سے کام لیا اور جس عمیق غور و فکر، تجربے، مشاہدے اور مطالعے کے ذریعے ترقی کی راہیں ہموار کیں اس کا کچھ اندازہ راس مسعود کے دورہ جاپان سے بھی ہوتا ہے۔ برطانوی ہند کی دیسی ریاست ہونے کی وجہ سے ریاست حیدرآباد کے پالیسی سازوں خاص کر حکمران ریاست آصف سابع نے صرف تقلید فرنگ اور اندھی تقلید کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھا کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے اور مشرق سے بھی کس طرح سورج طلوع ہورہا ہے۔ جاپان کی مثال اور دوسری مثالوں اور معلومات کی روشنی میں اس ریاست نے داخلی حالات کے مطابق ہر سطح پر تعلیم اور فنی تعلیم و تربیت کو ترقی دی۔

راس مسعود کی مرتب کردہ رپورٹ جس کا اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو ہند نے کتابی صورت میں شائع کیا تھا اب نایاب ہے۔ مجھے تلاش بسیار کے بعد اس کتاب کا نسخہ سالار جنگ میوزیم لائبریری میں دستیاب ہوا۔ اس کتاب کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کی اہمیت و وقعت کا اندازہ ہوسکے۔ راس مسعود کی انگریزی رپورٹ کا مولوی عنایت اللہ دہلوی، ناظم شعبہ تالیف و ترجمہ، جامعہ عثمانیہ نے اردو میں ترجمہ کیا تھا جسے انجمن ترقی اردو ہند نے ۱۹۲۴ میں ''جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ تقریباً اسی (۸۰) سال قبل شائع شدہ ۴۸۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۲۴ ابواب میں منقسم ہے جن میں سے چند اہم ابواب یہ ہیں۔ ملک اور ملک کے لوگوں کے خصائل، جاپانیوں کا مذہب، مغربی علوم کی تحصیل، جاپان کا دنیا کی ایک بڑی طاقت ہوجانا، جاپانی زبان، تعلیم میں مساوات، سررشتہ

تعلیم، تنظیم تعلیم ،لڑکیوں کے مدارس ،لڑکیوں کے مدارس خانہ داری ، یونیورسٹیاں ، مدارس معلمی ، اندھوں ، بہروں اور گونگوں کے مدارس ، تعلیم صنعت وحرفت ۔اس کے علاوہ تعلیمی اداروں کے باہمی تعلق اور تنظیم مدارس سے متعلق چھ نقشے بھی شریک کیے گئے ہیں ۔اس کتاب میں راس مسعود کا چھ صفحے کا دیباچہ شامل ہے۔اس کتاب کے سرسری مطالعے سے بھی راس مسعود کی سخت محنت اور گہرے مشاہدے کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔راس مسعود نے جاپان میں ساڑھے تین مہینے شدید مصروفیت میں صرف کیے ۔ان کا زیادہ تر وقت وہاں کے سرکاری دفتر میں بیٹھ کر کام کرنے ،تعلیمی اداروں کا معائنہ کرنے اور مختلف عہدیداروں سے ملاقاتوں میں گزر گیا۔ بعد ازاں جو کچھ وقت ان کو ملا تھا انہوں نے اس کوشش میں صرف کیا کہ جاپان کو سمجھیں اور وہاں کے عوام کے تخیلات معلوم کریں ۔ جب انہوں نے جاپان کے تعلیمی نظام کو گہری نظر سے دیکھا ان کو اس بات کا یقین ہوتا گیا کہ تعلیم کے مختلف اداروں کو محض شمار کرادینا یا لکھ دینا کافی نہیں بلکہ جاپان کی خالص تعلیمی کوششوں کو بخوبی سمجھنے کے لیے اس کی سیاسی تاریخ کا بھی کچھ حال جاننا ضروری ہے ۔چنانچہ انہوں نے کسی قدر تفصیل سے جاپان کے سیاسی حالات سے بھی بحث کی ہے ۔ جاپان کی حیرت انگریز ترقی نے راس مسعود کی آنکھوں کو خیرہ کردیا تھا۔ وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں ’’اگر یہ خیال کیا جائے کہ موجودہ جاپان کی تیز روشنی نے میری آنکھوں کو چکا چوند کردیا ہے اس کی وجہ زیادہ تر یہ سمجھنی چاہئے کہ میں اس اندھیرے سے نکلا تھا جو ہم کو ہند میں گھیرے ہوئے ہے‘‘۔ ☆

ماخذ

Instalment No. 80, List No. 2, S.No.42

اجازت روانگی بہ ناظم صاحب تعلیمات بہ ملک جاپان ومنظوری اخراجات سفر

عبدالماجد دریابادی

مولانا عبدالماجد دریابادی ایک صاحب طرز ادیب، عظیم صحافی اور بلند پایہ عالم اور مفسر قرآن تھے۔ مولانا کی قلمی کاوشیں اردو کے علم وادب اور صحافت کا وقیع سرمایہ ہیں۔ مولانا عبدالماجد نے بہت کم عمری میں لکھنے کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ اس طرح انہوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ تصنیف و تالیف کی نذر کیا۔ فلسفہ، منطق، تاریخ، ادب، سفرنامہ، سوانح، تصوف اور تفسیر اور متعلقات تفسیر پر ان کی ساٹھ سے زیادہ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ پیشہ صحافت سے مولانا کی وابستگی بڑی طویل رہی۔ ابتدا ہی سے ''معارف'' میں ان کے مضامین شائع ہونے لگے تھے بعد ازاں ان کا ''معارف'' سے ادارتی تعلق بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں مولانا محمد علی کے روزنامہ ''ہمدرد'' کی بھی ذمہ داری سنبھالنی پڑی تھی۔

انہوں نے ۱۹۲۵ء میں ہفتہ وار ''سچ'' جاری کیا جو ۱۹۳۲ء میں بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ۱۹۳۵ء میں ہفتہ وار ''صدق'' جاری کیا جو ۱۹۵۰ء تک نکلتا رہا۔ اس کے چند ماہ بعد ''صدق جدید'' کا اجرا عمل میں آیا جس میں تادم مرگ ان کے رشحات قلم شائع ہوتے رہے۔ اس طرح مولانا تقریباً نصف صدی تک ان پرچوں کے ذریعے اردو صحافت اور ادب کی گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے۔ یہ پرچے مولانا عبدالماجد کی طنزیہ اور ادبی تحریروں کی وجہ سے

اردو صحافت میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

مولانا عبدالماجد کے لیے ملازمت کی پابندیاں بار تھیں ۔ وہ ملازمت کی الجھنوں اور جھمیلوں میں پھنسنے کی بجائے کہیں سے رعایتی وظفیہ یا امداد حاصل کر کے علمی و ادبی مشاغل کو سکون اوراطمینان کے ماحول میں جاری رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ میں ۱۵۰ روپے ماہوار پر ادبی معاون کی حیثیت سے تقرر ہوا تھا مگر وہ صرف دو ماہ تک ہی بار ملازمت اٹھا سکے تھے۔ اس کے بعد وہ مستعفی ہو کر ملازمت سے آزاد ہو گئے ۔ اسی طرح حیدرآباد میں دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی ملازمت میں بھی ان کا جی نہیں لگا ۔ وہ بمشکل ایک سال یہ ملازمت نبھا سکے اور پھر لکھنو واپس ہو کر استعفٰی بھیج دیا۔

حیدراباد سے مولانا عبدالماجد دریا بادی کی جو وابستگی تھی اور حکومت ریاست حیدرباد کی جانب سے ان کی جو قدر افزائی ہوئی تھی اس موضوع پر واضح ،مبسوط اور مستند مضمون لکھنے کے لیے مولانا کی خودنوشت سوانح عمری ''آپ بیتی'' اور آرکائیوز کے ریکارڈ بنیادی اور بیش قیمت ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اسی بات کے پیش نظر میں نے ان سے استفادہ کرتے ہوئے یہ مضمون قلم بند کیا ہے۔

مولانا عبدالماجد اپنی خودنوشت سوانح عمری میں دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ملازمت کے حصول کا یہ پس منظر بیان کرتے ہیں کہ ان میں اور مولوی عبدالحق کے مابین ۱۹۱۷ء تک گہرے مراسم پیدا ہو گئے تھے اور مولوی عبدالحق کی کوششوں کے نتیجے میں اوران کی تحریک پر ہی مولانا عبدالماجد دارالترجمہ میں ملازمت کے سلسلے میں حیدرآباد بلائے گئے تھے ۔ اس بارے میں مولانا عبدالماجد لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۳ء میں جبکہ بی ۔ اے کیے ہوئے انہیں چند ہی مہینے ہوئے تھے انہوں نے دو ڈھائی سو صفحات کی ایک مستقل کتاب فلسفہ جذبات کے نام سے لکھ ڈالی ۔ مولوی عبدالحق نے جو اس وقت انجمن ترقی اردو ہند کے نئے سکریٹری مقرر ہوئے تھے اس کتاب کی قدردانی کی اور ۱۹۱۴ء کے اوائل میں انجمن کی جانب سے اس کتاب کی اشاعت عمل میں آئی۔

مولانا عبدالماجد کی انگریزی کتاب Psychology of Leadership نومبر ۱۹۱۵ء میں لندن کے ایک مشہور پبلیشر نے شائع کی۔ مولانا عبدالماجد نے اپنی اس انگریزی کتاب کے نفس مطالب کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے اس میں اتنا اضافہ کیا کہ اس کی ضخامت انگریزی کتاب سے دوگنی ڈھائی گنی ہوگئی۔ اس کتاب ''فلسفہ اجتماع'' کو بھی مولوی عبدالحق نے انجمن کی طرف سے ۱۹۱۶ء میں شائع کیا۔ مولوی عبدالحق نے کچھ تو ان دو کتابوں سے خوش ہو کر اور کچھ مولانا عبدالماجد کی ضرورت کے پیش نظر ان کی پسند اور انتخاب سے انگریزی کتابوں کے ترجمے کروانے شروع کر دیے۔ یہ سلسلہ سال ڈیڑھ سال جاری رہا۔ ان ہی دنوں حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی نئی نئی قائم ہو رہی تھی اور سررشتہ تالیف و ترجمہ وجود میں آ چکا تھا۔ مولوی عبدالحق نے اگست ۱۹۱۷ء میں مولانا عبدالماجد کو تار بھیج کر حیدرآباد بلا بھیجا۔ مولانا کے حیدرآباد پہنچنے کے چند روز بعد ہی دارالترجمہ میں ان کا تقرر فلسفہ اور منطق کے مترجم کی حیثیت سے عمل میں آیا۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں مولانا عبدالماجد کی ملازمت کے بارے میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ مولانا کو دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی ضرورت کے پیش نظر دیگر مترجمین کی طرح حیدرآباد بلایا گیا تھا اور معین المہام (وزیر) تعلیمات کی ایما پر مولانا عبدالماجد کا دارالترجمہ میں فلسفہ و منطق کی کتابوں کے مترجم کی حیثیت سے تین سو روپے ماہوار پر تقرر کیا گیا تھا جس کی منظوری دوسرے مترجمین کے تقرر کے ساتھ نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع کے فرمان مورخہ ۲۵ شوال ۱۳۳۵ھ م ۱۴ اگست ۱۹۱۷ کے ذریعے دی گئی تھی۔ اسی فرمان کے ذریعے مولوی عبدالحق کو دو سو روپے ماہانہ الاونس کے ساتھ دارالترجمہ کی نگرانی تفویض کی گئی تھی۔ مولوی عبدالحق اس وقت صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد کی خدمت پر فائز تھے۔

مولانا عبدالماجد آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ وہ دارالترجمہ میں یکم ستمبر ۱۹۱۷ء سے جولائی ۱۹۱۸ء تک ترجمہ کر رہے۔ دوست احباب اور مخلصین کا اچھا خاصہ مجمع تھا۔ بیوی ساتھ تھیں لیکن ملازمت بہرحال ملازمت تھی۔ ملازمت میں جی نہ لگا۔ گیارہ ماہ بعد جب وہ یکم اگست ۱۹۱۸ء کو

لکھنو واپس ہوئے تو وہیں سے استعفٰی لکھ کر بھیج دیا۔ مولانا عبدالماجد مزید لکھتے ہیں کہ کتاب فلسفہ اجتماع ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی تھی اور یہ زمانہ ان کے الحاد کے شباب کا تھا۔ مستشرقانہ انداز میں کتاب کی سطر سطر میں گویا زہر کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا۔ سیرۃ نبوی اور قرآن مجید پر ظاہری حملے کیے بغیر دونوں کے متعلق تفصیلات، تصریحات ایسی لکھی تھیں کہ جن سے دونوں کی بے وقعتی ذہن میں بیٹھ جاتی تھی۔ سال ڈیڑھ سال بعد جب ان کا دارالترجمہ میں ملازمت کے لیے حیدرآباد جانا ہوا تو اس کتاب پر مذہبی حیثیت سے بڑی لے دے ہوئی، کفر کے فتوے نکلنے لگے۔ مولانا عبدالماجد کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ متذکرہ حالات سے بددل ہو گئے تھے اور حیدرآباد سے واپس ہونے کا غالباً ایک اہم سبب یہ بھی تھا۔

دارالترجمہ میں ملازمت کے سلسلے میں حیدراباد کے قیام کے دوران مولانا کی کتاب پر علما کے اعتراضات، مولانا کا ملازمت سے استعفی اور اس کی منظوری کے بارے میں آرکائیوز کے ریکارڈ یہ معلومات فراہم کرتے ہیں۔

آصف سابع نے ایک حکم مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۸ء کے ذریعے یہ استفسار کیا تھا ''عبدالماجد جو اس وقت دارالترجمہ میں مقرر ہیں ان کو کس نے یہاں طلب کیا ہے اور کس مدت سے یہاں مقیم ہیں۔ ان کے مفصل حالات بذریعہ عرضداشت عرض کیے جائیں''۔ اس استفسار کے جواب میں عرضداشت مورخہ ۱۲۸ کتوبر ۱۹۱۸ء کے ذریعے یہ تفصیلات پیش کی گئیں کہ عبدالماجد لکھنو کے رہنے والے ہیں۔ ان کی تصنیف فلسفہ اجتماع پر مذہبی نقطہ نظر سے بعض علما کو اعتراض ہے۔ دارالترجمہ میں ان کے تقرر کے بعد ان کی کتاب کے بارے میں کفر کے فتوے اخباروں میں شائع ہوئے۔ جس وقت یہ کتاب شائع ہوئی تھی اس وقت ان کی کتاب پر نہ تو کفر کے فتوی جاری ہوئے اور نہ ہی ان کی کوئی بدنامی ہوئی تھی اسی لیے انہیں حیدرآباد طلب کر کے معین المہام (وزیر) تعلیمات کی رائے کے مطابق دارالترجمہ میں مامور کیا گیا تھا۔ وہ تقرر کے بعد دارالترجمہ میں کارگزار اور حیدرآباد میں مقیم تھے۔ وہ گذشتہ ماہ سے رخصت پر ہیں اور اب انہوں نے استعفٰی پیش کر دیا ہے جس کو منظور کیا جاسکتا ہے۔ اس عرضداشت پر آصف سابع نے

بذریعہ حکم مورخہ یکم صفر ۱۳۳۷ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۱۸ء یہ ہدایت کی ''جبکہ عبدالماجد نے بطور خود استعفیٰ پیش کردیا ہے تو وہ منظور کرلیا جائے اور ان کی جگہ دوسرے لائق اشخاص کے نام پیش کر کے میری منظوری حاصل کر لی جائے''۔ آصف سابع کے احکام کی تعمیل میں مولانا عبدالماجد کا استعفیٰ منظور کیا گیا اور دارالترجمہ میں فلسفے کے مترجم کی جو خدمت خالی ہوئی تھی اس پر ضروری کارروائی کے بعد مرزا محمد ہادی رسوا کا تقرر عمل میں آیا۔

مولانا عبدالماجد دارالترجمہ میں اپنے کام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے فن میں خالص ترجمہ نہیں کیا بلکہ ایک دو انگریزی کتابوں کو اپنا کر ایک مستقل کتاب منطق استخراجی و استقرائی تیار کردی۔ دوسری کتاب ان کے فن، منطق یا فلسفے سے متعلق نہیں بلکہ تاریخ یورپ پر تھی۔ اس کا ترجمہ کسی مترجم سے ناتمام رہ گیا تھا۔ اس کا تکملہ مولانا سے کرایا گیا۔

دارالترجمہ سے مستعفی ہوجانے کے بعد مولانا عبدالماجد نے علمی وظیفے کے اجرا کے لیے درخواست دی جس پر انہیں تاحیات وظیفہ جاری کیا گیا۔ مولانا عبدالماجد نے اس بارے میں آپ بیتی میں یہ تفصیلات لکھی ہیں کہ اگست ۱۹۱۸ میں ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد کوئی ذریعہ معاش باقی نہ رہا۔ شادی ہوچکی تھی اور اولاد کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ قدرتاً فکر دامن گیر رہی۔ اعلیٰ حضرت نظام دکن (آصف سابع) کے معتمد پیشی سر امین جنگ، مولانا عبدالماجد پر بڑے مہربان اور ان کے قدردان تھے۔ مولانا نے فروری ۱۹۱۹ء میں سر امین جنگ کے توسط سے ایک درخواست آصف سابع کی خدمت میں روانہ کی کہ جس طرح کے علمی وظیفے حالی اور شبلی کو مرحمت ہوچکے ہیں وہ اسی قسم کے علمی وظیفے کے امیدوار ہیں۔ اس درخواست کے جواب میں انہیں حیدرآباد طلب کیا گیا۔ وہ یکم مئی کو حیدرآباد پہنچے۔ ان کا قیام سرکاری طور پر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی صدر الصدور امور مذہبی کے ہاں کرایا گیا۔ مولانا کو آصف سابع سے باریابی کا موقع ملا۔ آصف سابع بڑے کرم اور اخلاق سے پیش آئے۔ دوسرے روز آصف سابع کا فرمان صادر ہوا کہ مولانا کے نام وظیفہ علمی سوا سو روپے ماہوار سکہ ہند اس شرط پر جاری کیا جائے کہ ہر سال ایک کتاب لکھ کر پیش کی جاتی رہے۔ یہ وظیفہ انہیں گھر بیٹھے ماہ بہ ماہ پہنچتا رہا۔

آرکائیوز کے ریکارڈ سے نہ صرف مولانا کے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے بلکہ اس بارے میں تفصیلی معلومات کا بھی علم ہوتا ہے۔ ان معلومات کے بموجب عبدالماجد دریابادی کی درخواست پر مولوی حبیب الرحمٰن شروانی نے یہ تجویز لکھی کہ مولانا کو تاحیات سوا سو روپیہ کا وظیفہ جاری کیا جاسکتا ہے جس پر اظہر جنگ نے لکھا کہ یہ وظیفہ حسب ذیل شرائط کے ساتھ دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سال میں کم از کم کسی مضمون کی ایک کتاب لکھ کر اسے سلسلہ آصفیہ سے معنون کیا جائے۔

۲۔ اشاعت سے قبل کتاب کا کچا خاکہ دارالترجمہ بھجوایا جائے تاکہ مذہبی نقطہ نظر سے تنقیح ہوسکے۔

۳۔ جب کتاب شائع ہوجائے تو اس کے دس نسخے گزرانے جائیں۔

۴۔ اگر احیاناً عبدالماجد کو کم از کم ایک مرتبہ چند روز کے لیے حیدرآباد طلب کرنا ضروری خیال کیا گیا تو ان کو حاضر ہونا پڑے گا۔

اس وظیفے کی کارروائی کے سلسلے میں مولانا عبدالماجد کو حیدرآباد طلب کیا گیا تھا اور مولانا نے مولوی حبیب الرحمٰن شروانی کے سامنے متذکرہ بالا شرائط کے نیچے شرائط بالا مجھ کو منظور ہیں لکھ کر اپنے دستخط ثبت کیے۔ اس کارروائی کے تکمیل پانے کے بعد مولانا کے نام وظیفہ علمی سے متعلق آصف سابع کا حسب ذیل حکم مورخہ ۷ شعبان ۱۳۳۷ھ م ۱۲ مئی ۱۹۱۹ء صادر ہوا۔

''عبدالماجد، بی اے کے وظیفے سے متعلق جو شرائط بذریعہ صدر الصدور طے ہوئے ہیں اس کی نقل اطلاعاً منسلک ہے۔ اس ماہ شعبان ۱۳۳۷ھ (مئی ۱۹۱۹ء) سے عبدالماجد کے نام انہیں شرائط سے ایک سو پچیس روپے کلدار کا وظیفہ تاحیات جاری کیا جائے اور اس کی اطلاع عبدالماجد صاحب بی اے کو بذریعہ صدر الصدور دی جائے۔''

جن دنوں مولانا عبدالماجد دریابادی دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں برسرکار تھے انہوں نے آصف سابع کی خدمت میں ایک معروضہ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۱۸ء پیش کیا تھا۔ اس معروضے میں مولانا نے لکھا تھا کہ وہ پورے دس سال سے علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں اور ان کی چھ تصانیف فلسفہ جذبات، فلسفہ اجتماع، سائیکالوجی آف لیڈرشپ، غذائے انسانی، تاریخ اخلاق

یورپ اور تاریخ تمدن انگلستان شائع ہوچکی ہیں ۔ مزید برآں مختلف علمی موضوعات پر کئی جریدوں اور رسالوں میں ان کے مضامین اتنی تعداد میں شائع ہوچکے ہیں کہ انہیں دو ضخیم جلدوں میں شائع کیا جاسکتا ہے ۔ اپنی کتابوں اور مضامین کی تفصیلات پیش کرنے کے بعد انہوں نے لکھا کہ جس شخص نے اپنی ذاتی و غیر مشترک کوشش و کاوش سے اردو زبان میں فلسفہ و متعلقات فلسفہ پر ایک پورا لٹریچر تیار کردیا ہے اگر اسے مالی امداد دے کر ہمیشہ کے لیے مطمئن کردیا جائے تو وہ آئندہ پوری یکسوئی و فراغ خاطری کے ساتھ تمام عمر اسی مشغلہ کو جاری رکھے گا ۔ اس عرضی کے ساتھ مولانا عبدالماجد نے فلسفہ جذبات، فلسفہ اجتماع، تاریخ اخلاق یورپ اور سائیکالوجی آف لیڈرشپ کا ایک ایک نسخہ بھی پیش کیا تھا۔

آصف سابع نے حکم مورخہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۱۸ء کے ذریعے دریافت کیا ''مولوی عبدالماجد بی اے کی عرضی کے ساتھ ان کی مصنفہ چار کتابیں مرسل ہیں ۔ واپس گزران کر مصنف کے ساتھ کس قسم کی رعایت کرنا مناسب ہوگا صیغہ متعلقہ کی رائے عرض کی جائے اور کتب مرسلہ پر تنقیدی نظر ڈالی جائے کہ سلسلہ کتب عثمانیہ میں ان کو شریک کرنا مناسب ہوگا یا کیا۔''

اس حکم کی تعمیل میں آصف سابع کی خدمت میں جو عرضداشت مورخہ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ م ۱۵ فبروری ۱۹۱۹ء پیش کی گئی تھی اس میں کہا گیا تھا کہ مولانا عبدالماجد کی پیش کردہ تصانیف میں فلسفہ اجتماع بھی شامل ہے جس پر اخبارات میں اعتراض ہوچکے ہیں اور اب عرضی گزار بھی ریاست کی ملازمت سے مستعفی ہوکر جاچکے ہیں ۔ ان حالات میں ان کتابوں اور عرضی گزار سے متعلق کسی کارروائی کی ضرورت باقی نہیں رہی ۔

متذکرہ بالا عرضداشت پر آصف سابع کا جو حکم مورخہ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ م ۲۰ فبروری ۱۹۱۹ء صادر ہوا تھا اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔ ۔

''جبکہ عبدالماجد ہماری ملازمت سے مستعفی ہوچکے ہیں تو پھر اس معاملہ میں مزید کارروائی کی ضرورت نہیں ہے ۔ داخل دفتر کردی جائے ۔''

یہ صحیح ہے کہ مولانا عبدالماجد کے مندرجہ بالا معروضہ کو منظوری نہیں ملی لیکن تین ماہ کے اندر ہی ۱۲۵ روپے کلدار ماہانہ علمی وظیفہ منظور کیا گیا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس طرح ریاست حیدرآباد سے مالی امداد حاصل کر کے علمی خدمت بدرجہا بہتر طور پر انجام دینے کی مولانا کی خواہش پوری ہوگئی۔

مولانا عبدالماجد نے ایک درخواست مورخہ ۳ فروری ۱۹۲۰ء صدرالمہام پیشی آصف سابع کے نام روانہ کی تھی جس میں انہوں نے اطلاع دی تھی کہ لکھنو کا ماہوار رسالہ الناظر اور ہفتہ وار حقیقت فروخت ہو رہے ہیں اور وہ ان پرچوں کو خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ پرچے ہاتھ میں آ جانے کے بعد علم و ادب، ملک و قوم کی عام خدمات کے علاوہ دولت آصفیہ کی فلاح و بہبود کے لیے خدمت گزاری بھی ان پرچوں کا ایک مقصد رہے گا۔ دونوں کی مجموعی قیمت چار ہزار روپے ہے اور اتنی بڑی رقم ان کے پاس سے نہیں نکل سکتی۔ آصف جاہ سابع کے دست کرم کو جنبش ہو تو حصول مقصد ممکن ہے۔ اس درخواست پر صیغہ عدالت کی جانب سے عرضداشت مورخہ ۵ صفر ۱۳۳۹ھ م ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۰ء پیش ہوئی۔ اس میں معتمد اور صدرالمہام تعلیمات کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے صدر اعظم نے لکھا کہ کسی بیرونی ملک کے اخبار کی خریدی بالکل قرین مصلحت نہیں۔ اس لیے یہ درخواست قبول نہیں کی جا سکتی۔ اس پر آصف سابع کا جو فرمان مورخہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ م ۳ دسمبر ۱۹۲۰ء صادر ہوا تھا اس کا متن حسب ذیل ہے۔

''صدر اعظم کی رائے درست ہے۔ ممالک محروسہ کے باہر کے اخبارات کو منجانب سرکار کسی امداد کا دیا جانا قرین مصلحت نہیں ہے۔ لہٰذا عرضی گزار کو نفی میں جواب دے کر کارروائی داخل دفتر کر دی جائے۔''

ریاست حیدرآباد کی جانب سے عالموں اور ادیبوں کو علمی و ادبی مشاغل جاری رکھنے کے لیے تا حیات رعایتی وظیفے جاری کیے جاتے تھے۔ کسی اہم علمی و ادبی تصنیف کی تکمیل کے لیے خاص مدت تک مالی امداد دی جاتی تھی اور کبھی کبھار عالموں اور ادیبوں کو ان کی تصانیف کی طباعت کے لیے بھی امداد جاری کی جاتی تھی۔ مولانا عبدالماجد نے بھی اپنی کتابوں کی طباعت

کے لیے مالی امداد منظور کرنے کے لیے درخواست روانہ کی تھی ۔ اس درخواست پر صیغہ تعلیمات نے سفارشی عرضداشت پیش کی جس کے نتیجے میں آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۷ شوال ۱۳۵۱ھ م ۲۳ فبروری ۱۹۳۲ء کے ذریعے مولانا عبدالماجد کو کتابوں کی طباعت کے سابق اخراجات ایک ہزار تین سو روپے کلدار ایصال کرنے اور اس کے علاوہ آئندہ ان کی کتابوں کی چھپائی کے اخراجات ادا کرنے کے احکام صادر کیے ۔

ریاست حیدرآباد کی جانب سے جو علمی و ادبی وظیفے جاری کیے گئے تھے ان میں حالات اور گرانی کی مناسبت سے اضافہ کرنے کی بھی مثالیں موجود ہیں ۔ چنانچہ مولانا کی درخواست پر ان کے وظیفے میں بھی ۲۷ برس بعد ۷۵ روپے کا اضافہ کیا گیا تھا ۔ وظیفے میں اضافے کے لیے مولانا کی درخواست اور اضافے کی منظوری سے متعلق فرمان آندھرا پردیش آرکائیوز کے ریکارڈ میں محفوظ ہے ۔

مولانا نے وظیفے میں اضافے کے لیے اپنی درخواست میں جو کچھ لکھا تھا اسے اختصار سے بیان کرنے کی بجائے ان کی درخواست کی نقل ذیل میں درج کی جارہی ہے تاکہ قارئین کو ان ہی کی تحریر کے توسط سے ان کے کارناموں اور آصف سابع کے لطف و مرحمت کے بیان کے علاوہ ان کی نادر تحریر پڑھنے کا بھی موقع ملے ۔

”آج ۲۷ سال کی بات ہے کہ ۱۹۱۹ء میں بندگان عالی اعلیٰ حضرت کی نظر کیمیا نے اس قلم کے مزدور کو اپنے لطف و مرحمت کے لیے چن لیا اور ۱۲۵ کلدار کا ماہوار وظیفہ رعایتی جاری کر دیا تھا کہ علمی خدمات یکسوئی و فراغت کے ساتھ جاری رہ سکیں ۔ اس وقت کے معیار زندگی سے یہ عطیہ خسروی کافی ہی نہیں وافی بھی تھا ۔ اس طویل مدت میں ابتداً صرف علم و ادب اور بعد کو دین و مذہب کی بھی خدمت کے سلسلے میں ہزار صفحے اس ہیچمداں کے ہاتھ سے عالم وجود میں آ گئے ۔ زیادہ تر اردو اور کمتر انگریزی زبان میں علاوہ متفرق مقالات و مضامین کے مستقل کتابوں کی تعداد ایک دہائی سے اوپر ہو چکی ہے اور اب کئی سال سے مسلسل خدمت قرآن کی جو توفیق مرحمت ہوگئی ہے تو اس سلسلے میں انگریزی تفسیر قرآن مجید کے تیسوں پارے بحمداللہ مکمل ہو چکے

ہیں، جن میں سے دو پریس سے باہر بھی آ چکے ہیں۔ اردو تفسیر قرآن کا بھی ایک حصہ پریس میں پہونچ چکا ہے۔ انگریزی کام سے متعلق ۱۔ پانیر (لکھنو) ۲۔ ٹائمس آف انڈیا (بمبئی) ۳۔ مارننگ نیوز (کلکتہ) ۴۔ بمبئی کرانیکل (بمبئی) ۵۔ لیڈر (الہ آباد) ٦۔ آن وارڈ (الہ آباد) ۷۔ اسلامک کلچر (حیدرآباد)، معارف وترجمان القرآن بہترین کلمات سے حوصلہ افزائی کر چکے ہیں اور اردو ترجمہ وتفسیر سے متعلق بحمد اللہ بہترین دعائیں اور برکتیں حضرت حکیم الامت امام تھانوی، استاذ العلماء مولانا شبیر احمد عثانی مدظلہ اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی شامل ہیں...... ...... یہ خدمات اگر کچھ بھی قابل اجر و پذیرائی ہیں تو بالکل ظاہر ہے کہ اجر کا بڑا حصہ دکن کے سرچشمۂ فیض ہی کے نصیب میں آئے گا۔''

''اس ۲۷ سال کے عرصہ میں دنیا کہاں سے کہاں پہونچی۔ اپنے ہم چشموں اور ہم عصروں میں تین تین سو والے ہزار بارہ سو کے گریڈ میں پہونچ گئے۔ اشیاء کی گرانی نے حالات کو ناقابل برداشت حد تک پہونچا دیا۔ اس دعا گو کو لب کشائی کی ہمت جب بھی نہ ہوئی کہ جو کچھ عطا ہو رہا تھا حقیقتاً اپنے حق واستحقاق سے بھی بہت زائد تھا لیکن جب کئی سال سے روپیہ کی قیمت گرتے گرتے مستقل طور پر چونی کے برابر رہ گئی تو محض اتنی گزارش صحیح واسطوں سے اپنی زندگی میں پہلی بار اور شاید آخری بار بھی سمع ہمایوں تک پہونچا دینا شاید کوئی بے جا جسارت نہ ہو کہ اب جو کچھ مرحمت ہو رہا ہے، وہ عملاً ۱۲۵ روپے نہیں بلکہ ۱۲۵ چونیاں ہیں۔''

''سند کے اعتبار سے یہ بھی خدمت والا میں عرض ہے کہ مولانا شبلی کا علمی وظیفہ ابتداً (۱۰۰) ماہوار کا تھا دس گیارہ سال کے اندر جب انہوں نے سیرۃ النبی لکھنی شروع کی تو نواب عماد الملک بلگرامی مرحوم کی تحریک پر یک بیک اور بغیر کسی درمیانی تدریج کے (۳۰۰) کر دیا گیا تھا اور اسی طرح مولوی عبد الحلیم شرر مرحوم کے وظیفہ میں بھی تلاوت جنگ بہادر کی تحریک پر خود ہی اضافہ شاید دو چند سہ چند کا ہو گیا تھا۔ یہ نظیریں محض کرم شاہانہ کے لحاظ سے عرض ہوئیں ورنہ اس نا اہل و بے کمال سے ان حضرات کے علم و کمال کو کیا نسبت۔''

مولانا کی اس درخواست پر وظیفے میں اضافہ کیا گیا۔ آصف سابع نے جس فرمان مورخہ

۱۷محرم ۱۳۶۶ھ م ۱۰ دسمبر ۱۹۴۶ کے ذریعے اضافے کی منظوری دی تھی اس کا متن حسب ذیل ہے۔

''کونسل کی رائے کے مطابق عبدالماجد دریا بادی کے وظیفے میں ۱۲۵ میں ۷۵ کا اضافہ کر کے دوسو کلدار ماہانہ اجرا کیے جائیں۔''

ریاست حیدرآباد کی ہند یونین میں شمولیت کے بعد بھی مولانا عبدالماجد کو وظیفہ جاری رہا اور وہ اپنی وفات تک یہ وظیفہ پاتے رہے۔ اس بارے میں وہ اپنی خودنوشت سوانح عمری ''آپ بیتی'' میں لکھتے ہیں ''ستمبر ۱۹۴۸ء میں سلطنت آصفیہ کا قلع قمع ہوگیا اور اس لپیٹ میں میری پنشن بھی آ گئی۔ اکتوبر ۵۰ میں حکم آیا کہ پنشن بند! دہلی سے مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیمات نے میری حمایت میں بڑا زور لگایا اور بار بار اجراء پنشن کے لیے لکھا، کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں دہلی جا کر پنڈت جواہر لال نہرو سے ملا، ان بیچارے نے بھی میری حمایت کی، جب کہیں جا کر جون ۵۱ء میں پنشن دوبارہ کھلی، مگر ۲۰۰ سے گھٹ کر سوا سو پر آ گئی! دو چار سال بعد میں نے اسے یوپی اسٹیٹ میں منتقل کرالیا اور اب یہیں لکھنو کے خزانے سے ہر ماہ ملتی رہتی ہے''۔۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 80, List No. 4, S.No.662

مقدمہ: تقررات دارالترجمہ

2) Instalment No. 77, List No. 1, S.No.968

مقدمہ: درخواست عبدالماجد صاحب دریابادی نسبت ازدیاد وظیفہ رعایتی

فرمان

بملاحظہ :- عرضداشت صیغۂ فینانس مورخہ ۵- محرم الحرام ۱۳۶۶ھ جو عبدالماجد دریابادی کے وظیفہ میں اضافہ کی نسبت ہے۔

حکم :- کونسل کی رائے کے مطابق عبدالماجد دریابادی کے وظیفہ ماہانہ ۱۲۵ میں ۷۵ کا اضافہ کر کے دوسو کلدار ماہانہ اجرا کئے جائیں۔

۱۷- محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

سید ہاشمی فرید آبادی

حیدر آباد کے تہذیبی، علمی، ترقیاتی اور فلاحی کارناموں کے سنہرے دور میں اعلیٰ خدمات کی انجام دہی کے لیے برصغیر کے مختلف حصوں سے جن غیر معمولی، باصلاحیت اور ذہین شخصیتوں کو چن چن کر حیدر آباد طلب کیا گیا تھا ان میں سید ہاشمی ایک ایسے نگینے کی حیثیت رکھتے تھے جس نے علم و دانش میں انتہائی بے لوث اور بے تکان کوششوں کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اپنی تابانی میں اضافہ کیا بلکہ اپنے آپ کو اس سنہرے دور کا ایک حصہ بنالیا۔ وہ خلوص کے پیکر تھے، بے غرض محسن تھے اور ایثار اور اعلیٰ ظرفی کا بھی اعلیٰ نمونہ تھے۔ ریاست اور بیرون ریاست ان کی خدمات، شخصیت اور کردار کے بارے میں جوں جوں معلومات میں اضافہ ہورہا ہے ان کی تابانی اور بلندی میں بھی اسی تناسب سے اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ غرض یہ کہ وہ اس دور کے اردو کے علم و ادب کے بہترین نگینوں میں اپنی تراش خراش اور چمک کے اعتبار سے مثالی تھے۔

سید ہاشمی فرید آبادی مضافات دہلی کے قصبہ فرید آباد کے ایک ممتاز سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد نواب سید احمد شفیع کا شمار دہلی کے ممتاز عمائدین میں ہوتا تھا جو فارسی اور اردو کے ممتاز انشا پرداز تھے۔ ہاشمی صاحب کی والدہ نواب فخر الدولہ علاء الدین احمد خان علائی والئی ریاست لوہارو کی صاحبزادی تھیں۔ ہاشمی صاحب ۱۸۹۰ء میں فرید آباد میں پیدا

ہوئے ۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر اور مکتب میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ بھیجے گئے جہاں سے انہوں نے بی ۔ اے کی تکمیل کی ۔ اسی زمانے میں بلقان کی جنگ شروع ہوئی تھی ۔ انہوں نے اس موقع پر پرجوش نظمیں لکھیں جن میں سے ایک ولولہ خیز نظم " بلقان چل ، بلقان چل " بے حد مقبول ہوئی اور جلسوں اور جلوسوں میں پڑھی جانے لگی ۔ اس نظم اور دیگر پرجوش قومی نظموں کے لکھنے کی پاداش میں انہیں کالج سے نکال دیا گیا ۔ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوجانے پر انہوں نے اردو زبان اور ادب کی خدمت کی جانب بھرپور توجہ دی ۔

ہاشمی فریدآبادی نے ۱۹۱۷ء میں ریاست حیدرآباد کی ملازمت اختیار کی اور وہ یہاں ۱۹۱۷ تا ۱۹۳۹ء ، ۲۲ برس تک ملازم رہے ۔ انہوں نے ابتدائی سترہ برس تک دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں مترجم کی حیثیت سے اور بعدازاں ترقی ملنے پر پانچ برس تک معتمدی امور داخلہ وعدلیہ میں اسسٹنٹ سکریٹری کے طور پر کام کیا ۔ انجمن ترقی اردو کے دفتر کی اورنگ آباد کو منتقلی اور مولوی عبدالحق کے اس انجمن کے سکریٹری مقرر ہونے کے ساتھ ہی ہاشمی صاحب انجمن کی سرگرمیوں سے وابستہ ہوئے ۔ اپنی ملازمت کے دوران بھی وہ جزوی طور پر انجمن ترقی اردو ہند کی سرگرمیوں سے وابستہ تھے مگر ملازمت چھوڑنے کے بعد وہ ہمہ وقتی طور پر انجمن کے کام کے لیے وقف ہوگئے ۔ انجمن کا دفتر اورنگ آباد سے دہلی منتقل ہونے پر وہ دہلی چلے گئے اور ملک کی تقسیم کے بعد انجمن کے کاموں میں مولوی عبدالحق کا ہاتھ بٹانے پاکستان منتقل ہوئے جہاں وہ ۱۹۵۴ء تک مولوی صاحب کے ساتھ انجمن کی سرگرمیوں میں مصروف رہے ۔ بعدازاں مولوی صاحب سے اختلافات کی وجہ سے وہ لاہور چلے گئے اور اپنی وفات تک علمی کاموں کی تکمیل میں مصروف رہے ۔

سید ہاشمی فریدآبادی کی حیدرآباد کی ملازمت ، انجمن ترقی اردو ہند و پاکستان کی مصروفیات اور سیرت کے چند مخصوص پہلوؤں کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں ۔

ریاست حیدرآباد کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۴ رجب ۱۳۳۵ھ م ۲۶ اپریل ۱۹۱۷ء حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کی

منظوری دی۔ چونکہ اس یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اردو قرار دیا گیا تھا اس لیے یونیورسٹی کے قیام کو عملی شکل دینے کے لیے اردو کتابوں کی فوراً تیاری وفراہمی ضروری تھی۔ اس لیے اس معاملے کو اولیت دیتے ہوئے سررشتہ ترجمہ کے قیام کی منظوری کے لیے ایک عرضداشت آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس کے ساتھ سررشتہ ترجمہ سے متعلق اسکیم کا ایک تختہ منسلک تھا جس میں مترجمین کے نام، عملے کی تعداد معہ گریڈ، سالانہ اخراجات اور پہلے سال کے اخراجات درج تھے۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۵ شوال ۱۳۳۵ھ م ۱۴ اگست ۱۹۱۷ء کے ذریعے یونیورسٹی کا شعبۂ ترجمہ قائم کرنے کے احکام جاری کیے اور عرضداشت کے ساتھ منسلک اسکیم اور پہلے سال کے اخراجات کو بھی منظوری دی۔ اس فرمان کے ذریعے جن چھ مترجمین کے تقرر کی منظوری دی گئی تھی وہ تھے قاضی محمد حسین (ریاضی)، برکت علی (سائنس)، عبدالماجد دریا بادی (فلسفہ)، قاضی تلمذ حسین (سیاسیات)، محمد لیاس برنی (اقتصادیات) اور سید ہاشمی فرید آبادی (تاریخ)۔

دارالترجمہ نے مولوی عبدالحق کی نگرانی میں یکم آبان ۱۳۲۶ف م ۶ ستمبر ۱۹۱۷ء سے کام کا آغاز کیا۔ ہاشمی فرید آبادی بھی اسی تاریخ کو دارالترجمہ میں رجوع بہ خدمت ہوئے۔ (ملاحظہ ہو حکومت ریاست حیدرآباد کے سول محکمہ جات کے عہدیداروں کی کلاسیفائڈ لسٹ) وہ دارالترجمہ میں ۶ ستمبر ۱۹۱۷ء تا ۲۴ جولائی ۱۹۳۴ء تقریباً ۱۷ برس تک مترجم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ معتمدی امور داخلہ وعدلیہ میں اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے پر ترقی ملنے پر انہوں نے ۲۵ جولائی ۱۹۳۴ء کو نئے عہدے کا جائزہ لیا جس پر وہ ۱۹۳۹ء تک فائز رہے۔

جوش ملیح آبادی نے دارالترجمہ میں یکم جنوری ۱۹۲۵ء تا ۲۸ اگست ۱۹۳۴ء مترجم اور ناظر ادبی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح ''یادوں کی برات'' میں دارالترجمہ میں اپنی ملازمت کے بیان کے تحت ہاشمی فرید آبادی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دارالترجمہ میں عبداللہ عمادی، ابوالخیر مودودی، ہاشمی فرید آبادی اور محمد ہادی رسوا سے ان کے خاص مراسم تھے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہر روز ابوالخیر مودودی کے علاوہ ہاشمی فرید آبادی کے کمرے میں جمع ہو کر گپیں اڑاتے اور شاعری کیا کرتے تھے۔

ہاشمی فرید آبادی نے دارالترجمہ میں اپنے تراجم اور تالیفات کے ذریعے کامیاب و ماہر مترجم اور نامور مورخ کے طور پر نام کمایا۔ انہوں نے ۱۷ سالہ ملازمت میں ۱۳ کتابوں کے تراجم کے علاوہ ۵ کتابیں تالیف کیں۔ اس طرح ان کی کتابوں کی تعداد ۱۸ ہے۔ کتابوں کی تعداد کے لحاظ سے وہ دارالترجمہ کے مترجمین میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ قاضی تلمذ حسین نے ۱۹ کتابیں تیار کی تھیں۔

قومی زبان، کراچی، نومبر۔ دسمبر ۱۹۶۴ کے شمارے میں ہاشمی صاحب کی ہمشیرہ نسبتی (اہلیہ کی تایا زاد بہن) آمنہ بیگم ممتاز کا مضمون ہاشم بھائی، تحسین سروری (حیدرآباد کے مشہور شاعر و ادیب جو تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے تھے) کا مضمون مولوی سید ہاشمی فرید آبادی اور شمیم احمد کا مضمون آخری ملاقات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس شمارے میں ہاشمی صاحب کے تحرکردہ چند سطری خودنوشت حالات بھی شریک ہیں۔ ان مضامین سے ہاشمی صاحب کی سیرت کے چند اہم پہلوؤں کے علاوہ حیدرآباد کے چھوڑنے کے بعد انجمن ترقی اردو میں ان کی ہمہ وقتی مصروفیات اور دیگر حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

تحسین سروری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ حیدرآباد میں انہیں ہاشمی فرید آبادی کو چند بار دور سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کی شخصیت کا کوئی نقش تحسین سروری کے دل پر نہ بیٹھ سکا تھا۔ انہیں کراچی میں ہاشمی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا بارہا موقع ملا۔ وہ لکھتے ہیں "ہر بار ان کی عالمانہ اور معلومات سے لبریز باتوں کا ایسا مزہ آتا کہ کبھی سیری نہیں ہوتی۔ ان کی گفتگو کا انداز اتنا دلکش اور الفاظ اتنے شیریں ہوتے کہ سننے والے پر ایک عجیب وجدانی کیفیت طاری ہوتی"۔ ہاشمی صاحب کی سیرت کے بارے میں تحسین سروری لکھتے ہیں "وہ انتہائی عزلت پسند انسان تھے۔ جلسوں، جلوسوں اور گھما گھمی سے گھبراتے تھے۔ شہرت و ناموری کے بھی شائق نہ تھے لیکن خاموشی کے ساتھ انہوں نے جو علمی کارنامے انجام دیے وہ اتنے بلند بانگ تھے کہ از خود ان کا شہرہ دور دور تک ہو گیا"۔ تحسین سروری مزید لکھتے ہیں کہ ہاشمی صاحب اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے۔ الناظر، معارف، رسالہ اردو وغیرہ میں ان کا کلام شائع

ہوا کرتا تھا۔ اورنگ آباد سے انجمن ترقی اردو نے ان کا مختصر سا مجموعہ ''سہ نظم ہاشمی'' شائع کیا تھا۔ وہ شاعری کے تقریباً جملہ اصناف پر طبع آزمائی کرتے تھے لیکن جدید رنگ کی نظم سے انہیں طبعی مناسبت تھی۔ تحسین سروری نے اپنے مضمون میں انجمن ترقی اردو اور مولوی عبدالحق سے ہاشمی فریدآبادی کی گہری اور طویل وابستگی اور پھر انجمن سے علاحدگی اور مولوی عبدالحق سے دوری کے بارے میں بھی تفصیلات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب بابائے اردو نے انجمن ترقی اردو کا دفتر اورنگ آباد سے دہلی منتقل کیا انہوں نے ہاشمی صاحب کو بھی دہلی بلالیا جہاں ہاشمی صاحب نے مولوی صاحب کے دوش بدوش اردو کے لیے بڑے بڑے معرکے سر کیے، پھر ایسا بھی ہوا کہ ہاشمی صاحب کی شرکت کے بغیر بابائے اردو کوئی کام کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ پاکستان منتقل ہونے کے بعد بابائے اردو نے ۱۹۴۹ء میں ہاشمی صاحب کو کراچی بلالیا۔ انجمن کے اورنگ آباد اور دہلی کے دور تک ہاشمی صاحب انجمن کی مجلس نظما میں شریک رہے۔ پاکستان میں انجمن کے شریک معتمد، رسالہ اردو کے مدیر اور قومی زبان کے نگراں بھی تھے۔ کراچی آنے کے بعد بھی وہ انجمن کی معرکہ آرائی میں مولوی صاحب کے دست راست بنے رہے اور ساتھ ہی ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ انہوں نے انجمن کی جانب سے تاریخ و سیاسیات نام کا ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا۔ انجمن کے لیے دو جلدوں میں تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت لکھی اور فلپ ہٹی کی کتاب History of the Arabs کا تاریخ ملت عربی کے نام سے ترجمہ کیا۔ یہ دونوں کتابیں کافی پسند کی گئیں اور چھپتے ہی نصاب تعلیم کے مضمون تاریخ میں شامل کرلی گئیں۔ ان کتابوں کے علاوہ ۱۹۵۳ء میں انجمن ترقی اردو کی پچاس سالہ جوبلی کے موقع پر انجمن کی ایک بسیط تاریخ پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو بھی مرتب کی جس میں انجمن کی تاریخ کے ساتھ ساتھ متعدد قومی، سیاسی، علمی و ادبی تحریکیں اور کئی نامور اشخاص بھی زیر بحث آئے ہیں۔ اسی موقع پر تلخیص اردو کے نام سے رسالۂ اردو کے گذشتہ شماروں سے بہترین اور اعلیٰ پایے کے مضامین کا انتخاب کر کے شائع کیا۔

تحسین سروری نے اپنے مضمون میں ہاشمی صاحب کی زندگی کے آخری دس برسوں کے

بارے میں بھی معلومات فراہم کی ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں ''ہاشمی صاحب ۱۹۵۴ء تک انجمن سے وابستہ رہے ۔ اس کے بعد چند مفاد پرست مفسدوں نے ایسے درویش صفت اور عابد و زاہد عالم پر طرح طرح کے الزام لگائے اور مولوی عبدالحق کو ان کی طرف سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہوئے ۔ ہاشمی صاحب جیسے شریف النفس اور متوکل شخص اور کیا کرتے ۔ مولوی صاحب کی چالیس سال کی رفاقت پر آنسو بہاتے ہوئے لاہور چلے گئے ۔ ان کے جانے کے بعد مولوی صاحب کو اصل حقیقت معلوم ہوئی تو انتہائی افسوس کرنے لگے اور کوشش کی کہ سید ہاشمی پھر ان کی رفاقت میں آ جائیں لیکن ہاشمی صاحب کا ٹوٹا ہوا دل پھر نہ جڑ سکا ۔ بابائے اردو کے انتقال کے بعد انجمن کی جب دوبارہ تشکیل و تنظیم ہوئی نئے ارکان نے کوشش کی کہ ہاشمی صاحب دوبارہ انجمن آ کر رونق بخشیں لیکن پیرانہ سالی کے باعث وہ معذرت خواہ ہوئے ۔ لاہور میں بھی وہ بیکار نہیں تھے ۔ وہی تصنیف و تالیف ان کی روزی کا ذریعہ تھا ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ تھے ۔ اس کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی کے زیر ترتیب انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا کام بھی کرتے تھے ۔ ثقافت اسلامیہ نے ان کی جو کتاب ماثر لاہور شائع کی ہے وہ لاہور کے آثار قدیمہ پر خاص اہمیت کی حامل ہے''۔

قومی زبان، کراچی میں شامل مضمون آخری ملاقات میں شمیم احمد نے ہاشمی صاحب کے انتقال سے صرف ایک ماہ قبل لے گئے انٹرویو کو قلم بند کیا ہے ۔ اس مضمون میں شمیم احمد لکھتے ہیں کہ ہاشمی صاحب نے انجمن اور بابائے اردو کے متعلق پوچھے گئے ہر سوال کا جواب دینے سے انکار کیا ۔ اس لیے مضمون نگار کو مجبوراً ان کے ذاتی حالات کے متعلق سوال کرنے پڑے لیکن ہاشمی صاحب کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے نہ صرف اختصار سے کام لیا بلکہ انجمن اور بابائے اردو کے بارے میں کسی اظہار خیال یا ان سے اپنی وابستگی کا احساس بھی نہ ہونے دیا۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے اہم رکن ، نامور مترجم ، مورخ اور ادیب ہاشمی فرید آبادی ہندوستان اور پاکستان کی انجمن ترقی اردو سے زائد از چالیس سال وابستہ رہے تھے ۔ وہ انجمن کے ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے ۔ خاموشی کے ساتھ بے مثال علمی و ادبی خدمات انجام دیں اور

انجمن کے کاموں میں طویل عرصے تک بابائے اردو کے دست راست رہے۔ انہیں ستائش کی نہ تو تمنا رہی اور نہ ہی صلے کی پرواہ۔ فتنہ پردازوں کی سازشوں کی وجہ سے وہ بابائے اردو کے معتوب بھی ہوئے لیکن اس دیرینہ رفیق کے ناروا سلوک کے باوجود ان کی زبان پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا۔ زندگی کے آخری دس برس انجمن اور احباب سے دور الگ تھلگ علمی کاموں کی انجام دہی میں مصروف رہنے کے بعد اردو دنیا کی یہ مثالی شخصیت ۱۹ جولائی ۱۹۶۴ء کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئی۔ ☆

ماخذ

Instalment No.80, List No.4, S.No. 661.

مقدمہ: اسکیم دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی

حکم
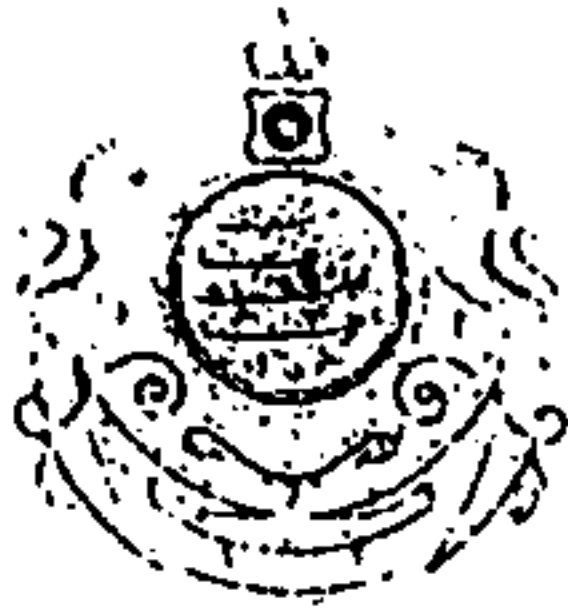
بملاحظہ :- عرضداشت صیغہ تعلیمات معروضہ ۲۴ - شوال المکرم ۱۳۳۵ھ جو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے متعلق شعبہ ترجمہ قائم کرنے کی نسبت ہے -

حکم :- تجاویز مندرجہ عرضداشت جنسے معین المہام فینانس کو اتفاق ہے منظور کئے جاتے ہین حسبہ یونیورسٹی کا شعبہ ترجمہ قائم کیا جائے جسکا سالانہ خرچ جملہ ۵۶۲۵۶ سے ۸۰۳۶۴ روپیہ تک ہوگا اور پہلے سال کیلئے اخراجات یکشت مصرحہ عرضداشت کیلئے سولہ ہزار روپیہ بھی منظور کئے جاتے ہین - مترجمین کا تقرر ابتداً ایک سال کیلئے امتحاناً کیا جائے بعدہ ان کے کام وغیرہ کو دیکھکر انکے استقلال یا توسیع ملازمت کی کارروائی حسب ضرورت و مناسبت کی جائیگی - ہر سال کے ختم کے بعد جسقدر جلد ہو سکے ایک رپورٹ میرے ملاحظہ مین گزرانی جائے جس سے معلوم ہو کہ اوس سال ترجمہ کا کام کسقدر ہوا -

۲۵ - شوال المکرم ۱۳۳۵ھ - سہ شنبہ

عبداللہ عمادی

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے مترجم اور ناظر مذہبی مولانا عبداللہ عمادی عربی کے بلند پایہ عالم تھے اور علمی تبحر اور فضل و کمال کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ حیدرآباد آنے سے قبل وہ پیشہ صحافت سے وابستہ تھے۔ وہ عربی اور اردو کے اہم اور موقر اخبارات کے برسوں ایڈیٹر رہے۔ جب حالات نے حق گو اخبار نویسوں کی زبانوں پر تالا ڈالنے کی کوشش کی انہوں نے پیشہ صحافت کو ترک کر کے ایسی ملازمت کی تلاش شروع کی جہاں پڑھنے لکھنے کا کام اور ان کے ذوق کی تکمیل ہو سکے۔ چنانچہ وہ حیدرآباد آئے اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے وابستہ ہوئے۔

مولانا سید سلیمان ندوی اور مولوی ابوالخیر مودودی کے مطابق حیدرآباد سے ان کے تعارف کا ذریعہ مولوی ظفر علی خان تھے۔ ان حضرات کے بیانات کا پس منظر یہ ہے کہ ظفر علی خاں، نواب میر محبوب علی خاں آصف سادس کے عہد میں ملازمت سے علاحدہ کیے گئے تھے اور ان کا ریاست سے اخراج بھی عمل میں آیا تھا۔ ظفر علی خان ریاست کے ولی عہد عثمان علی خان کے اتالیق رہ چکے تھے۔ عثمان علی خان کی حکمرانی کے ابتدائی دور میں دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا اور انہوں نے اپنے ایام شہزادگی کے اتالیق کو یاد کیا اور احکام صادر کیے کہ

دارالترجمہ میں ظفرعلی خان سے ترجمے کا کام لیا جائے ۔ چنانچہ ظفرعلی خان حیدرآباد طلب کیے گئے ، ان کا دارالترجمہ میں تقرر عمل میں آیا اور انہیں کئی مراعات بھی دی گئیں ۔ظفرعلی حان نے عبداللہ عمادی کو دارالترجمہ میں ملازمت کے لیے حیدرآباد بلایا۔عبداللہ عمادی ظفرعلی خان کے اخبار زمیندار میں کام کیا کرتے تھے اور دونوں میں گہرے دوستانہ مراسم تھے ۔

عبداللہ عمادی نے حیدرآباد پہنچنے کے بعد دارالترجمہ میں ملازمت کے لیے درخواست دی جس پر ان کا دارالترجمہ میں عربی کے مترجم کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا۔ وہ ۱۵ اگست ۱۹۱۸ء کو رجوع بہ خدمت ہوئے ۔ ابتدا میں ان کی تنخواہ دوسو روپے ماہوار تھی ۔ بعد ازاں ان کی تنخواہ دیگر مترجمین کے مساوی اور ملازمت مستقل کردی گئی ۔ چند سال بعد انہیں ۱۹۲۴ء میں ناظر مذہبی کی خدمت پر ترقی دی گئی جس پر وہ سبکدوش ہونے تک کام کرتے رہے۔ وہ سبکدوشی کے بعد وطن واپس نہیں گئے بلکہ انہوں نے حیدرآباد میں مستقل طور پر سکونت اختیار کی ۔ وہ ۲۸ اگست ۱۹۴۷ء کو اس دارفانی سے رخصت ہوئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے ۔

عمادی صاحب کے دارالترجمہ میں تقرر، تنخواہ میں اضافے اور ملازمت کو مستقل کرنے کی کارروائی کا خلاصہ ذیل میں دیا جارہا ہے جو آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ سے حاصل کردہ مواد پر مبنی ہے ۔

عبداللہ عمادی نے دارالترجمہ میں ملازمت کے لیے آصف سابع کے نام درخواست مورخہ ۲۲ شوال ۱۳۳۶ھ م ۳۱ جولائی ۱۹۱۸ء پیش کی تھی جس سے ان کی صحافتی اور علمی مصروفیات کا علم ہوتا ہے ۔انہوں نے درخواست میں لکھا تھا کہ ان کی ساری عمر علمی مشاغل میں گزری ۔لکھنو سے جو عربی اخبار البیان نکلتا تھا مصر و مراقش تک جاتا تھا اس کے ایڈیٹر وہی تھے ۔ وہ اخبار وکیل امرتسر کے ساڑھے سات سال ایڈیٹر رہے اور اپنی محنت سے اسے اس حیثیت تک پہنچادیا تھا کہ وہ شمالی ہند کا سب سے موقر اخبار سمجھا جانے لگا ۔اس کے بعد جب اخبار زمیندار لاہور کو فروغ ہوا ظفرعلی خان نے انہیں اپنے پاس بلالیا اور ان کے قیام انگلستان کے زمانے میں وہی ہندوستان کے اس سب سے زیادہ کامیاب اخبار کے مستقل ایڈیٹر رہے ۔ علاوہ ازیں وہ کئی

کتابوں کے مصنف ہیں۔مختلف علوم وفنون پر ان کی حسب ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔تفسیر محکمات ۔۲۔فلسفۃ القرآن ۔۳۔علم الحدیث ۔۴۔تاریخ عرب قدیم ۔۵۔ صناعۃ العرب ۔۶۔کتاب الزکاۃ ۔۷۔شرح المفصل عربی ۔ان کتابوں کے علاوہ انہوں نے امیر عبدالرحمٰن خاں فرمان روائے افغانستان کے دارالترجمہ کے لیے تاریخ ابن خلدون کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ تفصیلات بیان کرنے کے بعد انہوں نے لکھا کہ اخبار نویسی ایک شریف پیشہ ہے اور انہوں نے اسی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے رکھا تھا لیکن حالیہ عرصے میں پیش آنے والے ناگفتنی واقعات نے درد دل رکھنے والے راست گفتار اہل قلم کی زبانیں بند کر دیں۔اب حضور اقدس (آصف سابع)ہی کی ذات ایسی ہے کہ ٹوٹے ہوئے دلوں پر لطف واحسان کا مرہم رکھ سکتی ہے اور رکھ رہی ہے۔وہ بھی اپنے مجروح دل کے اندمال کی توقع رکھتے ہیں۔عثمانیہ یونیورسٹی جو مسلمانان ہند کے علمی مستقبل کا ایک درخشاں نگارستان ہے اس کی آئینہ داری کے لیے وہ اپنی ناچیز خدمات پیش کرتے ہیں۔

اس درخواست پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۹ شوال ۱۳۳۶ ھ م ۷ اگست ۱۹۱۸ء کے ذریعے احکام جاری کیے کہ عرضی گزار کو دارالترجمہ میں کسی خدمت مواجبی دو سو روپے پر امتحاناً ایک سال کے لیے مقرر کیا جائے۔اس فرمان کی تعمیل میں عبداللہ عمادی ۹ مہر ۱۳۲۷ف م ۱۵ اگست ۱۹۱۸ء کو دارالترجمہ میں مترجم کی حیثیت سے رجوع ہوئے۔چونکہ ان کا تقرر دو سو روپے ماہوار پر ایک سال کے لیے امتحاناً کیا گیا تھا اس لیے انہوں نے ایک سال کی مدت ختم ہونے سے کچھ قبل ملازمت کو مستقل کرنے اور دیگر مترجموں کی طرح انہیں بھی ۳۰۰ تا ۵۰۰ روپے ماہوار کا گریڈ دینے کی استدعا کی جس پر حبیب الرحمٰن خان شروانی صدر الصدور کی تجویز پر دو سو روپے ماہوار کے ساتھ ان کی مدت ملازمت میں ایک سال کی توسیع منظور کی گئی۔عبداللہ عمادی توسیع شدہ مدت میں کام کرتے رہے اور جب یہ مدت ختم ہونے کو تھی تو انہوں نے ایک اور درخواست پیش کی جس میں انہوں نے استدعا کی کہ ان کی ملازمت کو مستقل کیا جائے اور دیگر مترجموں کی طرح ان کے لیے بھی مترجم کا گریڈ منظور کیا جائے۔اس درخواست پر نگراں کار

ناظم دارالترجمہ نے عبداللہ عمادی کی کارگزاری کی تصدیق کرتے ہوئے ہر دو استدعاؤں کو منظور کرنے کی سفارش کی۔ معتمد تعلیمات اور منصرم صدرالمہام (وزیر) فینانس نے اس سفارش سے اتفاق کیا۔ سرعلی امام صدر اعظم نے اس کارروائی کی تفصیلات عرضداشت مورخہ ۱۲ شعبان ۱۳۳۸ھ م ۲ مئی ۱۹۲۰ء میں درج کر کے اسے آصف سابع کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس عرضداشت پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۶ شعبان ۱۳۳۸ھ م ۶ مئی ۱۹۲۰ء کے ذریعے یہ استفسار کرتے ہوئے کہ عبداللہ عمادی نے اب تک دارالترجمہ میں کیا کام کیا ہے اور کیا ان کا کام اطمینان بخش رہا ہے ہدایت جاری کی کہ یہ تفصیلات محکمہ متعلقہ سے جلد پیش ہوں تاکہ ان کی مدت ملازمت میں توسیع اور تنخواہ میں اضافہ سے متعلق غور ہو سکے۔ اس فرمان کی تعمیل میں نگران کار ناظم دارالترجمہ نے مولوی عبداللہ عمادی کے کام کے بارے میں لکھا کہ وہ ابتدا میں تصحیح کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ کتاب طبقات ابن سعد کے ترجمے کا کام کر رہے ہیں۔ اس کتاب کی پہلی جلد کا ترجمہ ختم ہو چکا ہے اور دوسری جلد کا ترجمہ قریب الختم ہے۔ اس کے بعد وہ کتاب مذکور کی تیسری جلد کا ترجمہ شروع کریں گے۔ حبیب الرحمٰن شروانی صدر الصدور نے تحریر کیا کہ عبداللہ عمادی نے ابن سعد کا ترجمہ قابلیت سے کیا ہے جو لائق تحسین ہے۔ ایک سال کی مزید توسیع ضروری ہے۔ عمادی صاحب سے کہا جائے گا کہ آئندہ سال وہ ترجمے کی رفتار زیادہ کر دیں۔ ان کا خیال ہے کہ جس قدر ترجمہ کیا گیا اس سے زیادہ کیا جا سکتا تھا۔

عبداللہ عمادی کی کارکردگی کی مذکورہ بالا رپورٹ ایک عرضداشت کے ذریعے آصف سابع کی خدمت میں بھیجی گئی جس پر آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ م ۲۰ جنوری ۱۹۲۱ء ان کی مدت ملازمت میں ایک سال کی منظوری دیتے ہوئے لکھا کہ اس کے بعد اگر ضرورت محسوس ہوگی اور ان کا کام اطمینان بخش رہے گا تو اس وقت ان کو مستقل کرنے کے بارے میں غور کیا جائے گا۔ فرمان کی تعمیل میں توسیع ملازمت کے احکام جاری کر دیے گئے۔ جب یہ مدت بھی ختم ہونے کو تھی تو اس کارروائی کو بغرض اظہار رائے مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کے پاس پیش کیا گیا جس نے یہ رائے دی کہ مولوی عبداللہ عمادی کی قابلیت عربی کے مترجم کی

حیثیت سے مسلمہ ہے اور دارالترجمہ میں ہنوز کافی کام باقی ہے ۔ اس لیے ان کی خدمت کو مستقل کیا جائے اور ان کی تنخواہ وہی مقرر کی جائے جو دوسرے مترجمین کی ہے ۔ مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کے اراکین کی رائے کے مطابق آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۲۱ء کے ذریعے مولوی عبداللہ عمادی کو موجودہ خدمت پر دس سال تک مستقل کرنے اور ان کی تنخواہ دوسرے مترجمین کی تنخواہوں کے مساوی قرار دینے کی منظوری دی ۔ اس بارے میں احکام جاری کردیے گئے ۔ چونکہ دیگر مترجمین کو ۳۵۰ تا ۶۰۰ روپے کا گریڈ ۱۵ اردی بہشت ۱۳۲۹ف م ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء سے دیا گیا تھا اس لیے عنایت اللہ دہلوی ، ناظم دارالترجمہ نے تحریک پیش کی کہ مولوی عبداللہ عمادی کو بھی یہ گریڈ تاریخ مذکور سے دیا جانا مناسب ہے ۔ مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ نے اپنے اجلاس میں اس تحریک سے اتفاق کیا ۔ چنانچہ ایک عرضداشت میں ان تفصیلات کو درج کر کے اسے آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۲۹ رجب ۱۳۴۱ھ م ۱۸ مارچ ۱۹۲۳ء مولوی عبداللہ عمادی کو بھی دیگر مترجمین کے مطابق ۱۵ اردی بہشت ۱۳۲۹ف م ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء سے ۳۵۰ تا ۶۰۰ روپے کا گریڈ دینے کی منظوری صادر کی ۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں مترجمین کے عہدوں کے علاوہ ناظر ادبی اور ناظر مذہبی کے بھی عہدے تھے ۔ ناظر ادبی تراجم اور تالیفات کی زبان پر نظر ثانی کیا کرتا تھا اور ناظر مذہبی کی ذمہ داری تھی کہ تراجم اور تالیفات کسی بھی مذہب اور اس کے عقائد کے بارے میں قابل اعتراض خیالات اور جملوں سے پاک ہوں ۔ دارالترجمہ کے ابتدائی دور میں صفی الدین ناظر مذہبی تھے ۔ جب آصف سابع ان سے ناراض ہوئے تو انہوں نے فرمان مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۲۴ء کے ذریعے مولوی صفی الدین کی ناظر مذہبی کی خدمت سے علاحدگی اور ریاست سے اخراج کے احکام صادر کیے ۔ مولوی صفی الدین کی علاحدگی کے بعد مولوی عبداللہ عمادی کو اس خدمت پر ترقی دی گئی اور وہ سبکدوشی تک ناظر مذہبی کی خدمت پر فائز رہے ۔

مولانا عمادی کو ان کی خدمت سے چند اور مترجمین کے ساتھ ۱۹۴۰ء میں قبل از مدت

وظیفے پر سبکدوش کردیا گیا لیکن ان کی مدت ملازمت میں پانچ سال کی رعایت دے کر انہیں ماہانہ تنخواہ کا نصف وظیفہ منظور کیا گیا۔ اس کارروائی کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

ایک عرضداشت مورخہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۲۸ اپریل ۱۹۴۰ء عبداللہ عمادی اور دیگر مترجمین فدا علی، مسعود علی اور بلدیو سنگھ کو وظیفے پر علاحدہ کرنے کی نسبت آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کی تجویز اور معتمد تعلیمات و محکمہ فینانس کی آرا درج کی گئیں۔ مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ نے ان حضرات کو خدمت سے سبکدوش کردینے کی تجویز پیش کرتے ہوئے تحریر کیا کہ اب ان کی خدمات کی ضرورت نہیں ہے، ان کو حسب قاعدہ انتہائی وظیفے یا انعام پر علاحدہ کیا جائے۔ اس بارے میں معتمد تعلیمات نے لکھا کہ عبداللہ عمادی کا شمار ہندوستان کے مشاہیر علما میں کیا جاتا ہے اور وہ ادب اور تاریخ میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ حکومت نے اپنی علمی قدر دانی سے مصنفین کے نام ماہوار وظیفے جاری کیے ہیں۔ لہٰذا ایک ایسے ممتاز قابل شخص کے ساتھ جس نے حکومت کی ملازمت کی ہو رعایت کی جانی چاہیے۔ مناسب ہوگا کہ انہیں رعایت دے کر نصف وظیفہ دیا جائے۔ محکمہ فینانس نے عمادی صاحب کو پانچ سال کی رعایت دیے جانے سے اتفاق کیا۔ اس عرضداشت کی پیش کشی پر آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۲۰ رجب ۱۳۵۹ھ م ۲۵ اگست ۱۹۴۰ء مولانا عمادی کی مدت ملازمت میں پانچ سال کا اضافہ کرکے ان کی ماہوار تنخواہ کا نصف وظیفہ جاری کرنے کی منظوری دی۔

مولانا عمادی کی ملازمت کے بارے میں مستند معلومات کے ساتھ ساتھ قارئین کو یقیناً ان کی شخصیت، سیرت، دارالترجمہ کی کارکردگی، حیدرآباد میں ان کی دیگر مصروفیتوں اور ان کے علم و فضل کے بارے میں تفصیلات جاننے سے بھی دلچسپی ہوگی۔ یہ تفصیلات مولانا عمادی کے قریبی احباب کے مضامین سے ہی مل سکتی ہیں۔ لہٰذا ذیل میں مولانا عمادی کے ان قریبی احباب کے مضامین سے مواد پیش کیا جارہا ہے جنہیں مولانا کے ساتھ کام کرنے، ان کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا تھا۔

جوش ملیح آبادی نے دارالترجمہ میں جن چند احباب سے فیض پایا تھا ان میں مولانا عبداللہ

عمادی بھی تھے۔ جوش اپنی خودنوشت سوانح یادوں کی بارات میں اس بات کا کھلے دل سے ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں۔

''میری یہ بڑی ادبی نمک حرامی ہوگی کہ اگر میں اس امر کا اعتراف نہ کروں کہ شعبہ دارالترجمہ کی وابستگی نے مجھ کو بے حد علمی فائدہ پہنچایا اور خصوصیت کے ساتھ علامہ عمادی، علامہ طباطبائی اور مرزا محمد ہادی رسوا کے فیضان صحبت نے مجھ بے سواد آدمی کو میرے جہل پر مطلع کر کے، ذوق مطالعہ پر مامور کردیا اور صحت الفاظ ونجابت لہجہ کا جو پودا میرے باپ اور میری دادی نے، میرے وجود کی سرزمین پر لگایا تھا اگر طباطبائی، مرزا محمد ہادی اور عمادی کی مسلسل دس برس کی ہم نشینی کا مجھ کو موقع نہ ملتا تو وہ پودا کبھی شاداب اور بار آور نہ ہوتا''۔ جوش نے اسی کتاب میں مولانا عبداللہ عمادی کو فارسی اور عربی کا ہفت قلزم لکھا ہے۔

ممتاز عثمانین سید معین الدین قریشی نے اپنے مضمون ''جوش۔ حیدرآباد میں سترہ برس بعد'' مطبوعہ ماہنامہ صبا حیدرآباد، اگست، ستمبر ۱۹۶۶ء میں دارالترجمہ کی سرگرمیوں اور اس سے وابستہ چند اہم شخصیتوں کے بارے میں بڑی اہم اور دلچسپ باتیں تحریر کی ہیں۔ اس مضمون میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں ''دارالترجمہ میں سب سے دلچسپ اور کام کی ملاقات مولانا عمادی کے کمرے میں ہوتی تھی۔ یہاں علم تھا اور بذلہ سنجی تھی جس پر سنجیدگی کے پردے پڑے ہوتے تھے۔ جوش ان پردوں کو ہٹاتا تھا۔ خالص علمی اور ادبی مسائل میں جو باریکیاں، لطافت، نزاکت اور شرارت نمایاں ہوتی اس کا ذمہ دار جوش ہوتا۔ مولانا عمادی کا ایک بڑا کمال یہ تھا کہ وہ کسی لطیف بات، کسی شوخی اور پھبتی کا واقعی ایک عالم کے انداز میں خیر مقدم کرتے اور بے اختیار ہنسی اور برجستہ قہقہہ کو اس طرح روکنے کی کوشش کرتے جس طرح ایک سچا عالم اپنے علم کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ جواب دیتے تھے لیکن وہ بے ضرورت نہ ہوتا تھا زیادہ تر داد ہوتی تھی اور سچے دل سے جس میں ان کے دل کی لذت ہم سب کو محسوس ہوتی تھی۔ جوش جب بھی کہتا ہے کہ دکن سے چند دوستوں کے علاوہ میں نے علم کا ذوق بھی پایا ہے میرا منتشر خیال مولانا عمادی پر مرتکز ہوجاتا ہے۔''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بھائی مولانا ابوالخیر مودودی بھی دارالترجمہ سے وابستہ تھے جہاں ان کا اور مولانا عمادی کا برسوں ساتھ رہا۔ ابوالخیر مودودی نے اپنے مضمون ''علامہ عبداللہ عمادی'' مطبوعہ نقوش شخصیات نمبر۔۲ میں مولانا عمادی کی شخصی خوبیوں اور علمی شخصیت کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ ابوالخیر مودودی اس مضمون میں لکھتے ہیں کہ عمادی صاحب جتنے بڑے عالم اور علامہ تھے اس سے زیادہ اعلیٰ قسم کے انسان تھے۔ بلند نگاہ اور کریم النفس، قلندر صفت اور قلندر سیرت۔ ان کی شخصیت میں اس قدر اعلیٰ انسانی خوبیاں تھیں جو آج ڈھونڈے بھی کہیں نظر نہیں آسکتیں۔ نخوت اور تکبر کی پرچھائیں بھی ان میں نہ تھی۔ وہ ایک جاہل ہم نشین کو اس بات کا ہلکا سا بھی احساس نہ ہونے دیتے کہ وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کی تنخواہ میں دست گیری ایک مستقل مد تھی۔ انہیں عزیزوں سے بہت الفت تھی۔ جب وہ وطن جاتے، عزیزوں اور دوستوں کے لیے سوغاتیں لے جاتے۔

دارالترجمہ میں اصطلاحات سازی کے سلسلے میں مولانا عمادی کے رویے کے بارے میں ابوالخیر مودودی لکھتے ہیں کہ عمادی صاحب کو عربی فارسی کی قدیم وجدید لغات و مصطلحات پر بڑا عبور تھا اس لیے وہ ہر شعبے کی مجلس مصطلحات کے مستقل رکن تھے اور ان کو ارکان مجلس میں بڑا امتیاز اور احترام حاصل تھا۔ بایں ہمہ وہ علمی رہنمائی سے ایک قدم آگے نہیں بڑھاتے تھے۔ وہ اصطلاح وضع کرنے میں مدد دیتے اور اس بات سے غرض نہ رکھتے تھے کہ ان کی مدد اور رہنمائی قبول کی گئی ہے یا نہیں۔ ابوالخیر مودودی کے مطابق مترجم کی حیثیت سے عمادی صاحب کے قلم سے حسب ذیل کتابیں نکلیں۔

۱۔ مورخ مسعودی کی التنبیہہ ولا اشرف اور مروج المذہب۔ ۲۔ مورخ طبری کی تاریخ الامم والملوک کی آخری دو جلدیں۔ ۳۔ ابن سعد کی طبقات کبیر کی بارہ کتابیں۔ ۴۔ ابن حزم کی الملل والنحل۔

دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ سے مولانا عمادی کی وابستگی سے متعلق ابوالخیر مودودی تحریر کرتے ہیں کہ دائرۃ المعارف نے تاریخ اور فلسفے کے علاوہ ہیئت و ہندسہ وغیرہ کی متعدد

کتابیں مشرقی زبانوں اور علوم کے یورپی ماہرین کے اشتراک سے ایڈٹ کیں۔ اس قسم کی تمام کتابوں کی تصحیح و تہذیب کے نگرانِ اعلیٰ عمادی صاحب مقرر کیے جاتے تھے۔ کتب خانہ آصفیہ کی مجلس مخطوطات میں وہ قلمی نسخوں کے مستند مبصر رہے۔ کسی موضوع و مضمون کی کتاب کی علمی قدر جانچنے میں ان کی نگاہ بڑی تیز تھی۔

مولانا عمادی کے لکھنے یا لکھوانے کے ڈھنگ کے بارے میں ابوالخیر مودودی لکھتے ہیں ''مقالہ ہو یا ترجمہ قلم برداشتہ لکھتے اور کسی پیراگراف یا صفحے میں شاذ و نادر کوئی لفظ قلم زد ہوتا۔ مدت سے خود لکھنا چھوڑ دیا تھا۔ ترجمہ لکھواتے تھے۔ ترجمہ لکھوانے کا ڈھنگ اکثر و بیشتر یہ ہوتا۔ ٹہلتے رہتے۔ کتاب ایک نظر دیکھتے اور فقرے روانی سے بول دیتے۔ خوبی یہ ہوتی کہ ترجمہ لفظی ہوتا۔''

مولانا عمادی کی وفات پر ان کے رفیق دیرینہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے تحریر کردہ تعزیتی مضمون ''آہ! مولانا عمادی'' میں لکھا ہے کہ دارالترجمہ میں مولانا اپنی لغات دانی، جدید عربی مصطلحات علمی کی واقفیت کے سبب بہت کار آمد ثابت ہوئے۔ وہ دارالترجمہ کی اصطلاحات سازی کی دو جماعتوں میں سے اس جماعت سے وابستہ تھے جو اردو میں عربی اصطلاحات کے رواج کی کوشاں تھی۔ مولانا سلیمان ندوی نے مزید لکھا ہے کہ مولانا عمادی حیدرآباد کی علمی مجلسوں اور محفلوں کے جز و ہو گئے تھے۔ دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ جو مملکت دکن کے دو اہم اور عظیم الشان علمی مرکز ہیں وہ ان دونوں کے مشیر اور رکن رکین تھے۔ مولانا سلیمان ندوی مضمون کے آخری حصے میں مولانا عمادی کی رحلت پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ''مرحوم مشرقی تعلیم کے ان نمونوں میں سے تھے جن کے مٹنے کے بعد ان کی جگہ ہمیشہ خالی رہے گی''۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 84, List No. 4, S.No. 668

مقدمہ: تقرر عبداللہ العمادی صاحب

2) Instalment No. 80, List No. 4, S.No.661

مقدمہ: اسکیم دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی

فرمان

ملاحظہ: یہ عرضداشت معینہ تعلیمات معروضہ ۲۔ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۳۹ھ جو دارالتراجم کے عربی مترجم مولوی عبداللہ العمادی صاحب کے استقلال کی نسبت ہے۔

حکم: مجلس اعلیٰ کی رائے کے مطابق مولوی عبداللہ العمادی صاحب کو دس سال تک موجودہ خدمت پر مستقل کرکے اونکی تنخواہ بھی مثل دوسرے مترجمین کے قرار دیا جائے۔

۱۲۔ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۳۹ھ۔ دوشنبہ (شرف دستخط مبارک اعلیٰحضرت بندگان عالی متعالی)

شرف دستخط (امین جنگ بہادر)

سید سلیمان ندوی

مولانا سید سلیمان ندوی ایک جید عالم، اعلیٰ درجے کے محقق، بلند پایہ مصنف، صاحب طرز انشا پرداز اور علامہ شبلی نعمانی کے عزیز شاگرد تھے۔ مولانا نے اپنے استاد محترم علامہ شبلی نعمانی کی طرح ریاست حیدرآباد میں ملازمت تو نہیں کی لیکن شبلی نعمانی کی ہی طرح حیدرآباد سے ان کی وابستگی طویل و دیرینہ تھی اور اہل حیدرآباد سے قریبی اور گہرے مراسم تھے۔ مولانا سلیمان ندوی ۱۹۱۱، ۱۹۲۷، ۱۹۳۵، ۱۹۳۷، ۱۹۴۴اور ۱۹۴۵ء میں یعنی سات بار حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ وہ سیرۃ النبی پراجکٹ، دارالمصنفین یا دارالعلوم ندوہ کی امداد کے حصول کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ کسی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لیے یا کسی خاص جلسے میں خصوصی مقرر کے طور پر مدعو کیے جانے پر حیدرآباد آیا کرتے تھے۔ ریاست کے حکمران نواب میر عثمان علی خان آصف سابع مولانا کی علمیت اور ذاتی خوبیوں کے معترف تھے۔ انہوں نے مولانا کو ایک سے زیادہ بار ملاقات کا موقع دیا تھا۔ شہر حیدرآباد میں ۱۹۳۵ء میں جو عالی شان جلسہ میلادالنبی منعقد ہوا تھا اس میں مولانا خصوصی مقرر کے طور پر مدعو تھے۔ اس جلسے میں آصف سابع بھی شریک تھے۔ مولانا سلیمان ندوی حیدرآباد کی علمی و تعلیمی سرگرمیوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ جامعہ عثمانیہ کے قیام و ترقی پر مسرت کا اظہار اور دارالترجمہ کی

کارکردگی کی ستائش کیا کرتے تھے۔ دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ کو وہ بے مثال علمی خزانے سمجھتے تھے۔مولانا نے ارباب ذمہ دار کی جانب سے اصرار کے ساتھ مدعو کیے جانے پر حیدرآباد میں علمی، ادبی انجمنوں اور جامعہ عثمانیہ و دیگر درس گاہوں میں کئی اجتماعات کو مخاطب کیا۔حیدرآباد کی جن اہم شخصیتوں سے مولانا کے خاص مراسم تھےان میں مہاراجا سرکشن پرشاد، عمادالملک، حبیب الرحمٰن خان شروانی (صدر یار جنگ)،فصاحت جنگ جلیل، بہادر یار جنگ، امجد حیدرآبادی اور جامعہ عثمانیہ و دارالترجمہ سے وابستہ بیشتر بیرونی مشاہیر شامل ہیں۔ وہ امجد حیدرآبادی کی شخصیت اور شاعری سے بے حد متاثر تھے اور انہوں نے ہی امجد کو رسالہ معارف کے ذریعے حکیم الشعرا کا خطاب دیا تھا۔(یہ معلومات پاکستان سے شائع شدہ دو کتابوں ''علامہ سید سلیمان ندوی اورحیدرآباد آصفی'' از مولانا غلام محمد اور ''فیضان دکن'' از شفقت رضوی سے ماخوذ ہیں۔)

یہ مضمون ریاست حیدرآباد کی جانب سے تصنیف سیرۃ النبی کی تکمیل کے لیے مولانا سلیمان ندوی کو دی گئی امداد اور مولانا کی ذات کے لیے جاری کردہ وظیفے سے متعلق قلم بند کیا جارہا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے زندگی کے آخری برسوں میں سیرۃ النبی کی تدوین کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔ وہ بڑے اہتمام اور تیاریوں کے ساتھ اس کام میں مشغول اور منہمک ہوگئے تھے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور وہ یہ کام مکمل نہ کرسکے۔سیرۃ النبی کے سلسلے میں شبلی نعمانی نے جو بھی کام کیا تھا مولانا سلیمان ندوی نے اسے ترتیب دے کر جلد اول و دوم کی شکل میں شائع کردیا اور اگلی جلدیں خود تصنیف کیں۔سیرۃ النبی چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔آصف سابع نے مولانا سلیمان ندوی کے نام اس تصنیف کی تکمیل کے لیے طویل عرصے تک ۲۰۰ کلدار ماہوار امداد منظور کی تھی۔ یہ امداد ۱۳۳۷ھ تا ۱۳۶۰ھ یعنی ۲۳ برسوں کے دوران دی گئی۔اس مدت میں چند وقفے بھی آئے۔اس پراجکٹ کی تکمیل کے لیے ریاست حیدرآباد سے مجموعی طور پر ۱۴ برس امداد دی جاتی رہی۔کسی اور عالم یا مصنف کو کسی خاص کتاب کی تکمیل کے لیے اتنی طویل مدت تک ریاست

حیدرآباد سے مالی امداد نہیں دی گئی۔

آصف سابع نے ۱۹۱۳ء میں علامہ شبلی نعمانی کی درخواست پر ان کا وظیفہ ایک سو روپے ماہانہ سے بڑھا کر تین سو روپے ماہانہ کر دیا تھا۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں شبلی نعمانی کے انتقال کے بعد ان کے فرزند کی درخواست پر ۳۰۰ روپے کا یہ وظیفہ شبلی کے قائم کردہ ادارہ دارالمصنفین کے نام جاری کر دیا گیا۔ چند سال بعد مولانا سلیمان ندوی کو سیرۃ النبی کی تکمیل کے لیے جاری کی جانے والی امداد کا دارالمصنفین کو دی جانے والی امداد سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دارالمصنفین اور مولانا سلیمان ندوی کو علاحدہ علاحدہ امداد دی جاتی رہی۔ ثانی الذکر امداد کی وجہ سے اول الذکر امداد متاثر نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی مقدار میں فرق آیا۔ مولانا سلیمان ندوی کو سیرۃ النبی کی تکمیل کے لیے ریاست حیدرآباد کی جانب سے جو مالی امداد دی گئی تھی اس کی تفصیلات منظر عام پر نہیں آئی ہیں۔ اس کارروائی سے متعلق چند اسلہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ کے ذخائر سے دستیاب ہوئی ہیں جن میں راز کی مراسلت بھی شامل ہے۔ ۱۹۲۰ء کے آس پاس دارالمصنفین میں انگریزوں کے خلاف سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ اس لیے حکومت برطانوی ہند کی ایما پر رزیڈنٹ حیدرآباد نے دوبار امداد کو مسدود کرنے کے بارے میں لکھا لیکن آصف سابع نے امداد مسدود کرنے کو خلاف مصلحت ظاہر کرتے ہوئے امداد جاری رکھی۔ سیرۃ النبی کی تکمیل کی غرض سے ریاست حیدرآباد سے دی گئی امداد اور مولانا سلیمان ندوی کی ذات کے لیے جاری کردہ وظیفے کے بارے میں جو مواد سرکاری اسلہ میں موجود ہے اس کی تفصیلات ذیل میں دی جارہی ہیں۔

مولانا سلیمان ندوی نے ایک درخواست مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۱۸ء آصف سابع کی خدمت میں پیش کی تھی۔ انہوں نے اگرچہ امداد کے لیے استدعا نہیں کی تھی مگر درخواست پیش کرنے کا اصل منشا اور مقصد یہی تھا کہ سیرۃ النبی جیسے اہم پراجکٹ کی تکمیل کے لیے ریاست کی جانب سے مالی اعانت کی جانی چاہیے۔ وہ اپنی درخواست میں لکھتے ہیں کہ اردو میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مفصل اور مستند سیرت مبارک نہیں لکھی گئی ہے۔ ہمارے تعلیم یافتہ

نوجوان روز بروز اپنی مذہبی تاریخ سے بیگانہ ہوتے جارہے ہیں۔ یوروپی مصنفین آنحضرت کی سوانح عمری تعصب کے رنگ میں لکھتے ہیں اور ہمارے نوجوانوں میں ان کتابوں کے پڑھنے سے بہت برا اثر پیدا ہورہا ہے۔ اس لیے علامہ شبلی نعمانی نے ملک وقوم کے تقاضہ شوق سے مجبور ہوکر بڑے پیمانے پر اور بڑے سروسامان سے سیرت نبوی کے مقدس کام کا آغاز کیا تھا۔ سرکار عالیہ بھوپال جن کو ان کاموں سے فطری ذوق و محبت ہے ۲۰۰ روپے ماہوار کے ذریعے دفتر سیرت نبوی کی امداد فرمائی۔ چنانچہ ۱۹۱۲ء سے اب تک یہ سلسلہ خیر جاری ہے۔ علامہ شبلی کی وفات کے بعد معروضہ گزار نے اس بار امانت کو اٹھایا اور مصنف کے مسودات کو ترتیب دیا اور اگلی جلدوں کی تصنیف شروع کی۔ مولانا نے اپنی درخواست کے ساتھ سیرۃ النبی کی پہلی جلد آصف سابع کی خدمت میں پیش کی۔ مولانا سلیمان ندوی کی اس درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ۲۰۰ کلدار ماہوار کی امداد دو سال کے لیے منظور کی گئی۔ اس سلسلے میں آصف سابع کا جو حکم مورخہ ۷ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ م ۹ فبروری ۱۹۱۹ء صادر ہوا تھا، اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

''عرضی سید سلیمان ندوی منسلک ہے بعد دیکھے واپس ہو۔ چونکہ سیرت النبی صلعم کا کام انجام پانا تمام مسلمانان ہند کے لیے خیر و برکت سے خالی نہیں ہے لہذا ہماری ریاست کی طرف سے دو سال کے لیے ماہ مبارک ربیع الاول شریف سنہ جاریہ سے ۲۰۰ روپے کلدار ماہوار اس غرض سے دیے جائیں کہ یہ متبرک کام بہت جلد اختتام کو پہنچے اور ہر ایک جلد کے پچیس نسخے ہمارے مدارس وغیرہ کے لیے خرید لیے جائیں اور میرا حکم صادر کر کے ان کی تقسیم عمل میں آئے۔''

امداد کو جاری ہوئے ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا تھا کہ رزیڈنسی سے ایک راز کا مراسلہ مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۲۰ء حکومت حیدرآباد کو وصول ہوا جس کا مضمون یہ تھا کہ حکومت ہند نے یہ مناسب خیال کیا ہے کہ برطانوی ہند کی ان تعلیم گاہوں کے متعلق جن سے آصف سابع کو دلچسپی ہے جو واقعات معلوم ہوں وہ ان تک پہنچا دیے جائیں۔ اس لیے رزیڈنٹ حیدرآباد نے شبلی نعمانی کے قائم کردہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے متعلق جو حالات معلوم ہوئے تھے روانہ

کرتے ہوئے لکھا کہ آصف سابع کی خدمت میں پیش کیے جائیں۔ اس نے دارالمصنفین کے بارے میں تحریر کیا کہ اس کے قیام کا منشا یہ تھا کہ محض تعلیمی امور سے اس کا تعلق رہے اور سیاسی معاملات سے اس کو کوئی سروکار نہ ہو۔ دارالمصنفین اپنے بانی کے منشا و اغراض کو نظر انداز کر کے سیاسی کارروائیوں کا مرکز بن گیا ہے اور باغیانہ نوعیت کی تحریریں اور خلافت سے متعلق رسالے اس کے مطبع سے شائع ہونے لگے ہیں۔ سلیمان ندوی جو خلافت وفد کے رکن کی حیثیت سے انگلستان گئے تھے واپسی کے بعد علی الاعلان تحریک ترک موالات کی حمایت کر رہے ہیں۔ حال میں انہوں نے ایک ہندو سوامی کے ساتھ مل کر گورکھپور میں تحریک ترک موالات کی تائید میں ایک جلسہ کیا اور اس میں تقریر کی۔ اس جلسے میں شریک ہندو سوامی کی تقریر نہایت قابل اعتراض تھی۔

رزیڈنٹ کے اس مراسلے کا خلاصہ بذریعہ عرضداشت آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا گیا جس پر آصف سابع کا حسب ذیل فرمان مورخہ ۲۴ شعبان ۱۳۳۹ھ م ۳ مئی ۱۹۲۱ء صادر ہوا۔

''سیرت النبی کی تدوین کی غرض سے جو رقم اس ریاست سے دارالمصنفین کو دی جارہی ہے وہ اس وقت تک ملتوی نہیں ہوسکتی جب تک یہ کام جاری رہے جو ایک مذہبی کام ہے یعنی اس امداد کو روکا نہیں جاسکتا جب تک کہ یہ کام بند نہ ہو جائے۔ یہی اطلاع رزیڈنسی کو دے دی جائے۔'' اس فرمان کے جاری ہونے کے بعد حسبہٗ اس مضمون کا ایک مراسلہ (راز) نشان ۱۶ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۲۱ء رزیڈنسی کو روانہ کر دیا گیا۔

سیرت النبی کی تکمیل کے لیے منظورہ امداد بغیر کسی رکاوٹ کے دو سال تک ایصال ہوتی رہی اور اس کے بعد مولانا سلیمان ندوی نے امداد میں توسیع کے لیے ایک درخواست روانہ کی جس کو صدر اعظم نے بذریعہ یادداشت مورخہ ۱۹ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ م ۱۸ جنوری ۱۹۲۲ء آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا۔ اس سلسلے میں صدر الصدور اور صدرالمہام فینانس نے دو سال کی توسیع دینے کی سفارش کی تھی۔ اس سفارش کو منظوری حاصل ہوئی اور اس سلسلے میں جو فرمان مورخہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ م ۲۳ فبروری ۱۹۲۲ء صادر ہوا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"صدر الصدور اور صدر المہام فینانس کی رائے کے مطابق امداد مذکور اور دو سال تک جاری رکھی جائے مگر کام جلد ہونے کی تاکید کی جائے اور اس کی نگرانی حتی الوسع رکھی جائے۔"

رزیڈنسی سے تقریباً دو سال بعد ایک اور مراسلہ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۲۲ء حکومت ریاست حیدرآباد کو وصول ہوا۔ اس مراسلے میں بھی یہی لکھا تھا کہ دارالمصنفین سیاسی کارروائیوں کا مرکز بنا ہوا ہے اور اس کے منتظمین سلیمان ندوی اور مسعود علی ندوی دونوں برطانوی حکومت کے سخت مخالف نیز تحریک ترک موالات اور مسئلہ خلافت کے موئید ہیں۔ رزیڈنٹ نے اس مراسلے کے آخر میں لکھا کہ آصف سابع کی خدمت میں یہ واقعات عرض کر دیے جائیں تاکہ وہ دارالمصنفین کی نسبت مزید حالات دریافت فرمانا پسند فرمائیں یا اس وقت تک کہ اس کی نسبت اچھی رپورٹ وصول ہو، امداد کو موقوف فرمائیں۔ اس مراسلے کو ایک یادداشت مورخہ ۲۶ صفر ۱۳۴۱ھ م ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے ذریعے آصف سابع کے ملاحظے کے لیے پیش کیا گیا۔ اس یادداشت پر آصف سابع کا جو فرمان مورخہ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ م ۱۲ نومبر ۱۹۲۲ء صادر ہوا اس کی عبارت ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

"رزیڈنسی کو اطلاع دی جائے کہ ہماری گورنمنٹ کی طرف سے دارالمصنفین کو جو امداد دی جا رہی ہے وہ صرف پیغمبر صلعم کی سوانح عمری کی تالیف و تصنیف کے لیے ہے نہ کہ پولیٹکل اغراض کے لیے۔ جب کہ یہ کام جاری ہے وہ کسی طرح موقوف نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ کام خود بخود رک نہ جائے ورنہ اگر اس کام کو روکا جائے گا تو مذہبی پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جس کا خوف ہم کو ابھی سے لگا ہوا ہے۔ خلافت کے بارے میں جو انسدادی کارروائی حیدرآباد میں ہوئی تھی اس پر سے جو شور و غوغا ہندوستان میں ہوا اور سربرآوردہ اخبارات میں جو رکیک آرٹیکل شائع ہوتے رہے اس سے آصف سابع کی پوزیشن کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ پس اس حالت میں گرانٹ مسدود کرنے کے متعلق مجبوری ہے ورنہ بخوشی مسدود کر دیا جاتا۔"

اس فرمان کی تعمیل میں رزیڈنسی کو ایک مراسلہ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۲ء محکمہ سیاسیات سے روانہ کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ منصرم صدر اعظم کو آصف سابع کے یہ احکام وصول ہوئے کہ جب

انہیں رزیڈنٹ سے ملاقات کا موقع ملے تو وہ بھی رزیڈنٹ سے اس کارروائی کا تذکرہ کر دیں۔ چنانچہ منصرم صدر اعظم نے رزیڈنٹ سے ملاقات پر اسے ساری کارروائی سمجھاتے ہوئے کہا کہ جو حکم آصف سابع کا اس بارے میں صادر ہوا ہے وہ بہ ہمہ وجوہ مبنی بر مصلحت وقت ہے نیز یہ کہ سرکار اعلیٰ کی طرف سے کام کو جلد ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ رزیڈنٹ نے پیام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ منصرم صدر اعظم اگر ایک چٹھی اسی مضمون کی لکھ دیں تو حکومت ہند کا جواب ادا کرنے میں رزیڈنٹ کے ہاتھ اور مضبوط ہو جائیں گے اور حکومت ہند کو اس سے تشفی بھی ہو جائے گی۔ تمام تفصیلات ایک یادداشت میں بیان کرتے ہوئے منصرم صدر اعظم نے لکھا کہ فرمان کے احکام کے مطابق رزیڈنٹ کو اس امر کی اطلاع دی جاسکتی ہے کہ سرکار اعلیٰ کی جانب سے اس مبارک کام کو ختم کروانے میں تعجیل کی جارہی ہے۔ اسی مضمون کا ایک مسودہ منظوری کے لیے آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا گیا جس پر آصف سابع کے یہ احکام جاری ہوئے ''مسودہ مناسب ہے، حسبہ، لکھ دیا جائے''۔ چنانچہ منظورہ مسودہ ایک مراسلے کی صورت میں رزیڈنٹ حیدرآباد کے نام جاری کر دیا گیا۔

رزیڈنٹ کے پاس آصف سابع کا روانہ کردہ پیام کہ سیرت النبی کے بارے میں ان کا حکم بہ ہمہ وجوہ مبنی بر مصلحت وقت ہے اس لحاظ سے واقعی مصلحت پر مبنی ہے کہ آصف سابع اصل میں حکومت ہند اور رزیڈنٹ کو جو امداد کی مسدودی کے لیے اصرار کر رہے تھے خاموش اور ٹھنڈا کرنا چاہتے تھے تاکہ اس اہم پراجکٹ کے لیے امداد جاری رہ سکے۔ سیرت النبی کی تکمیل کے لیے امداد کے ضمن میں آصف سابع کا رویہ کھل کر اس وقت سامنے آتا ہے جبکہ امداد کی چار سالہ مدت گزر چکی تھی۔ اس کے کچھ عرصے بعد مولانا سلیمان ندوی پھر امداد کی توسیع کے لیے درخواست دیتے ہیں جس پر سیرت النبی کی تکمیل کے لیے امداد نہ صرف ایک طویل عرصے تک جاری رکھی جاتی ہے بلکہ مولانا سلیمان ندوی کی ذات کے لیے بھی علاحدہ وظیفہ جاری کیا جاتا ہے۔ ایک اور بات جو اہم نوعیت کی حامل ہے یہ ہے کہ ایک دیسی ریاست کے حکمران کا ایک کتاب کی تکمیل کے لیے امداد کا جاری رکھنا اور اس ادارے کے ناظم کے نام وظیفہ جاری کرنا جو

برطانوی ہندوستان میں واقع تھا اور بدیسی حکومت کی نظر میں جس کی سرگرمیاں باغیانہ تھیں بڑی جرات کی بات ہے۔ آج کے دور میں کون نہیں جانتا کہ ماتحت حکومتیں کوئی ایسا اقدام کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتیں جس سے ان کی ''ہائی کمان'' کی پیشانی پر بل پڑیں۔ اقتدار وقت کی خوشنودی اور رضا مندی سے ہٹ کر کوئی بہت بڑا اقدام کرنا اور اس کی مسلسل مدافعت کرنا جرات کے ساتھ اعلیٰ ظرفی اور ایک عظیم کاز سے وابستگی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کو سیرۃ النبی کی تکمیل کے لیے ریاست حیدرآباد کی جانب سے ابتدا میں ۲۰۰ کلدار کی امداد ماہ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ سے دو سال کے لیے منظور کی گئی۔ اس کے بعد اس امداد میں مزید دو سال کی توسیع ہوئی جس کی مدت ۲۹ صفر ۱۳۴۱ھ کو ختم ہوئی۔ چار سال کی مدت ختم ہوجانے کے بعد غالباً ناسازگار حالات اور انگریزوں کے مخالفانہ رویے کو بھانپ کر مولانا سلیمان ندوی نے مزید امداد کے لیے فوراً کوئی درخواست نہیں دی اور انہوں نے اس سلسلے میں ایک عرصے تک خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ تقریباً پانچ سال بعد وہ آصف سابع کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اس امداد کو دوبارہ جاری کرنے کے لیے ایک درخواست دی۔ اس درخواست مورخہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ م ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں مولانا نے لکھا کہ سیرۃ النبی کے تین حصے شائع ہوچکے ہیں اور بقیہ حصے زیر تالیف ہیں اور یہ کام آٹھ دس سال تک جاری رہے گا۔ اس درخواست میں انہوں نے دوسری کتابوں کی اشاعت کے پروگرام کی تفصیلات بھی درج کیں۔ آخر میں مولانا نے تاریخ مسدودی سے امداد کو مستقل طور پر جاری کرنے کی درخواست کی۔ مولانا سلیمان ندوی کی اس درخواست کے بارے میں ایک عرضداشت مورخہ ۱۴ شعبان ۱۳۴۷ھ م ۲۶ جنوری ۱۹۲۹ء ارباب ذمہ دار کی سفارشات کے ساتھ آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی۔ صدر الصدور اور صدر المہام امین جنگ نے اس امداد کو مستقل کردینے کی سفارش کی تھی جبکہ اراکین باب حکومت کی بالاتفاق سفارش یہ تھی کہ امداد دو سال کے لیے جاری کی جائے۔ باب حکومت کے اراکین کی سفارش کو منظوری حاصل ہوئی۔ اس سلسلے میں آصف سابع کا جو فرمان مورخہ ۱۵ شوال ۱۳۴۷ھ م ۲۷ مارچ ۱۹۲۹ء صادر ہوا تھا اس کی عبارت ذیل میں

درج کی جاتی ہے۔

''کونسل کی رائے مناسب ہے کہ سردست تکمیل سیرۃ النبی صلعم کے لیے حسب سابق ۲۰۰ روپے ماہوار تاریخ حکم ہذا سے دو سال کے لیے جاری کی جائے۔''

اس فرمان کی تعمیل میں دو سال تک امداد جاتی رہی اور ۲۲ اردی بہشت ۱۳۴۰ ھ م ۲۷ مارچ ۱۹۳۱ء کو دو سالہ مدت ختم ہوئی۔ اس کے بعد مولانا سلیمان ندوی نے ایک اور درخواست روانہ کی جس میں انہوں نے لکھا کہ سیرۃ النبی ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے اس کی تین جلدیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ چوتھی جلد جو گزشتہ دو برسوں میں تمام ہوئی ہے چھپ رہی ہے۔ پانچویں جلد ۱۹۳۱ء و ۱۹۳۲ء میں مکمل ہو گی۔ اس کے بعد چھٹی جلد کی نوبت آئے گی اور اسی جلد پر سیرت کی تکمیل ہو گی۔ انہوں نے امداد کو دو سال کی مدت کے بجائے مستقل طور پر جاری رکھنے کا حکم صادر کرنے کی درخواست کی۔ اس سلسلے میں ایک عرضداشت مورخہ ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۱ ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۲ء آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اس عرضداشت میں مولانا کی درخواست کے خلاصے کے علاوہ ناظم امور مذہبی، محکمہ فینانس اور باب حکومت کی یہ سفارشات شامل تھیں کہ اس امداد کو مزید تین سال تک جاری رکھا جائے۔ عرضداشت میں پیش کردہ سفارشات کو منظوری حاصل ہوئی اور اس بارے میں حسب ذیل فرمان مورخہ ۲۴ جمادی الاول ۱۳۵۱ ھ م ۲۶ ستمبر ۱۹۳۲ء جاری ہوا۔

''کونسل کی رائے کے مطابق امداد مذکور مزید تین سال تک جاری رکھی جائے۔''

اس امداد کا سلسلہ تین سال تک یعنی ۲۶ مارچ ۱۹۳۴ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد مولانا نے ایک درخواست کے ذریعے امداد کو مستقل کر دینے کی استدعا کی۔ اس سلسلے میں ایک عرضداشت مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء آصف سابع کے ملاحظے کے لیے پیش کی گئی۔ جس میں کونسل کی یہ سفارش شامل تھی کہ جو امداد بغرض تکمیل سیرۃ النبی دی جاتی ہے اس کی مدت میں تاریخ ختم مدت منظورہ سے سردست مزید تین سال کی توسیع مناسب ہے جس سے فینانس کو بھی اتفاق ہے۔ اس عرضداشت کو پیش کرنے کے بعد جب دس ماہ کے عرصے تک بھی کوئی حکم صادر نہیں ہوا

تو ایک اور عرضداشت مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۳۶ء آصف سابع کی یاد دہانی کے لیے پیش کی گئی۔ یوں تو کونسل نے امداد میں مزید تین سال کی توسیع دینے کی سفارش کی تھی لیکن آصف سابع نے پانچ سال کی توسیع مرحمت فرمائی۔ امداد کے سلسلے میں حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء صادر ہوا۔

''کونسل کی رائے کے مدنظر امداد مذکور تاریخ ختم مدت منظورہ سابقہ سردست مزید پانچ سال تک جاری رکھی جائے۔''

سیرۃ النبی کی تکمیل کے لیے امداد کی پانچویں اور آخری منظوری جاری ہونے پر یہ امداد تاریخ ختم مدت منظورہ یعنی مارچ ۱۹۳۴ء سے مارچ ۱۹۳۹ء تک جاری رہی۔ اس طرح ریاست حیدرآباد کی جانب سے چودہ سال تک اس معرکتہ الارا کتاب کے لیے امداد دی جاتی رہی اور مالی امداد کا یہ سلسلہ اس کتاب کے مکمل ہونے تک جاری رہا۔ امداد مارچ ۱۹۳۹ء تک جاری رہی اور سیرۃ النبی کی چھٹی اور آخری جلد بھی ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی۔

مولانا سید سلیمان ندوی کس محنت، عرق ریزی اور عالمانہ انداز سے سیرۃ النبی کی جلدیں تصنیف کر رہے تھے اس کا آصف سابع کو بخوبی اندازہ تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مولانا علمائے دین اور اہل قلم حضرات میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ اس طرح آصف سابع مولانا سید سلیمان ندوی کے کام اور نام سے تو واقف تھے ہی لیکن جب انہوں نے مولانا کو باریابی کا موقع دیا تو ان کی تیز نگاہوں نے مولانا کی اور بھی ذاتی خوبیوں کو تاڑ لیا۔ ان باتوں کے پیش نظر آصف سابع، مولانا کو معاشی طور پر یکسوئی بہم پہنچانے کے لیے ان کے نام علاحدہ وظیفہ جاری کرنا چاہتے تھے۔ اس بارے میں آصف سابع نے راست فرمان جاری کرنے کی بجائے اپنا عندیہ کونسل کو روانہ کیا تاکہ کونسل یہ تجویز اپنی سفارشات کے ساتھ بذریعہ عرضداشت ان کی خدمت میں منظوری کے لیے پیش کرے۔ اس سلسلے میں جو فرمان مورخہ ۲۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۴ نومبر ۱۹۳۷ء صادر ہوا تھا اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''میں یوم سہ شنبہ گذشتہ ۲۷ شعبان مولوی سید سلیمان صاحب ندوی

سے ملا تھا جو کہ کسی کام پر مدراس گئے تھے اور وہاں سے اس طرف چلے آئے تھے۔ یہ بہت اہم کام انجام دے رہے ہیں جو کہ تکمیل سیرت النبی کا ہے جس کی ابتدا مولوی شبلی نعمانی نے کی تھی اور جو کہ مذہب اسلام کا ایک مہتم بالشان کارنامہ ہے۔ چونکہ ان کو اس کام یا خدمت کے لیے اس ریاست سے ۳۰۰ روپے ماہوار ملا کرتی ہے وہ مایحتاج زمانہ کے لحاظ سے (جب کہ ہر شئے کی قیمت گراں ہوگئی ہے) اس وقت ان کو کافی نہیں ہوتی جو کہ رات دن اس کام کی انجام دہی میں مصروف رہا کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے فی زمانہ ان سے بہتر اس قسم کا مذہبی کام انجام دینے والا بمشکل مل سکے گا جو کہ طبقہ علما واہل قلم میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا میرے خیال میں ان کے موجودہ اذوقہ میں اگر ایک صد کلدار کا اضافہ یکم آوزن جاریہ سے ہوجائے تو ان کی حوصلہ افزائی کا موجب ہوگا اور دوسری طرف مولوی صاحب کو سہولت زندگی میں مدد ملے گی۔ مجھے توقع ہے کہ میری اس تجویز سے کونسل کو اتفاق ہوگا کہ مزدور خوش دل کند کار بیش۔''

مندرجہ بالا فرمان میں تھوڑی سی سہو ہوئی ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ تکمیل سیرۃ النبی کے لیے مولانا سلیمان ندوی کو ریاست حیدرآباد سے تین سو روپے ماہوار امداد دی جارہی ہے۔ یہ بیان درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ یہ تین سو روپے ماہوار، مستقل امداد کے طور پر ادارہ دارالمصنفین کو مل رہی تھی اور سیرۃ النبی کی تکمیل کے لیے ابتدا میں ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء کو دو سال کے لیے دو سو روپے ماہوار امداد منظور ہوئی تھی جس میں وقتاً فوقتاً توسیع ہوتی رہی۔

عرضداشت مورخہ ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جولائی ۱۹۳۸ء میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کونسل کی یہ سفارش پیش کی گئی کہ مولانا سلیمان ندوی کی ذات کے لیے ایک سو روپے ماہوار کی اجرائی مناسب ہوگی۔ اس سفارش پر حسب ذیل فرمان مورخہ ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ جولائی ۱۹۳۸ء صادر ہوا۔

''کونسل کی رائے کے مطابق مولوی سلیمان ندوی کے نام ان کی ذات کے لیے ایک سو روپے ماہوار جاری کی جائے جو اس ماہوار کے علاوہ ہوگی جو دارالمصنفین اعظم گڑھ کے لیے تکمیل سیرت مبارک وغیرہ کی غرض سے اجرا ہے۔''

سیرۃ النبی کی تکمیل کے لیے مالی امداد جاری کیے جانے کے سلسلے میں آصف سابع کا جو پہلا فرمان مورخہ ۲۷ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ صادر ہوا تھا اس میں یہ حکم بھی شامل تھا کہ اس کتاب کے پچیس پچیس نسخے مدارس کے لیے خریدے جائیں۔ چنانچہ اس کتاب کی چھ جلدوں کے پچیس پچیس نسخے دارالمصنفین سے وصول ہوئے تھے ان میں سے چار چار نسخے آصف سابع کی خدمت میں پیش کیے گئے اور بقیہ نسخے مدارس میں تقسیم کی غرض سے دفتر ناظم تعلیمات پر روانہ کر دیے گئے۔

ان تمام تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سلیمان ندوی نے اپنی زندگی کے بڑے اور بیش قیمت حصے کی تحقیقی، علمی اور ادبی کاوشوں کا جو نچوڑ اپنی تمام تر تخلیقی اور وجدانی کیفیات کے ساتھ سیرۃ النبی کی چھ جلدوں میں سمویا ہے وہ شاید ممکن نہ ہوتا اگر ریاست حیدرآباد کی جانب سے چودہ سال اس پراجکٹ کی مالی اعانت نہ کی جاتی۔ نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کے علمی کارناموں میں ان کا یہ کارنامہ یقیناً یاد رکھا جائے گا۔ ☆

ماخذ

1) Instalment No. 79, List No. 3, S.No.770

تنخواہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم و عطائے ماہوار دو سو کلدار برائے اشاعت کتب سیرۃ النبی (ﷺ) بہ سید سلیمان ندوی

2) Instalment No. 78, List No. 5, S.No.99

نسبت اضافہ امداد دارالمصنفین اعظم گڑھ برائے تکمیل سیرۃ النبی (ﷺ) واجرائی ماہوار بنام مولوی سید سلیمان صاحب ندوی ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

حکم

عرضی سید سلیمان ندوی منسلکہ پیش بعد دیکھی واپس ہو۔ چونکہ سیرۃ النبی صلعم کا کام انجام پانا تمام مسلمانان ہند کے لئے خیر و برکت سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا ہماری ریاست کی طرف سے دو سال کے لئے ماہ مبارک ربیع الاول شریف سنہ جاریہ سے دو سو روپیہ کلدار ماہوار اس غرض سے دئے جائیں کہ یہ متبرک کام بہت جلد اختتام کو پہونچے اور ہر ایک جلد کے پچیس نسخے ہمارے مدارس وغیرہ کے لئے (مصنف یا وہ شخص سے جو ترتیب دے رہا ہے) خرید کئے جائیں۔ اور میرا حکم حاصل کرکے اونکی تقسیم عمل میں آئے۔

(زیر دستخط مبارک اعلیٰحضرت بندگانعالی مدظلہ العالی)

۷ - جمادی الاول ۱۳۳۷ھ۔ یکشنبہ

(زیر دستخط) امین جنگ بہادر

نقل مطابق اصل

فرمان

بملاحظہ :۔ عرضداشت صدر اعظم معروضہ ۲۷ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ جو مولانا شبلی مرحوم کے دار المصنفین کی نسبت گورنمنٹ آف انڈیا نے جو اطلاع دی ہے اوسکے متعلق ہے۔

حکم :۔ سیرۃ النبی کی تدوین کی غرض سے جو رقم اس ریاست سے دار المصنفین کو دی جا رہی ہے وہ اس وقت تک ملتوی نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ کام جاری رہے جو ایک مذہبی کام ہے یعنے اس امداد کو روکا نہیں جا سکتا جب تک کہ یہ کام ختم نہ ہو جائے۔ یہی اطلاع رزیڈنسی کو دیدی جائے۔ (دستخط مبارک اعلیحضرت بندگانعالی مد ظلہ)

۲۴ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ شنبہ

نقل مطابق اصل

سیکریٹری

رجسٹرار

باب حکومت سرکار عالی

فرمان

۲۶

ملاحظہ:- عرضداشت صیغہ سیاسیات معروضہ ۲۹- صفر المظفر ۱۳۴۱ھ جو دار المصنفین اعظم گڈھ کی امداد کے نسبت ریزیڈنسی کی تحریک کے متعلق ہے۔

حکم:- ریزیڈنسی کو اطلاع دی جائے کہ ہماری گورنمنٹ کی طرف سے دار المصنفین کو جو امداد دی جا رہی ہے وہ حضرت پیغمبر صلعم کی سوانح عمری کی تالیف و تصنیف کیلئے ہے نہ کہ پولیٹکل اغراض کیلئے۔ اور جبکہ یہ کام جاری ہے تو ایسی صورت میں ہماری طرف سے جو امداد دی جا رہی ہے وہ کسی طرح موقوف نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ کام خود بخود ترک نہ ہو جائے۔ ورنہ اگر اس کام کو روکا جائے گا تو ایک مذہبی پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جیسا کہ خوف بکرا عید سے لگا ہوا ہے۔ چنانچہ خلافت کے بارہ میں جو ایسی کارروائی حیدرآباد میں ہوئی تھی اس پر سے جو شور و غوغا ہندوستان میں ہوا اور سربرآوردہ اخبارات میں جو رنگ آرٹیکل مسلسل شائع ہوتے رہے اس سے نظام کے پوزیشن کو بہت کچھ نقصان پہنچا ہے۔ پس ایسی حالت میں گرانٹ مسدود کرنے کے متعلق مجبوری ہے ورنہ بخوشی فوراً مسدود کر دیا جاتا۔ (شرف خط مبارک اعلیٰحضرت بندگانعالی مد ظلہ العالی)

۲۲- ربیع الاول شریف ۱۳۴۱ھ

نقل مطابق اصل

[signature]

فرمان

ملاحظہ: — عرضداشت صیغہ امور مذہبی معروضہ ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ جو مولوی سید سلیمان ندوی کی ماہوار کی نسبت ہے۔

حکم: — کونسل کی رائے کے مطابق مولوی سید سلیمان ندوی کے نام ان کی ذات کیلئے ایکسو روپیہ ماہوار جاری کی جائے جو دس ماہوار کے علاوہ ہوگی جو دار المصنفین اعظم گڈہ کے لئے تکمیل سیرت مبارک وغیرہ کی غرض سے اجراء ہے۔ [signature]

۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

مرزا ہادی رسوا

مرزا محمد ہادی رسوا کو ان کے علم وفضل کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی بلند پایہ تخلیقی صلاحیتوں کے باعث اردو دنیا میں شہرت دوام حاصل ہوئی۔ رسوا ریاضیات، فلسفہ، فلکیات اور موسیقی میں دستگاہ رکھنے کے علاوہ فارسی، عربی، انگریزی اور عبرانی پر عبور رکھتے تھے۔ وہ ماہر مترجم بھی تھے۔ ادب میں انہوں نے شاعری اور ناول کی جانب توجہ کی۔ وہ اردو کے بہت بڑے ناول نویسوں میں گنے جاتے ہیں اور ان کے ناول امراؤ جان ادا کا اردو کے بہترین ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

جامعہ عثمانیہ اور دارالترجمہ کا قیام عمل میں آنے پر جو ممتاز ماہرین تعلیم، اساتذہ اور مترجم حیدرآباد آئے تھے ان میں مرزا محمد ہادی رسوا بھی شامل تھے۔ دارالترجمہ میں جب ان کا مترجم کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا وہ کرسچین کالج لکھنو کی ملازمت چھوڑ کر مستقلاً حیدرآباد منتقل ہوگئے اور وفات پانے تک دارالترجمہ میں برسر خدمت رہے۔

دارالترجمہ میں رسوا کی ملازمت کے بارے میں تفصیل سے نہیں لکھا گیا ہے اور جو کچھ بھی لکھا گیا ہے درست نہیں ہے۔ مرزا محمد ہادی رسوا عمر میں مولانا عبدالماجد دریابادی سے کافی بڑے تھے اسی لیے بعض مضمون نگاروں نے بلا تحقیق رسوا کو مولانا عبدالماجد کا پیشرو مترجم ظاہر کیا ہے۔ بعضوں نے دونوں مترجمین کا دور ایک بتایا ہے۔ حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالترجمہ کے لیے سب سے پہلے جن چند مترجمین کا تقرر ہوا تھا مولانا عبدالماجد ان میں شامل تھے لیکن وہ تقریباً ایک سال کام کرنے کے بعد دارالترجمہ کی خدمت سے مستعفی ہوگئے۔ مولانا عبدالماجد کے مستعفی ہونے سے فلسفہ کے مترجم کی جو خدمت خالی ہوئی تھی اسی پر رسوا کا تقرر عمل میں آیا۔ رسوا نے دارالترجمہ میں بارہ سال سے زیادہ مدت تک مترجم کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ رسوا نہ صرف یہ کہ غیر ملکی تھے بلکہ دارالترجمہ کی خدمت پر رجوع ہونے کے وقت ان کی عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر چکی تھی لیکن ان کی علمیت اور قابلیت کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں دونوں پابندیوں سے استثنا دیا گیا۔ اس ملازمت کے دوران دوبار انہیں ترقی کے مواقع ملے مگر بدقسمتی سے وہ ترقی نہ پاسکے۔ رسوا کے تقرر، زائد تنخواہ کی مشروط منظوری اور ناظر ادبی کی خدمت پر ترقی کے سلسلے میں جو کارروائیاں ہوئی تھیں اس کی تفصیلات آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ سرکاری مسلوں میں موجود ہیں۔ اس دستاویزی اور مستند مواد کا ترتیب وار خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

دارالترجمہ کے مترجم کی خدمت سے مولانا عبدالماجد کے مستعفی ہونے پر آصف سابع کا حسب ذیل فرمان صادر ہوا تھا۔

”جبکہ عبدالماجد نے بطور خود استعفا پیش کردیا ہے تو وہ منظور کرلیا جائے اور ان کی جگہ دوسرے لائق اشخاص کے نام پیش کر کے میری منظوری حاصل کرلی جائے۔“

اس سلسلے میں کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے ناظم دارالترجمہ نے درخواستیں طلب کرنے کے لیے ایک اشتہار اخبارات میں شائع کروایا تھا۔ درخواستوں اور تراجم کے نمونہ جات کی وصولی کے بعد امیدوار کے انتخاب کی غرض سے ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس سے ناظم دارالترجمہ نے تمام درخواستیں اور تراجم کے نمونے رجوع کیے۔ اس کمیٹی نے امیدواروں کی قابلیت وخصوصیات اور سررشتہ ترجمہ کی ضروریات پر غور کیا اور کافی بحث وغور کے بعد بالاتفاق یہ رائے ظاہر کی کہ تمام امیدواروں میں مرزا محمد ہادی پروفیسر کرسچین کالج لکھنو اس خدمت کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہیں کیونکہ وہ اردو زبان کے مشہور نثر نگار اور انشا پرواز ہونے کے

علاوہ انگریزی میں فلسفہ کے بی اے بھی ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا تقرر ہر حیثیت سے مفید ہوگا۔
اس سلسلے میں ناظم دارالترجمہ کی جانب سے پیش کردہ تحریک سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسوا اس خدمت کی ابتدائی تنخواہ (۳۰۰) روپے پر کام کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ اس خدمت کے لیے (۴۰۰) روپے ماہوار تنخواہ چاہتے تھے۔ رسوا کی لیاقت اور قابلیت کا لحاظ کرتے ہوئے معتمد عدالت اور صدرالصدور نے بمشاہرہ (۴۰۰) روپے ماہوار ان کے تقرر کی سفارش کی۔

اوپر بیان کردہ کارروائی کی بنیاد پر معتمد فینانس کی جانب سے ایک یادداشت مورخہ ۱۴ شوال ۱۳۳۷ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۱۹ء آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں درخواست کی گئی تھی کہ رسوا کا تقرر (۴۰۰) روپے ماہوار ابتدائی یافت پر اس طرح منظور کیا جائے کہ وہ (۳۰۰) روپے تنخواہ اور (۱۰۰) روپے پرسنل الاونس پاتے رہیں اور جیسے جیسے انہیں اضافہ تدریجی حاصل ہوں یہ پرسنل الاونس اس میں جذب ہوتا رہے۔ چونکہ مرزا محمد ہادی رسوا غیر ملکی تھے اور ان کی عمر (۶۰) سال سے زیادہ تھی اس لیے اس یادداشت میں زیادہ عمر اور قید ملکی سے استثنا دینے کی بھی درخواست کی گئی تھی۔ اس یاداشت کو منظوری حاصل ہوئی اور رسوا کے تقرر کے لیے آصف سابع کا جو فرمان مورخہ ۱۸ شوال ۱۳۳۷ھ م ۱۷ جولائی ۱۹۱۹ء صادر ہوا تھا اس کی عبارت درج ذیل ہے۔

"معتمد فینانس کی رائے کے مطابق جائداد مذکورہ پر مرزا محمد ہادی کا تقرر بماہوار ابتدائی (۳۰۰) روپے اور پرسنل الاونس (۱۰۰) روپے کیا جائے اور ان کو تدریجی اضافہ جیسے جیسے دیا جائے گا ویسے ویسے پرسنل الاونس میں کمی اسی مقدار میں کی جائے۔"

تقرر کے احکام صادر ہونے پر مرزا محمد ہادی رسوا ۹ اگست ۱۹۱۹ء کو رجوع خدمت ہوئے۔
تقریباً تین سال تک مترجم کی خدمت پر کام کرنے کے بعد انہیں ناظر ادبی کی خدمت پر ترقی کا موقعہ ملا تھا مگر وہ ناظر ادبی کی خدمت پر ترقی نہیں پاسکے۔ اس کی تفصیلات یہ ہیں۔ آصف سابع کے احکام پر حیدر نظم طباطبائی بوجہ پیرانہ سالی ناظر ادبی کی خدمت سے سبکدوش کردیے گئے تھے۔ اس کے بعد ناظم دارالترجمہ نے تحریک کی کہ ادبی نقطہ نظر سے ترجموں کے مسودات کی تنقید

لازمی ہے اسی لیے ۵۰۰ تا ۶۰۰ روپے گریڈ کا ایک عہدہ اس غرض سے قائم کر کے اس پر مرزا محمد ہادی کا تقرر جو اس وقت ۴۲۵ روپے پا رہے ہیں بمشاہرہ ۵۰۰ روپے کیا جائے۔ ناظم دارالترجمہ کی یہ تحریک مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ نے منظور کی اور صدر اعظم نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے ایک یادداشت مورخہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۲۲ء آصف سابع کی خدمت میں پیش کی۔ اس یادداشت پر رسوا کو ترقی کی منظوری دینے کی بجائے آصف سابع نے وظیفہ پر علاحدہ کردہ ناظر ادبی حیدر نظم طباطبائی کو پھر اسی خدمت پر بحال کر دیا۔ اس بارے میں جو فرمان مورخہ ۸ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ م ۲ اگست ۱۹۲۲ء صادر ہوا تھا اس کی عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔۔

''میں نے گو حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی کی پیرانہ سالی کا خیال کر کے ان کو وظیفہ پر علحدہ کر دیا تھا مگر بعد کو معلوم ہوا اور میں نے خود بھی دیکھا کہ ان کے قویٰ ابھی کام کرنے کے لائق ہیں گو پیرانہ سالی موجود ہے۔ اس لیے اس امر کے مدنظر دو سال کے لیے سابقہ خدمت پر میں ان کو ۱۵ ذی الحجہ سن جاریہ سے بحال کرتا ہوں۔ اس کا انتظام کیا جائے اور ان کو میرے حکم سے مطلع کیا جائے۔''

حیدر نظم طباطبائی کی دو سالہ میعاد ختم ہونے کے بعد انہیں مزید دو سال کی توسیع دی گئی اور جب وہ ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ م ۱۱ جولائی ۱۹۲۶ء کو قطعی طور پر سبکدوش ہو گئے ایک بار پھر ناظر ادبی کی خدمت خالی ہوئی۔ اس وقت دارالترجمہ میں جوش ملیح آبادی آ چکے تھے۔ اس خدمت کے لیے تین درخواست گزار تھے جن میں جوش بھی ایک تھے۔ ناظم دارالترجمہ (مولوی عنایت اللہ) نے ان درخواست گزاروں کے تعلق سے لکھنے کے بعد شعبہ کے دو اراکین مرزا محمد ہادی رسوا اور مولوی عبداللہ عمادی کے نام بھی پیش کیے تھے اور ان کے بارے میں علاحدہ علاحدہ سفارش لکھی تھی۔ رسوا کے بارے میں انہوں نے لکھا تھا'' مرزا محمد ہادی اس وقت فلسفہ کی کتاب کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ اردو ترجموں میں ادبی اصلاح دینے کی خدمت وہ کئی بار پہلے بھی حیدر یار جنگ بہادر کے زمانہ رخصت یا علاحدگی میں انجام دے چکے ہیں۔ مرزا صاحب انگریزی زبان اور

السنہ مشرق سے واقف ہونے کے علاوہ اردو نثر میں بھی اپنی تصانیف کی وجہ سے بہت شہرت رکھتے ہیں۔اس وقت وہ ۳۵۰۔۶۰۰ روپے کے گریڈ میں مترجم درجہ اول کا عہدہ رکھتے ہیں۔ ناظر ادبی کی تنخواہ صرف ۵۰۰ روپے ہے۔اگر مرزا صاحب کا گریڈ جو اس وقت ان کو حاصل ہے بدستور قائم رکھتے ہوئے ادبی تنقید ان کے سپرد کی جائے تو نہ صرف اصلاح زبان بلکہ ضرورت کے وقت مشکل انگریزی کتابوں کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ انجام دے سکیں گے۔''

ناظم دارالترجمہ کے بعد معتمد عدالت وکوتوالی اور امور عامہ (اکبر یار جنگ) نے رسوا کی قابلیت اور مسلمہ زبان دانی کا بہت اچھے الفاظ میں اعتراف کیا مگر انہوں نے اس کارروائی کا رخ ہی موڑ دیا اور اس طرح رسوا کو مقابلے سے باہر کر دیا۔انہوں نے رسوا کے بارے میں حسب ذیل رائے دی تھی۔

> ''ناظم موصوف نے مرزا محمد ہادی مترجم فلسفہ کو ان کے موجودہ گریڈ پر قائم رکھ کر ناظر ادبی کا کام سپرد کرنے کی رائے عرض کی ہے۔اگرچہ مرزا محمد ہادی کی قابلیت اور زبان دانی مسلم ہے لیکن اس وقت وہ ایک مفید اور اہم کام کر رہے ہیں۔اب اس کو چھوڑ کر دوسرا کام ناظر ادبی کا ان کے سپرد کرنا کچھ مناسب نہیں پایا جاتا اور دونوں کام کا بوجھ ان کے سن و سال و حالت صحت کے لحاظ سے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔اس لیے دونوں کام کا باحسن وجوہ انجام پانا ناممکن ہے اور ایک ایسے قابل ترین آدمی کی قابلیت سے پورا فائدہ اسی حالت میں اٹھایا جا سکتا ہے جبکہ وہ مختلف ذمہ داریوں سے آزاد رکھا جائے اور مجھے کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ اپنے اہم ترین کام سے ہٹا دیے گئے تو ان کا کوئی موزوں جانشین بآسانی مل سکے گا۔''

معتمد عدالت وکوتوالی وامور عامہ نے ناظر ادبی کی خدمت پر جوش ملیح آبادی کے تقرر کے بارے میں جو رائے (بھر پور سفارش) دی تھی اس سے مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کے اراکین نے پوری طرح اتفاق کیا۔اس بارے میں صیغہ عدالت کی جانب سے عرضداشت مورخہ ۲۱ صفر

۱۳۴۵ھ م ۳۱ اگست ۱۹۲۶ء آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی اور آصف سابع نے ناظر ادبی کی خدمت پر جوش کے تقرر کے احکام صادر کیے۔ اس طرح رسوا دوسری بار بھی ناظر ادبی کی خدمت پر ترقی نہیں پاسکے۔ اس کے بعد رسوا کے لیے آخر تک ناظر ادبی کی خدمت پر ترقی کا کوئی موقع ہی نہیں تھا کیونکہ رسوا کے انتقال کے بعد بھی جوش تقریباً تین سال تک ناظر ادبی کی خدمت پر فائز تھے۔

مرزا محمد ہادی رسوا ۹ اگست ۱۹۱۹ء کو دارالترجمہ میں فلسفہ کے مترجم کی خدمت پر رجوع ہوئے تھے اور وفات پانے تک اسی خدمت پر کام کرتے رہے۔ اس طرح دارالترجمہ میں ان کی ملازمت کی مدت (۱۲) سال (۲) ماہ ہوتی ہے اور ملازمت کے آخری سال ان کی ماہانہ یافت ۵۰۰ روپے تھی۔ رسوا کا انتقال ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۱ کو حیدرآباد میں ہوا اور وہ یہیں سپرد لحد کیے گئے۔

رسوا نے فلسفہ، منطق اور نفسیات کی چند اہم تصانیف کا ترجمہ کیا تھا۔ سررشتہ تالیف و ترجمہ (دارالترجمہ) کی جانب سے رسوا کی حسب ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔

(۱) جمہوریہ افلاطون (۲) مفتاح الفلسفہ (۳) مبادی علم النفس (۴) تاریخ فلسفہ اسلام

(۵) مفتاح المنطق (حصہ اول و حصہ دوم) (۶) حکمۃ الاشراق

(۷) معاشرتی نفسیات (۸) اخلاق نقوماچس

رسوا کی یہ تمام کتابیں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کی لائبریری میں موجود ہیں۔ اردو زبان میں وضع اصطلاحات کے لیے ماہرین کی جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اس میں بحیثیت رکن رسوا کو بھی شامل کیا گیا تھا۔

رسوا دارالترجمہ میں ترجمے کے فرائض انجام دینے کے علاوہ ضرورت پڑنے پر درس و تدریس کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ جامعہ عثمانیہ میں فلسفہ اور منطق پڑھانے والے پروفیسر جب رخصت پر ہوتے تھے رسوا ان کی بجائے طلبہ کو فلسفہ اور منطق کا درس دیا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو مضمون ''جوش حیدرآباد میں سترہ برس بعد'' از سید معین الدین قریشی، شائع شدہ

ماہنامہ صبا حیدرآباد، اگست، ستمبر ۱۹۶۶)۔۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 80, List No. 4, S.No.662

تقررات دارالترجمہ

۲) فہرست عہدیداراں سول محکمہ جات حکومت حیدرآباد ۱۹۳۱ء

فینانس

حکم

ملاحظہ: ۔ عرضداشت صیغہ فینانس مورخہ ۱۰ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ جو دارالترجمہ میں مترجمی کی خدمت پر عبدالماجد کی جگہ مرزا محمد ہادی کے تقرر کی نسبت ہے۔

حکم: ۔ معتمد فینانس کی رپورٹ کے مطابق جائداد مذکورہ پر مرزا محمد ہادی کا تقرر (بمعاوضہ ۲۰۰ ابتدائی یعنی کو ادبیہ اور پرسنل الاؤنس ایک سو روپیہ) کیا جائے اور ان کو تدریجی اضافہ جیسے جیسے دیا جائیگا ویسے ویسے پرسنل الاؤنس میں کمی اوسی مقدار میں کیجائے۔ (ثبت صحیح خط مبارک اعلیحضرت بندگانعالی متعالی)

۱۸ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ ۔ تحتیقیہ (ثبت صحیح خط) رئیس جنگ بہادر

(نقل مطابق اصل)

آقا سید محمد علی

لغت (ڈکشنری) کو زبان کے سرمایہ الفاظ کے ترتیب وار اندراج کے لیے جو اہمیت حاصل ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے۔ کسی بھی زبان کے علمی و تحقیقی کاموں میں اس سے زیادہ مشکل، ادق اور جگر سوزی کا کام کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ جب تک اس کام کی ہر طرح سرپرستی نہ ہو یہ کام کسی کے بس کی بات نہیں۔ سابق ریاست حیدرآباد کے علمی کارناموں میں اردو لغت اور فارسی لغت مرتب کرنے کے علمی و تحقیقی پراجکٹوں کی سرپرستی یہ ظاہر کرتی ہے کہ حیدرآباد علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کا کس درجہ قدرداں رہا ہے۔ اس سرپرستی کے نتیجے میں فارسی اور اردو کے سرمایے میں جو اضافہ ہوا ہے اسے بھی ان زبانوں کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ فارسی لغت فرہنگ نظام کی ترتیب و تالیف کا کام بڑا صبر آزما تھا۔ اس لغت کے مرتب کو ضروری مواد اکٹھا کرنے کے لیے تین برس ایران میں رہنا پڑا اور پھر تلاش، تحقیق اور تالیف کے کام کے سلسلے کو برسوں جاری رکھنا پڑا۔ تنہا ایک شخصیت کا اس پراجکٹ کو ۲۰ سال کی مدت میں مکمل کرنا واقعی علم و تحقیق کی سنگلاخ زمین کی آبیاری کے لیے جولائے شیر لانے کے مترادف تھا۔

پروفیسر آقا سید محمد علی کو سالم تنخواہ اور پرسنل الاونس کے ساتھ دو سال کی رخصت پر فارسی لغت کی تیاری کے لیے ایران بھیجا گیا۔ دو سال کی منظورہ رخصت ختم ہونے پر اس کام کے لیے

مزید ایک سال کی رخصت منظور کی گئی۔لغت کی تدوین میں مدد دینے کے لیے ایک مددگار اور محرر کا تقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک چپراسی اور صادر کے لیے بھی منظوری دی گئی۔ ایک عرصے بعد آقا محمد علی نے انہیں نظام کالج کے کام سے مستثنیٰ کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ تمام وقت لغت کی تیاری میں صرف کرسکیں۔ اس درخواست پر انہیں نظام کالج سے سبکدوش کرتے ہوئے ملازمت کے باقی دو سال کی بجائے چار سال میں لغت کے کام کو مکمل کرنے کی اجازت دی گئی۔ جب یہ کام منظورہ چار سال کی مدت میں بھی مکمل نہ ہوسکا تو تکمیل لغت کے لیے مزید تین سال کی توسیع کامل تنخواہ کے ساتھ منظور کی گئی۔تقریبا بیس سال میں آقا محمد علی نے لغت کی تدوین مکمل کی جسے حکومت حیدرآباد نے فرہنگ نظام کے نام سے شائع کیا۔

اس لغت کی ترتیب وتالیف کے لیے حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے جو سرپرستی کی گئی تھی اور جو سہولتیں فراہم کی گئی تھیں اس بارے میں ساری تفصیلات آندھرا پردیش آرکائیوز کے ذخائر میں موجود ایک مسل میں محفوظ ہیں۔ فرہنگ نظام کی تدوین واشاعت کے سلسلے میں کی گئی سرکاری کارروائی کا سلسلہ وار خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

نظام کالج کے ایرانی نژاد پروفیسر آقا سید محمد علی نے حکومت ریاست حیدرآباد کے نام ایک درخواست میں لکھا کہ ہندوستان میں کوئی فارسی لغت مکمل نہیں ہے اور اکثر فارسی زبان کے الفاظ اور محاورات غلط اور بے محل استعمال ہوتے ہیں۔ ریاست کے حکمران آصف سابع کے ایک فرمان کی تعمیل میں ایک محکمہ درستگی تالیف وتصنیف قائم ہونے والا ہے جہاں علما کو کتابوں کی زبان کی اصلاح کے لیے ایک مکمل فارسی لغت کی ضرورت ہوگی۔ اس لیے اگر حکومت انہیں دو برس کی رخصت پوری تنخواہ کے ساتھ مع سفرخرچ منظور کرے تو وہ ایران جاکر یہ خدمت انجام دے سکیں گے۔اس درخواست پر آقا محمد علی کو ایران جاکر فارسی لغت تالیف کرنے کے لیے ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء سے دو سال کی رخصت سالم تنخواہ تین سو روپے اور پرسنل الاونس دو سو روپے جملہ پانچ سو روپے کے ساتھ منظور کی گئی۔ اس کے علاوہ انہیں سفرخرچ بھی دیا گیا۔ رخصت منظور ہونے پر آقا محمد علی ایران روانہ ہوئے جہاں وہ فارسی لغت کی تالیف کے کام میں مصروف

رہے۔ دو سال کی رخصت ختم ہونے پر انہوں نے درخواست کی کہ انہیں مزید ایک سال کی رخصت منظور کی جائے تاکہ ان کے اس مشن کے سلسلے میں درکار مواد کی فراہمی میں سہولت ہو۔ ان کی اس درخواست پر نظام کالج کے بورڈ آف گورنرس، محکمہ فینانس اور منصرم صدر اعظم نے جو رائے دی تھی اس کے مطابق آصف سابع نے فرمان مورخہ ۷ جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۲۲ء کے ذریعے آقا محمد علی کو نصف ماہوار پر ایک سال کی توسیع اس شرط سے منظور کی کہ آئندہ ان کو مزید رخصت نہیں دی جائے گی اور انہیں اس مدت کے اندر کام مکمل کر کے واپس آجانا چاہئے۔ آقا محمد علی نے نصف ماہوار پر ایک سال کی رخصت سے استفادہ کرنے کے بعد مزید ایک سال کی رخصت سالم تنخواہ کے ساتھ منظور کرنے کی درخواست کی جس پر فرمان ۶ دسمبر ۱۹۲۳ء کے ذریعے انہیں ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء تک بلا یافت رخصت منظور کی گئی۔ اس فرمان میں یہ ہدایت بھی دی گئی کہ اگر وہ اس رخصت کے اختتام پر اپنی خدمت پر رجوع نہ ہوں گے تو ان کی جو جگہ خالی ہے اس پر کسی دوسرے شخص کا تقرر عمل میں آئے گا۔ ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے سرکاری کام میں ہرج واقع ہو رہا ہے۔ آقا محمد علی کو اس فرمان کی اطلاع دی گئی اور انہوں نے منظورہ رخصت کے ختم ہونے سے قبل ۱۴ جنوری ۱۹۲۴ء کو اپنی خدمت کا جائزہ حاصل کر لیا۔

آقا محمد علی نے ابتدا میں ایران سے اپنی لغت کے دیباچے کا ایک حصہ اور حرف الف سے متعلق لغت کا پہلا حصہ بھیجا تھا۔ بعد میں ایران سے واپسی پر لغت کی دو جلدیں رائے اور تبصرے کے لیے داخل کیں۔ ان پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ان میں غیر زبانوں کے الفاظ کی اصلیت کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ الفاظ کے جو معنی درج کیے گئے ہیں ان میں کہیں کہیں آشفتہ بیانی پائی جاتی ہے۔ مرتب نے اپنی لغت میں وہ تمام الفاظ بھی داخل کر لیے ہیں جو مروجہ لغات میں موجود ہیں۔ اس تکرار سے کتاب کا حجم بہت بڑھ جائے گا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ صرف وہ الفاظ یا معانی بیان کیے جاتے جو اس زمانے میں فارسی زبان میں رائج ہوئے ہیں تاکہ یہ لغت تکملہ کا کام انجام دے۔ بحالت موجودہ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ نئی زبان

کے لفظ کون سے ہیں اور قدیم کے کون سے اور کس لفظ کے کون سے معنی جدید ہیں اور کون سے قدیم۔
غلام یزدانی ناظم آثار قدیمہ نے یہ رائے تحریر کی کہ مولف نے ایک ایسے کام کا بیڑہ اٹھایا ہے جو اس زمانے میں فرد واحد کے بساط سے باہر سمجھا جاتا ہے۔ لغت کی تدوین علمی دنیا میں متعدد علما کی متفقہ کوششوں سے عمل میں آرہی ہے۔ مروجہ فارسی کی ایک مستند اور جامع لغت تالیف کرنے کی ضرورت مسلمہ ہے کیونکہ گزشتہ دوسو برسوں میں فارسی زبان میں بہت کچھ تغیر ہوگیا ہے۔ بہت سے نئے ادبی الفاظ آگئے ہیں اور نئی اصطلاحات و محاوروں کا اضافہ ہوا ہے۔ تلفظ اور لب ولہجہ میں فرق آگیا ہے۔ بہت سے قدیم عربی، شامی، مصری الفاظ متروک ہوگئے ہیں۔ اس لیے یہی بات مناسب رہے گی کہ آقا محمد علی ایک ایسا لغت تیار کردیں جس میں وہ تمام الفاظ اصطلاحات اور محاورات آجائیں جو مروجہ فارسی میں استعمال ہوتے ہیں اور جو قدیم لغات میں یا تو شامل نہیں ہیں یا ان کے معنی ومفہوم بدل گئے ہیں۔ یہ خدمت بھی اہل علم کے لیے کچھ کم نہ ہوگی اور اگر یہ کام خوش اسلوبی سے انجام پا گیا تو آقا محمد علی کا نام فارسی زبان کے محققین بھی ہمیشہ عزت و احترام سے لیں گے۔ صدر الصدور نے غلام یزدانی کی رائے سے اتفاق کیا۔
صدرالمہام فینانس نے اوپر بیان کردہ آرا سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ ڈاکٹر جانسن نے انگریزی کی پہلی ڈکشنری خود تنہا تالیف کی تھی وہ مثال ہمارے لیے کافی ہے۔ فارسی لغت کا یہ کام پروفیسر آقا محمد علی جیسے زبردست عالم سے لیا جائے۔ ان کی یہ تالیف دوسروں کے لیے بنیاد کا کام دے گی۔ اس کام کے لیے ابتدا میں انہیں سرکاری مصارف پر ایران بھیجا گیا تھا اور اس کام کو آخری منزل تک پہنچانے کے لیے ان کی خدمات سے استفادہ کرنا چاہیے۔ آقا محمد علی نے لغت کی تکمیل کے سلسلے میں اپنی جانب سے چند تجاویز پیش کی تھیں جن کے بارے میں صدرالمہام فینانس نے ان سے گفتگو کرنے کے بعد اپنی تجاویز پیش کیں اور لکھا کہ ان تجاویز سے آقا محمد علی کو اتفاق ہے۔ صدرالمہام تعلیمات اور صدر اعظم نے ان تجاویز سے اتفاق کیا۔
آصف سابع نے ان تجاویز کو منظوری دیتے ہوئے حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۲۸ء صادر کیا۔

''لغت مذکور کی تکمیل آغا محمد علی سے ہی کرائی جائے۔ چونکہ
آغا صاحب کو اپنے فرائض کے علاوہ یہ کام انجام دینا ہوگا لہذا ان
کے کالج کے کام میں اور لغت کے کام میں مدد دینے کے لیے ان کو
ایک مددگار مواجبی ۲۵۰ روپے ماہانہ اور ایک محرر ۴۰ روپے ماہانہ
پانچ یا چھ سال کے لیے دیے جائیں۔ اس مدت میں ان کو کام ختم
کردینا چاہیے۔ اگر اس ضمن میں آغا صاحب ایران جانا چاہیں تو
کالج کے موسمی تعطیلات کے زمانے میں اپنے ذاتی مصارف سے
جاسکتے ہیں۔ اس بارے میں سرکار ان سے قبل ازیں بہت رعایت
کرچکی ہے۔ آغا صاحب کو ہر جلد کی طباعت پر دوسو نسخے اور جملہ
کام کی تکمیل پر پانچ ہزار روپے انعام دیا جائے مگر فارسی زبان کے
الفاظ پہلوی وغیرہ کی تلاش وغیرہ کے لیے ان کو دوسرا مددگار مواجبی
۲۵۰ روپے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اس کام کو ان زبان
کے تلامیذ کو فی جلد پانچ سو انعام یا جملہ تین ہزار انعام دے کر
انجام دے سکتے ہیں۔''

لغت کی تدوین کے سلسلے میں یہ سہولتیں مہیا کرنے کے علاوہ آقا محمد علی کی استدعا پر ایک چپراسی بارہ روپے ماہانہ تنخواہ پر اور صادر (سامان تحریر) کے لیے دس روپے ماہانہ کی منظوری بھی دی گئی۔

آقا محمد علی نے ان سہولتوں سے تقریباً چار سال تک استفادہ کیا۔ جب ان کی عمر ۵۳ سال تھی اور وظیفے پر علاحدگی کے لیے صرف دو سال باقی رہ گئے تھے انہوں نے درخواست پیش کی کہ فارسی لغت کی تکمیل کے لیے انہیں نظام کالج کی تدریسی ذمہ داری سے مستثنیٰ کیا جائے۔ ان کی اس درخواست پر باب حکومت نے یہ تصفیہ کیا کہ آقا محمد علی کو چار سال تک مستحقہ تنخواہ پر فارسی لغت کی تکمیل کا کام کرنے کی اجازت ان شرائط پر دی جاسکتی ہے (۱) نظام کالج کے کام سے وہ

سبکدوش کیے جائیں اور نظام کالج میں ان کی جگہ مستقل انتظام کیا جاسکتا ہے۔ (۲)اگر چار سال کے اندر اس کام کو آقا محمد علی ختم نہ کرسکیں تو وہ پنشن پر علاحدہ ہوجائیں گے اور پنشن لینے کے بعد وہ اس کام کو مزید صلے کے بغیر انجام کو پہنچائیں گے۔ (۳)ششماہی کام کی رپورٹ وہ صیغہ تعلیمات میں داخل کرتے رہیں گے۔ (۴)اگر ششماہی رپورٹ کی بنا پر حکومت کی یہ رائے ہو کہ کام میں کافی ترقی نہیں ہوئی اور رفتار قابل اطمینان نہیں تو حکومت انہیں چار سال کے اندر ہی وظیفے پر علاحدہ کرنے کی مجاز ہوگی اور وہ بعد علاحدگی سابقہ کام کی تکمیل کریں گے (۵)کام کے ختم پر وہ اس معاوضے کے مستحق ہوں گے جس کے لیے فرمان مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۲۸ میں صراحت ہے۔

آصف سابع نے کونسل کی مذکورہ بالا رائے سے اتفاق کیا اور بذریعہ فرمان مورخہ ۷ مئی ۱۹۳۲ء ہدایت دی کہ چار سال تک مستقلہ تنخواہ دیتے ہوئے آقا محمد علی سے شرائط مجوزہ کے ساتھ فارسی لغت کی تکمیل کرائی جائے۔اس فرمان کی تعمیل میں محکمہ فینانس کی جانب سے احکام جاری ہوئے۔آقا محمد علی چار سال تک کام کرتے رہے مگر لغت کی تالیف تکمیل کو نہ پہنچا سکے۔منظورہ مدت کے اختتام پر انہوں نے ایک درخواست پیش کرتے ہوئے استدعا کی کہ انہیں اس لغت کے باقی کام سے معاف رکھا جائے اور نظام کالج کا مستحق وظیفہ جاری کیا جائے۔اگر حکومت چاہتی ہے کہ وہی اس کام کو مکمل کریں تو انہیں ایک لاکھ روپیوں کا نقصان دیا جائے اور انتہائی گریڈ کا سالم وظیفہ جاری کیا جائے۔اس کام میں ان کی عمر عزیز کا ایک حصہ صرف ہوگیا اور قریب ایک لاکھ روپے کا نقصان بھی ہوا۔ان کی اس تالیف کی وجہ سے ان کی آمدنی کے ذرائع بند ہوگئے۔اس مدت میں کبھی وہ اپنی شخصی اور خانگی زندگی کی طرف توجہ نہیں کرسکے جس کے باعث ان کا بے دریغ پیسہ خرچ ہوگیا۔ناظم تعلیمات نے آقا محمد علی کے مطالبے کو واجبی قرار دیتے ہوئے لکھا کہ انہوں نے لغت کی تالیف میں ایک طویل مدت تک بغیر کسی معاوضے کے نظام کالج ہی کی تنخواہ پر دن رات کام کیا اور ایسی لغت مرتب کی جو آصف سابع کے شایان شان ہے۔وزارت معارف ایران نے اس لغت کو لغت نویسی کے موضوع پر بہترین قرار دیتے ہوئے

نشان علمی درجہ اول عطا کیا ہے ۔ یہ نشان طلائی ان لوگوں کے لیے مختص ہے جو بہترین علمی کام انجام دیتے ہیں ۔ اس لغت کی تالیف پر شاہ ایران نے انہیں توصیفی خط تحریر کیا ہے ۔ معتمد تعلیمات نے رائے دی کہ آقا محمد علی کے منظورہ اقرار نامے میں اگر کوئی رعایت ہوسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ کام کے ختم ہونے کے بعد انہیں بیس ہزار روپے بطور انعام دیے جائیں ۔ صدر المہام فینانس نے مولف لغت کے مطالبے کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا کہ آقا محمد علی کی رضا مندی سے جو شرائط طے کی گئی تھیں وہ بجائے خود فیاضانہ تھیں اور بظاہر ان میں تبدیلی کی وجہ نہیں پائی جاتی ۔ صدر المہام تعلیمات نے اس مسئلے کے متعلق مشورہ دینے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کرنے کی تجویز پیش کی جس سے باب حکومت نے اتفاق کیا ۔ باب حکومت کے فیصلے کے مطابق ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور اس کمیٹی نے اس مسئلے پر بحث و مباحث کے بعد اتفاق رائے سے طے کیا کہ فارسی لغت کی ترتیب کے کام کو تکمیل تک پہنچایا جائے ۔ ایسے کام کا جو حکومت کی سرپرستی میں ہوا ہے نامکمل رہنا نامناسب ہے ۔ مولف کی خواہش کے مطابق جس کا اظہار انہوں نے کمیٹی کے روبرو کیا ہے بقیہ کام کی تکمیل کے لیے تین سال کی مزید مہلت دی جائے ۔ اس کے بعد مزید مہلت نہیں دی جانی چاہیے ۔ اس سہ سالہ مدت تک ان کو وہی مراعات عطا کی جائیں جن سے وہ اب تک استفادہ کرتے رہے ہیں یعنی ان کی سالم ماہانہ تنخواہ کام کے صلے کے طور پر جاری رہے ۔ صدر المہام تعلیمات اور باب حکومت نے علاحدہ علاحدہ اپنی آرا تحریر کرتے ہوئے کمیٹی کی سفارشات سے اتفاق کیا ۔ آصف سابع نے باب حکومت کی رائے کے مطابق فرمان مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء کے ذریعے ہدایت کی کہ آقا محمد علی کو لغت کی تدوین کا کام مکمل کرنے کے لیے تین سال تک کامل تنخواہ ایصال کی جائے اور اس کے بعد انہیں مستقبل وظیفے پر علاحدہ کیا جائے ۔

لغت کے مکمل ہونے پر آقا محمد علی نے ایک درخواست پیش کی جس میں انہوں نے لکھا کہ وہ لغت کی تالیف پانچ جلدوں میں ختم کر چکے ہیں اور اب لغت سے متعلق کوئی کام ان کے ذمے تکمیل طلب نہیں ہے ۔ انہوں نے استدعا کی کہ حسب منظوری پانچ ہزار روپے لغت کی تالیف کے سلسلے میں اور تین ہزار روپے سنسکرت ، پہلوی اور ژند الفاظ کی تلاش کی بابت اجرا کیے

جائیں۔ان الفاظ کی تلاش کے کام کے لیے پانچ سو روپے فی جلد منظور کیے گئے تھے اور آ قا محمد علی نے اپنی لغت پانچ جلدوں میں مکمل کی تھی اس لیے محکمہ فینانس نے اس کام کے لیے ڈھائی ہزار روپے اور لغت کی تالیف کے صلے میں پانچ ہزار روپے ادا کرنے کی سفارش کی اور باب حکومت نے اس بارے میں قرار داد منظور کی۔آصف سابع نے باب حکومت کی قرار داد پر فرمان مورخہ ۵ اگست ۱۹۴۱ کے ذریعے آ قا محمد علی کو ساڑھے سات ہزار روپے ایصال کرنے کے احکام جاری کیے۔

آ قا محمد علی کی مرتب کردہ فارسی لغت حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے فرہنگ نظام کے نام سے ۵ جلدوں میں شایع کی گئی اور پانچ جلدوں پر مشتمل اس لغت کے مکمل سٹ کی قیمت چھبیس روپے مقرر کی گئی۔آ قا محمد علی کو لغت کی ہر جلد کے دو، دو سو نسخے دیے گئے۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 81, List No. 2, S.No198

مقدمہ: درخواست آ قا محمد علی صاحب پروفیسر فارسی نظام کالج برائے عطائے رخصت نسبت تکمیل لغت فارسی بمقام ایران
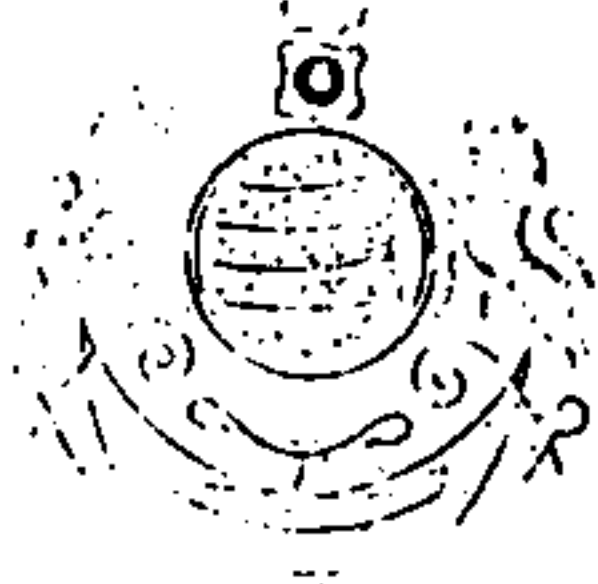
فرمان

بملاحظہ:— عرضداشت صیغۂ تعلیمات معروضۂ ۱۴ ؍ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ جو نظام کالج کے پروفیسر آغا محمد علی سے فارسی لغت کی تکمیل کرانے کی نسبت ہے۔

حکم:— لغت مذکور کی تکمیل آغا محمد علی سے ہی کرائی جائے۔ چونکہ آغا صاحب کو اپنے فرائض کے علاوہ یہ کام انجام دینا ہوگا لہذا ان کے کالج کے کام میں اور لغت کے کام میں مدد دینے کیلئے ان کو ایک مددگار مواجبی (۲۵ ماہانہ) ماہانہ اور ایک محرر مواجبی (للعہ) ماہانہ پانچ یا چھ سال کیلئے دئے جائیں۔ اس مدت میں ان کو یہ کام ختم کر دینا چاہئے اور اگر اس ضمن میں آغا صاحب ایران جانا چاہیں تو کالج کے موسمی تعطیلات کے زمانہ میں اپنے ذاتی مصارف سے جا سکتے ہیں۔ اس بارہ میں سرکار نے ان سے قبل ازیں بہت رعایت کر چکی ہے۔ آغا صاحب کو ہر جلد کی طبع پر دو سو نسخے اور جملہ کام کی تکمیل پر (صمـــــہ) انعام دیا جائے۔ مگر فارسی زبان کے الفاظ پہلوی وغیرہ کی تلاش وغیرہ کیلئے ان کو دوسرا مددگار مواجبی (ماہانہ ص) دینے کی ضرورت نہیں ہے وہ اس کام کو اردو زبان کے تلامیذ کو فی جلد (صماء) انعام یا جملہ (سمـــــہ) انعام دیکر انجام دے سکتے ہیں۔

۲۹۔ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ

نقل فرمان مبارک اعلیٰحضرت قدر قدرت حضور پرنور بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

ملاحظہ :- عرضداشت صدارت عدالت و امور عامہ مورخہ سوم ربیع الاول شریف ۱۳۶۰

جو آغا محمد علی مؤلف لغت "فرہنگ نظام" کے بقیہ معاوضہ کی ادائی کی نسبت ہے۔

حکم :- کونسل کی رائے کے مطابق آغا محمد علی کو مذکورہ لغت کی تالیف کے بابتہ

بقیہ معاوضہ مبلغ (۵۰۰۰) ایصال کیا جائے۔ دستخط مبارک

۱۱ جمادی الثانی ۱۳۶۰

نقل مطابق اصل

عنایت اللہ دہلوی

آصف جاہی خاندان کے چھٹے حکمران نواب میر محبوب علی خان (۱۸۶۹ء۔۱۹۱۱ء) اور ساتویں و آخری حکمران نواب میر عثمان علی خان (۱۹۱۱ء۔۱۹۴۸ء) کے دور حکمرانی میں حکومت ریاست حیدرآباد کے اہم اور کلیدی عہدوں پر خدمات انجام دینے کے لیے جو اصحاب بیرون ریاست سے طلب کیے گئے تھے وہ بلاشبہ محنتی، لائق اور عمدہ صلاحیتوں کے حامل تھے لیکن ان میں سے چند اپنے فن اور شعبوں میں یکتائے روزگار کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولوی عنایت اللہ دہلوی ان چند شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ وہ اردو کے بے مثل مترجم تھے۔ انہیں ترجمے کے فن پر غیر معمولی عبور تھا۔ اس لحاظ سے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے عہدہ نظامت کے لیے ان کا انتخاب نہایت موزوں تھا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ سارے برصغیر میں اس عہدے اور اعزاز کے لیے دستیاب اہل ترین، باکمال اور مسلم الثبوت مترجم تھے۔ یہاں یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ حیدرآباد میں قائم ہونے والا یہ دارالترجمہ سارے برصغیر میں اردو میں اپنی طرز کا پہلا اور منفرد ادارہ تھا۔

مولوی عنایت اللہ کے والد منشی ذکاء اللہ اپنے دور کے مشہور مترجم، کثیر تصانیف کے مصنف، ماہر ریاضی داں و سائنس داں اور سرسید احمد خان کے قریبی رفقا میں سے تھے۔ یہی وجہ

تھی کہ جب عنایت اللہ ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ بھیجے گئے تو سرسید نے ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔ عنایت اللہ سرسید ہی کی وجہ سے تصنیف اور ترجمے کی جانب راغب ہوئے۔ عنایت اللہ کو کم عمری ہی میں ترجمے کی ابتدائی کوشش پر سرسید احمد خان جیسی شخصیت کی طرف سے اظہار پسندیدگی اور تعریف وتحسین کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ سرسید نے ایمرسن کے ایک مضمون کا عنایت اللہ سے ترجمہ کروایا اور اسے اپنے رسالے تہذیب الاخلاق میں شائع کیا۔ اس ترجمے کی اشاعت پر سرسید نے اپنے دوست اور عنایت اللہ کے والد منشی ذکاء اللہ کو اپنے خط میں یہ لکھا'' اب کے تہذیب الاخلاق میں عزیزی عنایت اللہ کا ایک مضمون اردو میں ترجمہ کیا ہوا چھپا ہے۔ آپ انصاف سے اسے پڑھیے گا آپ کی تمام عمر ترجمہ کرنے میں گزر گئی۔ کیا آپ بھی ایسا عمدہ ترجمہ کرسکتے ہیں؟ اگر کسی ایسے مطول اور مشکل مضمون کا ایسا ترجمہ کردو تو جو کچھ کہو آپ کی نذر کروں''۔ سرسید کی فرمائش پر عنایت اللہ نے آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کا ترجمہ شروع کیا اور اس کتاب کے ابتدائی چند صفحات کا ترجمہ سرسید کو بھیجا۔ ان صفحات کو پڑھ کر سرسید نے عنایت اللہ کو خط لکھا۔ ''تمہارے مرسلہ ترجمہ کو میں نے دو مرتبہ پڑھا۔ دل نہایت خوش ہوا ....تم نے ایسا کام کیا ہے جس کی نظیر آج تک اردو لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔''

مولوی عنایت اللہ کے ترجمے میں بلا کی روانی اور بیساختگی پائی جاتی ہے۔ صاف، سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کی جو صلاحیت ان میں تھی اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ ان کے ترجمے میں مشکل و غیر مانوس الفاظ اور گنجلک فقرے نہیں ملتے۔ ان کے ترجمے کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ بعض اہل نظر یہ بھی کہتے ہیں کہ اردو زبان نے ان کے رتبے کا مترجم آج تک پیدا نہیں کیا۔

مولوی عنایت اللہ نے اپنی عمر عزیز کا بڑا حصہ مضامین اور کتابوں کے ترجمے میں گزارا۔ ان کے سوانح نگار شیخ محمد اسمعیل پانی پتی نے لکھا ہے کہ ایک بار مولوی عنایت اللہ نے ان سے کہا تھا ''انگریزی پڑھنے کا لطف ہی جاتا رہا۔ جب کوئی کتاب ہاتھ میں لیتا ہوں تو بجائے انگریزی الفاظ کے اردو ترجمہ ہی دماغ میں گشت کرنے لگتا ہے''۔ ان کے تراجم میں آرنلڈ کی

پرچنگز آف اسلام، لیمب کی چنگیز خان اور تیمور، لین پول کی صلاح الدین اعظم، فلابیر کی سلامبو اور ہرودیاس، رابن ہارٹ ڈوزی کی اسپینش اسلام اور شسکپیر کے ڈرامے قابل ذکر ہیں۔ وہ اپنے تمام ترجموں میں تائیس کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی نظامت کے لیے مولوی عنایت اللہ دہلوی کی خدمات کے حصول کا پس منظر یہ ہے کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق کو اس عہدے کی زائد ذمہ داری سے سبکدوش کرنے کے بعد اس کے لیے ایک قابل اور ماہر فن شخصیت کی ضرورت تھی۔ مولوی عنایت اللہ کے تقرر میں اکبر حیدری معتمد تعلیمات اور راس مسعود ناظم تعلیمات کی ذاتی دلچسپیوں اور کوششوں کو بڑا دخل تھا۔ نظامت کی خدمت پر آنے سے قبل وہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے لیے معاوضے پر چند کتابوں کا ترجمہ کر چکے تھے۔ ابتدا میں ان کا تقرر چھ ماہ کے لیے ہوا۔ اس کے بعد ان کی مدت ملازمت میں متعدد بار توسیع ہوتی رہی۔ ان کے تقرر اور توسیع ملازمت کی کارروائیوں کا خلاصہ درج ذیل ہے جس میں مولوی عنایت اللہ کے لیے حیدرآباد کے ارباب ذمہ دار کی پرزور سفارشیں اور ان کی عمدہ کارگزاری پر تبصرے شامل ہیں۔ یہ مستند مواد آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، حیدرآباد کے ریکارڈ سے اخذ کیا گیا ہے جو پہلی بار منظر عام پر آرہا ہے۔

مولوی عبدالحق کو صدر مہتمم تعلیمات کی خدمت کے علاوہ جس پر وہ پہلے ہی سے مامور تھے دو سو روپے ماہانہ الاونس کے ساتھ دارالترجمہ کی نگرانی تفویض کی گئی تھی۔ مولوی عبدالحق تقریباً دو سال ناظم دارالترجمہ کے عہدے پر مامور رہے۔ نواب میر عثمان علی آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۱۹ء کے ذریعے مولوی عبدالحق کو ان کی اصل خدمت صدر مہتمم تعلیمات پر واپس کردینے اور ناظم دارالترجمہ کی خدمت پر تقرر کی غرض سے کسی لائق شخص کا نام پیش کرکے تقرر کی منظوری حاصل کرنے کے احکام صادر کیے۔ اس فرمان کی تعمیل میں مولوی عبدالحق کو ان کی اصل خدمت پر بھیج دیا گیا تاہم ان کے جانشین کے انتخاب تک اس عہدے پر ڈیڑھ سال تک کسی مستقل عہدیدار کا تقرر نہ ہوسکا۔ ناظم دارالترجمہ کی خدمت کے لیے سید سجاد حیدر، ڈپٹی

کلکٹر سلطان پور اور مولوی عنایت اللہ، سکریٹری محکمہ اپیل ریاست گوالیار کے ناموں پر غور کیا گیا۔ مولوی عنایت اللہ کو اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں امیدوار خیال کرتے ہوئے ان کے تقرر کے لیے پر زور سفارش کی گئی۔ معتمد تعلیمات (اکبر حیدری) نے مولوی عنایت اللہ کی سفارش کرتے ہوئے لکھا کہ انہوں نے آرنلڈ کی کتاب پریچنگز آف اسلام اور کپلنگ کی کتاب جنگل بک کا اردو میں ترجمہ کر کے بحیثیت مترجم جو شہرت اور ناموری حاصل کی ہے وہ کسی مسلمان گریجویٹ کو حاصل نہیں ہوئی۔ آخر الذکر کتاب اپنی ادبی خوبیوں کی وجہ سے انگریزی زبان میں ایک بہترین تصنیف تصور کی جاتی ہے۔ اس کے ترجمے کے مطالعے سے ایک اردو داں کو وہی لطف حاصل ہوتا ہے جو ایک انگریز کو اصل کتاب پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مولوی عنایت اللہ، منشی ذکا اللہ کے فرزند ہیں جنہوں نے بے شمار انگریزی تصانیف کو اردو کا جامہ پہنا کر اردو علم و ادب کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔ اردو کی ادبی روایات کے گہوارے میں تعلیم و تربیت پانے کی وجہ سے مولوی عنایت اللہ کے تراجم میں وہ روانی اور سادگی پیدا ہوئی ہے جو اس وقت جامعہ عثمانیہ کے پیش نظر ہے۔ مولوی عنایت اللہ کی تعلیم و تربیت سرسید احمد خان کی زیر نگرانی ہوئی۔ انہوں نے سرسید احمد خان کے زیر ادارت شائع ہونے والے رسالے تہذیب الاخلاق کے سب ایڈیٹر کے فرائض بھی ایک عرصے تک انجام دیے۔ اکبر حیدری نے مزید لکھا کہ مولوی عنایت اللہ کا تعلق اگرچہ پروشل سروس ممالک متحدہ آگرہ اودھ سے ہے لیکن فی الوقت ان کی خدمات ریاست گوالیار کو مستعار دی گئی ہیں۔ جہاں وہ محکمہ اپیل کی معتمدی کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اکبر حیدری نے تقرر اور تنخواہ کے تعین کے سلسلے میں تجویز پیش کی کہ مولوی عنایت اللہ کو طویل مسافت طے کر کے یہاں آنا ہوگا اس لیے ناظم دارالترجمہ کے گریڈ پانچ سو تا ایک ہزار روپے میں ان کی تنخواہ سات سو روپے ماہانہ مقرر کی جائے اور دارالترجمہ کی نظامت پر امتحاناً چھ ماہ کے لیے ان کا تقرر کیا جائے۔ محکمہ فینانس نے تقرر کی تحریک سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ تعین تنخواہ کا مسئلہ حکومت ممالک متحدہ کی صوابدید پر چھوڑا جاسکتا ہے۔ اس کارروائی کی تمام تفصیلات اور تجاویز ایک عرضداشت میں درج کر کے آصف سابع کی

خدمت میں بھیجی گئیں ۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۴ جولائی ۱۹۲۰ء کے ذریعے احکام دیے کہ گورنمنٹ ممالک متحدہ سے مولوی عنایت اللہ کی خدمات چھ ماہ کے لیے حاصل کی جائیں اور ان کی تنخواہ کا تعین حکومت ممالک متحدہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے ۔ ان احکام کی تعمیل میں حکومت ممالک متحدہ کو لکھا گیا اور اس حکومت نے مولوی عنایت اللہ کی خدمات چھ ماہ کے لیے دینے پر رضا مندی ظاہر کرتے ہوئے ان کی تنخواہ کے تعین کے بارے میں یہ تصفیہ کیا کہ امتحانی مدت میں مولوی عنایت اللہ کو اس خدمت کی ابتدائی ماہوار پانچ سو روپے سکہ عثمانیہ دی جائے اور ان کی انتہائی ماہوار ایک ہزار روپے ہوگی ۔ ان کی ملازمت میں توسیع کی ضرورت ہو تو ان کو اضافہ تدریجی دیا جاسکتا ہے ۔ حیدرآباد کی ملازمت اور تنخواہ کے تعین کا مسئلہ طے ہوجانے پر مولوی عنایت اللہ نے ناظم دارالترجمہ کی خدمات کا جائزہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۱ء کو حاصل کیا ۔

مولوی عنایت اللہ کا تقرر چھ ماہ کے لیے ہوا تھا اس لیے جب ان کی چھ ماہ کی مدت ملازمت قریب الختم تھی اس مسئلے پر مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کے اجلاس میں جس میں سر علی امام، صدر اعظم بھی موجود تھے غور کیا گیا ۔ مولوی عنایت اللہ کی خدمات دارالترجمہ میں نہایت قابل اطمینان ثابت ہوئی تھیں اور ان کے زمانے میں دارالترجمہ کا کام بہت عمدگی سے جاری تھا اس لیے یہ تجویز پیش ہوئی کہ ان کی ملازمت میں دو سال کی توسیع اور تنخواہ میں ڈھائی سو روپے اضافے کے لیے سفارش کی جائے ۔ سر علی امام، صدر اعظم نے مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کی تجویز ایک عرضداشت کے ذریعے آصف سابع کے احکام کے لیے پیش کی جس پر آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۲۱ء حکم دیا کہ مولوی عنایت اللہ کی مدت ملازمت میں دو سال کی توسیع کے لیے حکومت ممالک متحدہ کو لکھا جائے اور یہ بھی لکھا جائے کہ انہیں اس مدت میں ساڑھے سات سو روپے ماہوار دینے کی اجازت دی جائے ۔ اس فرمان کی تعمیل میں حکومت ممالک متحدہ کو لکھا گیا اور اس حکومت نے اس تجویز سے اتفاق کرلیا ۔ مولوی عنایت اللہ توسیع شدہ دو سالہ مدت میں برسرکار رہے اور انہوں نے اپنا کام اس قدر عمدگی سے انجام دیا کہ جب توسیع شدہ مدت ختم ہونے کے قریب تھی مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۶ فبروری

۱۹۲۳ء میں مولوی عنایت اللہ کو دارالترجمہ کی برقراری تک نظامت کی خدمت پر برقرار رکھنے کے لیے یہ قرار داد منظور کی ''مولوی عنایت اللہ ناظم دارالترجمہ نے اپنی دو سالہ کارگزاری میں اس قدر محنت و دلچسپی سے کام کیا ہے کہ ان کے تقرر سے پہلے کے ساڑھے تین سالہ کام سے ان کے دور نظامت کا کام نسبتاً بہت زیادہ اور ہر طرح قابل اطمینان رہا ہے۔ کام میں نہ صرف تعداد و خوبی کے لحاظ سے اضافہ ہوا ہے بلکہ سرکاری اخراجات میں بھی کفایت کا پہلو موجود ہے۔ لہذا مجلس کی یہ رائے ہے کہ ان سے بہتر کوئی اور شخص اس کام کے لیے موزوں نہیں، اس لیے ان کی خدمات تا قیام (برقراری) دارالترجمہ قائم رکھی جائیں۔ مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کی اس قرار داد پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲ اپریل ۱۹۲۳ء کے ذریعے مولوی عنایت اللہ کی ملازمت میں مزید دو سال کی توسیع منظور کی۔ اس دو سالہ منظورہ مدت کے ختم ہونے پر مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۵ مارچ ۱۹۲۵ء میں قرار داد منظور کی کہ ناظم موصوف کی مدت ملازمت میں موجودہ ماہوار سات سو پچاس روپے پر مزید دو سال کی توسیع کے لیے سفارش کی جائے کیونکہ ان کا کام نہایت اطمینان بخش رہا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ۱۹۲۵ء کی ابتدا سے حکومت برطانوی ہند کی ملازمت سے سبکدوش ہورہے ہیں۔ لہذا یہاں سے کنٹری بیوشن (Contribution) ادا کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ تفصیلات ایک عرضداشت میں درج کر کے اسے آصف سابع کے احکام کے لیے روانہ کیا گیا۔ اس پر آصف سابع نے مزید دو سال کی توسیع کے لیے فرمان مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۲۵ء صادر کیا مگر اس فرمان میں یہ وضاحت بھی کردی گئی کہ اس کے بعد توسیع ممکن نہ ہوگی اور ان کی جگہ کسی ملکی کا تقرر کرنا ہوگا۔ مولوی عنایت اللہ کا کوئی موزوں جانشین دستیاب نہیں تھا اور ارباب ذمہ دار بھی مولوی صاحب کی خدمت سے مزید استفادہ کرنا چاہتے تھے اسی لیے مولوی عنایت اللہ کی مدت ملازمت میں توسیع کے لیے پر زور سفارشیں ہوتی رہیں۔ مولوی عنایت اللہ کی مدت ملازمت میں مزید توسیع نہ دیے جانے کے واضح احکام کے باوجود ان کی مدت ملازمت میں کبھی ایک سال اور کبھی دو سال کی توسیع کے لیے فرامین جاری ہوتے رہے۔ فرمان مورخہ ۷ مئی ۱۹۳۲ کے ذریعے انہیں کام جاری رکھنے

کی ہدایت کی گئی جس کی تعمیل میں وہ سبکدوش ہونے تک اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ بالاخران کی جگہ الیاس برنی کا تقرر عمل میں آیا اور جب وہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۵ کو دارالترجمہ کی نظامت کی خدمت پر رجوع ہوئے تب ہی مولوی عنایت اللہ کی سبکدوشی عمل میں آئی۔

جس وقت مولوی عنایت اللہ نے دارالترجمہ کی نظامت کا جائزہ لیا تھا اس وقت ان کی عمر ۵۱ سال سے اوپر تھی۔ وہ اس خدمت پر ۱۴ برس فائز رہے۔ اس طرح جب وہ سبکدوش ہوئے ان کی عمر ۶۵ سال سے تجاویز کر چکی تھی۔ وہ حکومت برطانوی ہند کی اپنی اصل ملازمت سے ۵۵ سال کی عمر کی تکمیل پر ۱۹۲۵ء میں سبکدوش ہو چکے تھے لیکن وہ یہاں مزید دس برس تک برسرکار رہے۔ ملازمت کے آخری دور میں انہیں ناظم دارالترجمہ کے گریڈ کی انتہائی یافت ایک ہزار روپے ماہوار مل رہی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق ان کے دور نظامت میں دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں تقریباً تین سو کتابوں کا ترجمہ ہوا۔

جناب عابد حسین اپنے مضمون ''عنایت اللہ دہلوی حیدرآباد میں'' مطبوعہ ماہنامہ سب رس، حیدرآباد، جون و جولائی ۱۹۷۴ء میں جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر ہارون خان شروانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مولوی عنایت اللہ جب ۱۹۲۱ء میں حیدرآباد آئے اس وقت ان کی رہائش کا کوئی مستقل انتظام نہیں ہوا تھا لہذا وہ ترپ بازار کی ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے۔ بعد میں وہ شروانی صاحب کی پیش کش پر ان کے مکان واقع گن فاونڈری میں منتقل ہوئے۔ اس مکان میں ہارون خان شروانی کے علاوہ خلیفہ عبدالحکیم، صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ بھی رہتے تھے۔ یہ تینوں اصحاب تقریباً سال بھر اس مکان میں رہے۔ ان دنوں یہ تینوں مجرد تھے۔ ہارون خان شروانی اور خلیفہ عبدالحکیم شادی ہونے پر اس مکان سے منتقل ہو گئے مگر مولوی عنایت اللہ کئی سال وہیں سکونت پذیر رہے۔ ان دنوں اس مکان میں ہر شام مغرب کے بعد محفل جمتی تھی جس میں ان تین اصحاب کے علاوہ مولوی وحید الدین سلیم، بے نظیر شاہ وارثی، حیدر نظم طباطبائی وغیرہ شامل ہوتے۔ اس محفل میں علمی و ادبی مباحث ہوتے۔ مولوی عنایت اللہ فطرتاً تنہائی پسند تھے اور انہوں نے حیدرآباد کے قیام کے دوران اپنے حلقہ احباب کو وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی۔

مولوی عنایت اللہ نے ناظم دارالترجمہ کے عہدے سے مستعفی ہونے کے بعد ڈیرہ دون جا کر سکونت اختیار کی اور تا دم آخر ترجمے اور تصنیف کے کام میں مصروف رہے۔ ان کے ترجموں اور تالیفات کی تعداد ساٹھ کے لگ بھگ ہے۔ انہوں نے مجرد زندگی گزاری۔ ان کا ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو ۷۴ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ ☆

ماخذ

1. Instalment No. 80, List No. 4, S.No. 662

مقدمہ: تقررات دارالترجمہ

1. Instalment No. 82, List No. 2, S.No. 218

مقدمہ: درخواست مترجمین دارالترجمہ نسبت انتظام عہدہ نظامت دارالترجمہ

فرمان

بلاحظۂ :— عرضداشت صدر اعظم معروضۂ ۲ ۔ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ جو ناظم دار الترجمہ کی جائداد کے استحکام کے نسبت ہے ۔

حکم :— صدر اعظم اور صدر المہام تعلیمات کی رائے کے مطابق جائداد مذکور کے لئے گورنمنٹ ممالک متحدہ سے مولوی عنایت اللہ صاحب کے خدمات سر دست امتحاناً چھ ماہ کے واسطے حاصل کئے جائیں ۔ اور اونکے تنخواہ کا تعین گورنمنٹ ممالک متحدہ کے صوابدید پر چھوڑ دیا جائے

۱۷ ۔ شوال المکرم ۱۳۳۸ھ یکشنبہ

فرمان

۱۳۴۷ھ

مسل حط :- عرضداشت صیغہ تعلیمات مورخہ ۲۲ ربیع الاول شریف جو ناظم دار الترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ کی ملازمت کی توسیع کی نسبت ہے۔

حکم :- صدر اعظم کی رائے مناسب ہے جس پر محمد عنایت اللہ کی مدت ملازمت میں تا قیام دار الترجمہ (سنہ ۱۳۳۹ فصلی کے اختتام تک) توسیع کی جائے۔ [illegible] دستخط مبارک

۱۶ - ربیع الثانی شریف سنہ ۱۳۴۷ھ نمبر [illegible] (امین جنگ) بہادر

صدر المہام پیشی خداوندی

جوش ملیح آبادی

اردو کے بلند مرتبت اور اپنے عہد کے نمائندہ شاعر جوش ملیح آبادی کا حیدر آباد سے بڑا قریبی تعلق اور گہرا لگاؤ رہا ہے۔ حیدرآباد نے جوش کو جبکہ وہ ایک جواں سال ابھرتے ہوئے شاعر تھے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور ان کی خوب قدر افزائی کی تھی۔ خود بقول جوش انہوں نے حیدرآباد میں اپنی جوانی کے بہترین ایام صرف کیے تھے اور حیدر آباد نے ان کی شاعری کو آب و رنگ بخشا اور علم و فکر کا راستہ دکھایا تھا۔

جوش نے حیدرآباد میں اپنی عمر عزیز کے لگ بھگ دس سال گزارے تھے۔ انہوں نے یہاں دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ملازمت کی تھی اور جب ان پر شاہی عتاب نازل ہوا تھا تو وہ ریاست بدر کر دیے گئے تھے۔ حیدرآباد سے چلے جانے کے بعد انہیں حیدرآباد کی یادیں بہت ستاتی رہیں۔ انہوں نے متعدد بار حیدرآباد میں اپنے داخلے پر امتناع برخاست کروانے اور حیدرآباد آنے کی کوشش کی تھی لیکن سابق حیدرآباد کے وجود تک وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔

یہ مضمون جوش ملیح آبادی کی دارالترجمہ میں ملازمت، ان کے ریاست حیدرآباد سے اخراج اور ان کی دوبارہ حیدرآباد آنے کی کوشش کا احاطہ کرتا ہے جو آندھرا پردیش اسٹیٹ

آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ذخائر میں جوش سے متعلق ریکارڈ کے مواد پر مبنی ہے۔ دارالترجمہ کی ملازمت اور ریاست حیدرآباد سے اخراج سے متعلق جوش کی خودنوشت سوانح ''یادوں کی برات'' میں جو بیانات موجود ہیں ان کا میں نے آرکائیوز کے ریکارڈ کی روشنی میں جائزہ لے کر حقائق کو پیش کرنے کی کوشش ہے۔ جوش نے اپنی سوانح حیات میں دوبارہ حیدرآباد آنے کی اپنی کوششوں کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ مضمون کا یہ حصہ مکمل طور پر آرکائیوز کے ریکارڈ سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر قلم بند کیا گیا ہے۔

جوش ملیح آبادی نے عثمانیہ یونیورسٹی کے اس شہرہ آفاق دارالترجمہ میں نو سال سات ماہ تک ذمہ دارانہ خدمات انجام دی تھیں جو ملک میں پہلی بار ایک ہندوستانی زبان اردو کو اعلیٰ ترین جامعاتی سطح پر ذریعہ تعلیم بنانے کے بعد ترجمے اور اصطلاحات کی ٹکسال کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا۔ جوش کی اس ملازمت کے بارے میں جو کچھ بھی شائع ہوا اس سے برائے نام معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کسی نے جوش کی حیدرآباد کی ملازمت کے بارے میں یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ کس تاریخ کو دارالترجمہ میں مترجم کی حیثیت سے رجوع ہوئے تھے، کتنی مدت تک وہ اس عہدے پر فائز رہے، ناظر ادبی کے عہدے پر انہیں کب ترقی ملی، ان کی مدت ملازمت ٹھیک ٹھیک کتنی تھی اور کس تاریخ کو عتاب شاہی کے باعث انہیں حیدرآباد چھوڑنا پڑا تھا؟ اس تعلق سے جو بھی معلومات ملتی ہیں ان کا ماخذ جوش کی خودنوشت سوانح یادوں کی برات ہے۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں اس بارے میں کافی مواد موجود ہے اس مواد کی چھان بین اور تحقیق کے بعد اس مضمون میں جوش اور حیدرآباد کے بارے میں نئی معلومات پیش کی جارہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ جوش کی کہی ہوئی باتوں کی توثیق، توضیح اور تردید بھی کی جارہی ہے۔

جوش کی حیدرآباد کی ملازمت کے بارے میں لکھنے سے قبل ان کے حیدرآباد آنے کے اسباب اور یہاں حصول ملازمت کے لیے ابتدائی کوششوں کو پس منظر کے طور پر بیان کرنا ضروری ہے۔ اس تعلق سے جوش اپنی سوانح حیات میں ۱۹۲۲ء کے ایک خواب کا تذکرہ کرتے

ہیں ۔ اس خواب میں حضور اکرم (ﷺ) نے نظام دکن (سابق حیدرآباد کے آخری حکمراں نواب میر عثمان علی خان آصف سابع) کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جوش سے ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں دس برس تک ان کے زیر سایہ رہنا ہے ۔ اس خواب کی تفصیلات سن کر بیگم جوش حیدرآباد جانے کے لیے مصر ہوگئی تھیں ۔ جوش مزید لکھتے ہیں کہ دکن کا سفر ان کے لیے خالی ایک معاشی مسئلہ ہی نہیں تھا بلکہ ان کی ایک رومانی گتھی بھی ایسی تھی جو حیدرآباد گئے بغیر کھل ہی نہیں سکتی تھی ۔ ابتدا میں جوش کو یہ اندیشہ تھا کہ یونیورسٹی کی کوئی اعلیٰ ڈگری ان کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے حیدرآباد میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی ۔ ایک اور اندیشہ یہ بھی تھا کہ شاید ان کا مزاج ملازمت کی ذلتیں برداشت نہیں کر سکے گا ۔ چنانچہ کئی احباب اور اقربا نے بھی اسی بنا پر انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ حیدرآباد جانے کا ارادہ ترک کر دیں لیکن جوش نے حالات کے تقاضوں اور بیوی کے اصرار پر سفر حیدرآباد کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیا اور وہ مہاراجا سرکشن پرشاد کے نام علامہ اقبال، مولانا عبدالماجد دریابادی، اکبر الہ آبادی اور مولانا سلیمان ندوی کے سفارشی خطوط لے کر ۱۹۲۴ء کے اوائل میں حیدرآباد پہنچے ۔ حیدرآباد میں جب جوش مہاراجا سرکشن پرشاد سے ملے تو مہاراجا نے کہا کہ وہ آصف سابع کے معتوب ہو چکے ہیں اور اگر جوش ان کے معتوب ہونے سے پہلے حیدرآباد آتے تو پہلے ہی روز ان کا انتظام ہو جاتا ۔ تاہم مہاراجا نے تین صفحات پر مشتمل ایک سفارشی خط فینانس منسٹر اکبر حیدری کے نام لکھ کر جوش کے حوالے کیا اور اسی وقت فون پر اکبر حیدری سے اس سلسلے میں گفتگو بھی کی ۔ مہاراجا کی ہدایت کے مطابق جوش سرراس مسعود کے ساتھ اکبر حیدری سے ملے لیکن دوسری ملاقات میں جب اکبر حیدری نے انہیں انگریزی حکومت سے سر کا خطاب ملنے پر تہنیتی قطعہ کہنے کی فرمائش کی تو جوش کے باغیانہ مزاج کو یہ بات گوارا نہ ہوئی ۔ جوش نے اس فرمائش کے جواب میں اپنے ردعمل کا اظہار ایک نہایت سخت جملے سے کیا اور اہم وسیلے سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔ جب یہ واقعہ مہدی یار جنگ کو معلوم ہوا تو وہ جوش کو اپنے والد محترم عماد الملک کے پاس لے گئے ۔ عماد الملک سے تعارف کروانے کے بعد جوش سے کلام سنانے کی فرمائش کی جس پر جوش نے اپنے ایک مسدس کے چند بند

سنائے۔عماد الملک جوش کے کلام کی روانی اور معانی سے متاثر ہوئے اور انہوں نے فوراً پورے ایک صفحے کا خط جوش کے بارے میں لکھ دیا اور مہدی یار جنگ سے کہا کہ یہ خط سرامین جنگ کے حوالے کر کے کہنا کہ اسے آصف سابع کے روبرو پیش کریں۔

جوش کے بارے میں جو پہلا فرمان مورخہ ۲۸ شوال ۱۳۴۲ھ م ۲ جون ۱۹۲۴ء آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں دستیاب ہے وہ عماد الملک کے سفارشی معروضہ پر جاری ہوا تھا۔چونکہ عماد الملک نے اپنے سفارشی معروضے میں صرف جوش کی شاعری کی خصوصیات اور خوبیاں بیان کی تھیں اور ان کے تقرر کے لیے کسی مخصوص خدمت کی نشان دہی نہیں کی تھی اس لیے اس فرمان میں جوش کا عندیہ دریافت کیا گیا تھا۔اس کے علاوہ یہ بھی پوچھا گیا تھا کہ کیا جوش کو عثمانیہ یونیورسٹی میں کوئی جگہ مل سکتی ہے۔عماد الملک کا سفارشی معروضہ اور یہ فرمان آندھرا پردیش آرکائیوز کی ایک مسل (فائل) میں موجود ہے۔

اکبر حیدری سے دوسری ملاقات کے بعد جوش یہ سمجھنے لگے تھے کہ نہ صرف اکبر حیدری اور سرراس مسعود ان کے مخالف ہوگئے تھے بلکہ ان حضرات کے طرفدار اور پرستار بھی ان کے بدخواہ ہوگئے تھے۔ان کا یہ گمان صحیح بھی ہوسکتا ہے لیکن متذکرہ مسل میں عماد الملک کے معروضے کے علاوہ انگریزی میں اکبر حیدری کا سفارشی خط موجود ہے اور فرمان مورخہ ۲ جون ۱۹۲۴ میں اس خط کا حوالہ موجود ہے۔

دارالترجمہ میں تقرر کے سلسلے میں ابتدائی کارروائی کی جو تفصیل جوش نے بیان کی ہے آرکائیوز کے ریکارڈ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تفصیل صحیح نہیں ہے۔طوالت کے خوف سے بیانات کے اختلاف پر بحث کو شریک مضمون نہیں کیا جارہا ہے۔

جوش اپنے تقرر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مولوی عنایت اللہ ناظم دارالترجمہ کے ذریعے انہیں اطلاع ملی کہ آصف سابع نے انگریزی ادب کے مترجم کی حیثیت سے ان کا تقرر کردیا ہے۔اس کے بارے میں جوش نے لکھا ہے کہ فرمان میں یہ لکھا تھا کہ ہر چند اس نئے عہدے کے قیام کا کوئی جواز نہیں ہے لیکن سردست جوش کا مترجم انگریزی ادب کے عہدے پر فوراً تقرر

کیا جائے اور جب ان کو ترقی مل جائے تو اس عہدے کو توڑ دیا جائے۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں دستیاب اصل فرمان مورخہ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ م ۲۶ دسمبر ۱۹۲۴ء کی تحریر یہ ہے "جوش ملیح آبادی کو انگلش لٹریچر کے کتب کا ترجمہ کرنے کے لیے امتحانا دو سال کے لیے ڈھائی سو روپے ماہوار کی جگہ دی جائے مگر پہلے ان سے استمزاج کیا جائے کہ وہ اس آفر کو منظور کرتے ہیں یا نہیں اور ان سے یہ بھی کہہ دیا جائے کہ اگر ان کو یہ منظور نہیں ہے تو اس سے بڑھ کر ان کے حق میں کچھ نہیں ہوسکتا۔ کارروائی داخل دفتر کردی جائے گی۔"

آرکائیوز کے ریکارڈ کے مطابق جوش نے یہ خدمت قبول کرلی۔ وہ ۲۹ بہمن ۱۳۳۴ف م یکم جنوری ۱۹۲۵ء کو رجوع ہوئے اور اس خدمت پر ۸ آبان ۱۳۳۵ف م ۱۳ ستمبر ۱۹۲۶ء تک برسرکار رہے۔

آرکائیوز کی ایک مسل سے دارالترجمہ میں ناظر ادبی کی خدمت پر جوش کی ترقی کے بارے میں یہ تفصیلات ملتی ہیں۔ حیدر نظم طباطبائی توسیع ملازمت کی مدت ختم ہونے پر ناظر ادبی کی خدمت سے علاحدہ ہوئے اور اس خدمت پر تقرر کے لیے تین اشخاص (۱) آغا محمد حسین (۲) شبیر حسین خاں جوش اور (۳) محمد علی شاہ نے درخواستیں دی تھیں۔ ناظم دارالترجمہ نے اوپر کے پہلے دو ناموں کے علاوہ دارالترجمہ کے دو اراکین مرزا ہادی رسوا اور عبداللہ عمادی کے ناموں کی بھی پرزور سفارش کی تھی لیکن نواب اکبر یار جنگ، معتمد عدالت، کوتوالی و امور عامہ نے ان تمام امیدواروں میں سے جوش کی پرزور سفارش کرتے ہوئے یہ لکھا کہ اس خدمت پر جوش کے تقرر سے سرکاری بچت بھی ہوگی یعنی ان کی موجودہ خدمت تخفیف کی جاسکتی ہے۔ اراکین مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ، سر نظامت جنگ، حیدر نواز جنگ، ضیا یار جنگ، مرزا یار جنگ بہادر، مسعود جنگ بہادر (سر راس مسعود) اور محمد عبدالرحمٰن خاں صدر کلیہ نے اکبر یار جنگ کی رائے سے اتفاق کیا جس پر فرمان مورخہ غرہ ربیع الاول ۱۳۴۵ م ۹ ستمبر ۱۹۲۶ء جاری ہوا۔ اس فرمان کے ذریعے دارالترجمہ کے ناظر ادبی کی خدمت پر ایک سال کے لیے امتحانا جوش کا تقرر بماہوار ۵۰۰ روپے کیا گیا اور ان کی مترجمی کی خدمت تخفیف کردی گئی۔ جوش نے ۶ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ م ۱۴ ستمبر

۱۹۲۶ء کو اس خدمت کا جائزہ حاصل کیا۔ ان کی مدت ملازمت ختم ہونے پر توسیع کے لیے فرمان جاری ہوئے یہاں تک کہ وہ آصف سابع کے معتوب ہوئے اور انہیں ریاست چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ حیدرآباد سے وہ ۱۷ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ م ۲۲ مہر ۱۳۴۳ ف م ۲۸ اگست ۱۹۳۴ء کو واپس ہوئے اور اس تاریخ تک دارالترجمہ میں مترجم اور ناظر ادبی کی حیثیت سے ان کی مدت ملازمت ۹ سال ۷ ماہ ۲۸ یوم ہوتی ہے۔

حیدرآباد دکن، اس کی تہذیب اور اس کی فضاؤں سے جوش کی چاہت بے پناہ محبت کا درجہ اختیار کر چکی تھی۔ ان کی شاعری اور دیگر تحریروں میں اس کی متعدد شہادتیں ملتی ہیں۔ حیدرآباد سے گہرے لگاؤ کے باوجود جوش کے لیے حالات ایسے پیدا ہوگئے تھے کہ انہیں ریاست بدر ہو کر حیدرآباد سے نکلنا پڑا تھا۔ حیدرآباد سے ان کے اخراج کے حقیقی اسباب کے تعلق سے اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے یا خود جوش نے لکھا ہے اس سے ساری گرہیں نہیں کھلتیں اور یہ مسئلہ ہنوز حل طلب ہے۔

جوش نے اپنی خودنوشت سوانح میں حیدرآباد سے اخراج کے سلسلے میں تفصیلات بیان کرتے ہوئے آصف سابع کے چند فرامین اور احکام کا بھی حوالہ دیا ہے۔ ان حوالوں کا آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ اصل ریکارڈ کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے تاکہ مستند ریکارڈ کی بنیاد پر جوش کے اخراج کے اصل واقعات اور اہم امور سے پڑے ہوئے دبیز پردے ہٹائے جاسکیں۔ جوش نے یادوں کی برات میں اپنے اخراج کا اصل سبب بیان کرتے ہوئے اس کی تفصیلات یوں بیان کی ہیں کہ جس روز انہوں نے اپنی نظم غلط بخشی جاگیرداروں اور وزیروں کے اجتماع میں سنائی تھی اس کے دوسرے روز ہی یہ نظم آصف سابع تک پہنچ گئی کیونکہ اس اجتماع میں خفیہ پولیس کے لوگ بھی موجود تھے۔ آصف سابع نے اس نظم پر اپنا کوئی سخت ردعمل ظاہر کرنے کی بجائے بڑے خفیہ انداز میں آغا جانی، نائب کوتوال کو جوش کے پاس بھیجا جنہوں نے جوش سے کہا کہ آصف سابع نے فرمایا ہے کہ اگر جوش آصف سابع سے معافی طلب کر کے اس بات کا عہد کرلیں کہ وہ آئندہ ان کے خلاف کچھ نہیں کہیں گے تو آصف سابع تہہ دل سے انہیں

معاف کر دیں گے۔ آغا جانی نے جوش کو آصف سابع کے پاس چلنے کے لیے اصرار کے ساتھ کہا لیکن جوش نے کہہ دیا کہ وہ معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بیگم جوش کے سخت اصرار کے باوجود جوش ٹس سے مس نہیں ہوئے اور پھر انہوں نے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ آصف سابع کی خدمت میں جب یہ استعفیٰ پیش ہوا تو آصف سابع کے غصہ کو بھانپ کر ان کے معتمد پیشی نے جوش کا استعفیٰ پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا اور اسی وقت آصف سابع نے فرمان لکھوایا کہ جوش ملیح آبادی کو ممالک محروسہ سے خارج کیا جاتا ہے۔ وہ پندرہ دن کے اندر اندر روانہ ہو جائیں اور تا حکم ثانی یہاں قدم نہ رکھیں۔ یہ فرمان لے کر آغا جانی جوش کے پاس گئے جوش کو فرمان بتا کر کہا کہ سرکار کسی پر عتاب فرماتے ہیں تو اسے چوبیس گھنٹے کے اندر نکال دیتے ہیں...... مگر آپ کو ۲۴ گھنٹے کی بجائے پورے پندرہ دن کی مہلت دی گئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ صورت حال کو ٹھنڈے دل سے سمجھ کر معافی مانگ لیں اور یہ فرمان واپس لے لیا جائے اور اس میں حکم ثانی لکھ کر آپ کی واپسی کو ناممکن نہیں بنایا گیا ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ چل کر معافی مانگ لیں تو یہ فرمان یقیناً منسوخ کر دیا جائے گا لیکن جوش معافی نہ مانگنے کے فیصلے پر قائم رہے۔

متذکرہ بالا فرمان جاری ہونے سے قبل آغا جانی نائب کوتوال نے آصف سابع کا جو زبانی پیام جوش تک پہنچایا تھا، اس کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں جا سکتا مگر فرمان کے جن دو نکات کی آغا جانی نے وضاحت کی تھی اس پر کسی قسم کے تبصرے کی بجائے آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ اصل احکام مورخہ ۲ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۳ اگست ۱۹۳۴ء کی تحریر کو درج کرنا بہتر ہوگا۔ "اس شخص کو اگرچہ بیشتر متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے اعمال کو درست کر لے ورنہ اس کی علیحدگی عمل میں آئے گی مگر افسوس ہے کہ اس کا کچھ نتیجہ اچھا نہیں نکلا بلکہ سابقہ حالات ایک حد تک ابھی باقی ہیں۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ جس مدت کے لیے وہ یہاں ملازم تھا اس حساب سے کچھ ماہوار بطور رعایت اس کے نام جاری کر کے (جس کی مقدار سے پہلے یہاں اطلاع دی جائے) اس کو کہہ دیا جائے کہ وہ دو ہفتوں میں یہاں سے خاموشی سے وطن چلا جائے اور بغیر

اجازت پھر یہاں آنے کا قصد نہ کرے۔''

اپنے اخراج کے بارے میں جوش آگے لکھتے ہیں کہ وہ حیدرآباد چھوڑنا طے کر چکے تھے۔ مگر اپنے افراد خاندان، عزیز و اقارب اور نوکروں کو ساتھ لے جانے کے لیے ان کے پاس درکار رقم موجود نہیں تھی۔ ابتدائی دس گیارہ روز یوں ہی سوچ بچار میں گزر گئے اور پیسوں کا کوئی بندوبست نہ ہوسکا۔ بالآخر وہ اپنے دوست حکیم آزاد انصاری کے مشورے پر قرض کی درخواست لیے سر اکبر حیدری کے پاس گئے جنہوں نے قرض منظور کردیا اور جوش کو دوسرے ہی روز پانچ ہزار روپے مل گئے۔ جوش کی اس بیان کی سرکاری ریکارڈ کی روشنی میں توثیق ضرور ہوتی ہے لیکن رقم کی مقدار کے بارے میں جوش نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ انہوں نے غالباً اپنی آن بان اور مقام و مرتبے کو ظاہر کرنے کے لیے یہ بیان کیا کہ انہیں پانچ ہزار روپے بطور قرض دیے گئے تھے جبکہ محکمہ تعلیمات کی عرضداشت مورخہ ۲۸ شعبان ۱۳۵۳ھ م ۶ دسمبر ۱۹۳۴ء کی رو سے جوش کو حیدرآباد سے روانگی کے وقت ایک ہزار روپے کلدار بطور مبادلہ دیے گئے تھے۔

جوش اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں کہ ان کی حیدرآباد سے روانگی کے موقع پر نواب ذوالقدر جنگ آصف سابع کا جو فرمان لے کر ریلوے اسٹیشن آئے تھے وہ فرمان انہیں حرف بحرف یاد نہیں رہا، لیکن اس کا مفہوم یہ تھا ''جوش ملیح آبادی آج ہندوستان جارہے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ وہ ...... جاکر اپنے قلم کو ہمارے خلاف استعمال نہ کریں اور معافی پر تیار ہوں تو ہنوز گنجائش باقی ہے'' مگر جوش ان احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے حیدرآباد سے روانہ ہوگئے۔ جوش کا یہ بیان سرکاری کاغذات کی روشنی میں سراسر غلط ہے۔ آصف سابع کے اصل احکام مورخہ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۷ اگست ۱۹۳۴ء میں جوش سے معافی مانگنے کے لیے نہیں کہا گیا اور احکام کا لہجہ بھی کافی درشت ہے۔ احکام کی حسب ذیل تحریر سے قارئین خود اندازہ کرسکتے ہیں۔

'' مجھے معلوم ہوا ہے کہ جوش ملیح آبادی کل یوم سہ شنبہ یہاں سے اپنے وطن چلا جارہا ہے۔ پس اس کو بتوسط صیغہ متعلقہ حکم سنایا جائے کہ جو کچھ وظیفہ (از روئے سروس) اس کو ملے گا تو وہ اس شرط پر کہ وہ بیرون ممالک

محروسہ سرکار عالی خاموشی سے زندگی بسر کرے یعنی وہاں رہ کر اگر یہ پھر اپنے
خبث باطن کا اظہار کرے گا (جیسا کہ اس کی عادت رہی ہے) تو بعد تصدیق
یہ وظیفہ بھی پاداشا مسدود ہو جائے گا وبس۔"

جوش کی بیان کردہ تفصیلات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں دارالترجمہ کی ملازمت سے ہاتھ دھونا، حیدرآباد چھوڑنا اور غیر یقین مستقبل کی تاریک راہوں میں بھٹکنا گوارا تھا لیکن معافی مانگنا ہرگز گوارا نہ تھا۔ انہوں نے اپنا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ انہیں معافی مانگنے کے لیے مختلف طریقوں سے کہا گیا مگر وہ اپنی انا اور خودداری کو ٹھیس پہنچاتے ہوئے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے یہ تذکرہ بھی کہیں نہیں کیا ہے کہ حیدرآباد کے قیام کے دوران انہیں کبھی آصف سابع سے معافی مانگنا پڑا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اخراج کے واقعہ سے صرف دس ماہ قبل ایک موقع پر آصف سابع نے جوش سے جواب طلب کیا تھا جس پر جوش نے معافی نامہ داخل کیا تھا۔ اس واقعے کے بارے میں جوش کی بیان کردہ تفصیلات کچھ یوں ہیں کہ آصف سابع کی سال گرہ کے موقع پر ایک رسالے کے مدیر نے ان کی ایک بہاریہ نظم قصیدہ بنا کر شائع کردی تھی جس میں سال گرہ کی جانب کوئی ادنی سا اشارہ یا آصف سابع کی مدح میں کوئی شعر نہ تھا مگر اس کے حسب ذیل مقطع پر شاہی عتاب نازل ہو گیا۔

کبھی جوش کے جوش کی مدح فرما
کبھی گل رخوں کی ثنا خوانیاں کر

دوسرے ہی روز فرمان شائع کیا گیا کہ معلوم ہوتا ہے یہ قصیدہ جوش نے کسی خاص وقت (ہنگام بادہ نوشی) میں کہا ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ ایسے اوقات میں سرکار کو یاد نہ کریں۔ اگر وہ آئندہ ایسا کریں گے تو اچھا نہیں ہوگا۔ جوش نے آصف سابع کے احکام کی جو تحریر درج کی ہے وہ سراسر غیر درست ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دیگر تفصیلات بھی بیان کرنے سے احتراز کیا ہے۔

ذیل میں آرکائیوز میں محفوظ آصف سابع کے احکام مورخہ ۱۶ رجب ۱۳۵۲ھ م ۵ نومبر

۱۹۳۳ء درج کیے جاتے ہیں جو اس موقع پر جاری ہوئے تھے۔

''جوش ملیح آبادی سے جواب لیا جائے کہ انہوں نے اخبار منشور کے سال گرہ نمبر میں جو نظم لکھی ہے جس کا عنوان ''نعرہ جشن'' قرار دیا ہے اس کے مقطع میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں وہ سراسر رئیس کی سوء ادبی پر محمول ہوتے ہیں۔ پس ان کو چاہیے کہ وہ آئندہ سے ایسی حرکات سے باز رہیں ورنہ ان سے سخت باز پرس کی جائے گی جس صورت میں کہ بار دیگر ایسی غلطی ہوگی وبس۔''

ان احکام کی تعمیل میں جوش نے جو معروضہ یا معافی نامہ مورخہ ۲۷ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا تھا وہ آرکائیوز کی ایک مسل میں موجود ہے۔ یہ معافی نامہ بڑے سائز کے تین اوراق پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے لکھا ''فدوی ایک شریف خاندان کا رکن ہے اور شریف اپنے محسنوں پر جان نثار کردیا کرتے ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ فدوی اپنے اتنے بڑے عظیم المرتبت محسن اعظم کی شان میں سوء ادب کا تصور بھی اپنے ذہن میں لاتا جو محسن ہونے کے علاوہ اس کی قوم کا واحد تاجدار بھی ہے''۔ جوش اپنے معافی نامے میں آگے لکھتے ہیں کہ صبح دکن کے سالگرہ نمبر کے لیے تہنیتی نظم دینے کے بعد مدیران نظام گزٹ اور منشور نے ان سے کلام دینے کے لیے اصرار کیا۔ اسی اثنا میں وہ سخت بیمار ہوگئے اور ایک دن بخار کی کیفیت میں اپنی ایک بہار یہ غزل مدیر منشور کو دے دی جس میں انہوں نے محض اپنی ہی ذات سے خطاب کیا ہے۔ بخار کی شدت کے باعث ان سے جو غلطی سرزد ہوئی اس کا اعتراف کرتے ہوئے وہ بکمال ادب معافی کے خواستگار اور آصف سابع سے عفو و درگزر کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ جوش اپنے معافی نامے میں ایک جگہ لکھتے ہیں ''فدوی کو بے پایاں پشیمانی اور ملال کے ساتھ اپنی اس غلطی کا اعتراف ہے کہ اس نے اس غزل پر بہ تقریب سالگرہ کی سرخی کیوں قائم کردی''۔ یادوں کی برات میں جوش کا یہ کہنا کہ اس میں نظام سابع کی سالگرہ کی جانب کوئی ادنی سا اشارہ موجود نہ تھا قطعی درست نہیں ہے۔ معافی نامہ داخل کرنے

کے باوجود جو فرمان مورخہ ۱۸ شعبان ۱۳۵۲ھ م ۷ دسمبر ۱۹۳۳ء صادر ہوا تھا اس کا متن درج ذیل ہے۔

"اس نے اپنی دیدہ و دانستہ غلطی کو جو ایک عذر لنگ کے ساتھ پیش کیا ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس سے درگزر کیا جائے تاہم میں اس شرط کے ساتھ معافی دیتا ہوں کہ آئندہ اگر پھر اس سے ایسی غلطی سرزد ہوئی تو ۲۴ گھنٹے کے اندر اس کو خدمت سے علحدہ کر دیا جائے گا کیونکہ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس کی پرائیوٹ لائف ہرگز اطمینان کے قابل نہیں ہے اور ایسے کیرکٹر کے اشخاص کو سرکاری محکمہ میں جگہ دینا گویا محکمہ کی تذلیل ہے۔ یہی جواب اس کو بتوسط صیغہ متعلقہ دے کر کارروائی داخل دفتر کر دی جائے۔"

متذکرہ بالا فرمان میں جوش کو مشروط طور پر معاف اور آئندہ کے لیے سخت طور پر متنبہ کیا گیا تھا۔ اس واقعے کے بعد دس ماہ کے اندر ہی جوش پر پھر شاہی عتاب نازل ہوا اور وہ ریاست بدر کر دیے گئے جس کی تفصیلات اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔

جوش دارالترجمہ میں ۹ سال ۷ ماہ ۲۸ یوم تک ملازمت انجام دینے کے بعد حیدرآباد سے واپس ہو گئے۔ ان کے وظیفے کے تعین کی نسبت ایک عرضداشت مورخہ ۲۸ شعبان ۱۳۵۳ھ م ۶ دسمبر ۱۹۳۴ء صیغہ تعلیمات کی جانب سے آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس پر فرمان مورخہ ۱۷ شوال ۱۳۵۳ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۵ء جاری ہوا جس کے ذریعے جوش کے نام ایک سو روپے کلدار وظیفہ جاری کیے جانے کے احکام صادر ہوئے۔ وظیفے کے اجرا کے احکام کے ساتھ یہ شرط بھی عائد کی گئی کہ آئندہ کسی قسم کی نازیبا حرکت کرنے پر یہ وظیفہ مسدود کر دیا جائے گا۔

جو حضرات جوش کے قیام حیدرآباد کے حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہیں وہ ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے کہ ریاست حیدرآباد کے اس دور کے حالات سے مطابقت پیدا کرنا کتنا دشوار تھا۔ جوش کے تعلق سے آصف سابع کے فرامین میں درج الفاظ اور ان کے لب و لہجے سے کوئی غلط تاثر نہیں لینا چاہیے کہ جوش کا مرتبہ بلند نہیں تھا کیونکہ یہ لہجہ اور یہ زبان فرمان (شاہی

احکام) کی سرکاری و قانونی زبان تھی ۔ آصف سابع اگر جوش کے بلند مرتبے کے معترف نہ ہوتے تو انہیں ملازمت فراہم کرنے میں دلچسپی نہ لیتے اور اندرون دو سال ترقی دے کر حیدر نظم طباطبائی جیسے جید عالم و دانشور کی جگہ انہیں مامور نہ کرتے ۔ خفگی و ناراضگی کی انتہا اور عتاب کے باوجود ریاست بدر کیے جانے پر ۱۹۳۵ء میں ایک سو روپے کلدار وظیفہ کی منظوری دینا جوش کے مقام و مرتبے کے اعتراف کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس زمانے میں یہ رقم آج کے ہزاروں روپیوں پر بھاری تھی ۔

جوش کو آصف سابع کے احکام کی تعمیل میں حیدرآباد چھوڑنا پڑا تھا ۔ اس سے قبل انہوں نے دس سال ہی حیدرآباد میں گزارے تھے لیکن حیدرآباد کی یادیں کبھی بھی ان کے دماغ سے محو نہ ہو سکی تھیں ۔ جوش کی سوانح یادوں کی برات میں آصف سابع کے دربار کے چند واقعات کے علاوہ دارالترجمہ کا تذکرہ بھی شامل ہے ، جس میں انہوں نے اپنی اور دارالترجمہ کے دیگر مترجمین کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے ۔ انہوں نے لکھا ہے کہ دارالترجمہ دفتر کم اور دارالتفریح زیادہ تھا مگر ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ دارالترجمہ سے وابستگی نے انہیں غیر معمولی علمی فائدہ پہنچایا تھا ۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حیدرآباد نے ان کی شاعری کو آب و رنگ بخشا اور علم و فکر کا راستہ دکھایا ۔ جوش نے حیدرآباد میں گزارے ہوئے دنوں ، یادگار محفلوں ، مشاعروں ، رنگین شاموں اور احباب کی پرانی صحبتوں کو بڑے متاثر کن انداز میں یاد کیا ہے ، اس دور کے حیدرآباد کے بارے میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

> ''ہائے کیا بیان کروں کہ اس وقت میرا حیدرآباد کیا چیز تھا ارزانی اور اس پر دولت کی فراوانی ۔ ہر طرف ایک چہل پہل تھی ۔ امراء کے دروازوں پر صبح و شام نوبت بجا کرتی تھی ۔ آئے دن جلسے ، مجرے ، دعوتیں اور مشاعرے ہوتے تھے ۔''

اپنی سوانح میں ''میرے چند خاص احباب'' کے عنوان کے تحت بھی جوش نے حیدرآباد کے بعض واقعات بیان کیے ہیں جن سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ انہیں حیدرآباد سے

گہری وابستگی تھی ۔ حیدرآباد سے جوش کی اس گہری وابستگی اور لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ حیدرآباد سے اخراج عمل میں آنے کے بعد انہوں نے دوبارہ حیدرآباد آنے اور اپنے داخلے پر امتناع کی برخاستگی کے لیے کوشش کی تھی ۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی ان کوششوں میں سابق ریاست حیدرآباد کے خاتمے تک کامیاب نہ ہو سکے تھے ۔ جوش نے اپنی سوانح میں اپنی ان کوششوں اور خواہشوں کا ذکر نہیں کیا ہے جبکہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے جن میں جوش کے مکتوب بھی شامل ہیں اس بات کا واضح اور قطعی ثبوت ملتا ہے ۔

جوش کے مکتوب مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء (جس کا متن آگے بیان ہوگا) سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جوش نے حیدرآباد سے اخراج کے بعد کئی بار یہاں کے ارباب اقتدار سے حیدرآباد میں داخلے کی اجازت کے سلسلے میں خط و کتابت کی تھی ۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں جوش کو داخلہ دینے کی اجازت کے لیے جو پہلی سرکاری کارروائی ہوئی تھی اس کی تفصیلات یہ ہیں ۔ یقیناً جوش کے مکتوب یا درخواست پر ہی کارروائی کا آغاز ہوا ہوگا ۔ معتمد تعلیمات نے اس بارے میں اپنے ایک نوٹ میں لکھا کہ شبیر حسین جوش ملیح آبادی کو ایک خطا پر عفو شاہانہ نصیب ہوا تھا لیکن بعد ازاں بعض عام وجوہ کی بنا پر وہ خارج البلد کیے گئے اور نوکری سے بھی محروم ہوئے ۔ اب انہیں دوبارہ سروس میں لینے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا ۔ البتہ بروئے سابقہ احکام شاہانہ وہ اب ممالک محروسہ سرکار عالی میں آ بھی نہیں سکتے جسے اتنے زمانے کے بعد قائم رکھنا اب شاید ضروری تصور نہ فرمایا جائے ۔ معتمد تعلیمات کے نوٹ پر صدر المہام تعلیمات نے جوش کو صرف ممالک محروسہ سرکار عالی میں داخلے کی اجازت دینے سے اتفاق کیا ۔ جب یہ کارروائی باب حکومت (کابینہ) کے اجلاس منعقدہ ۲۷ دے ۱۳۵۳ ف م ۳ دسمبر ۱۹۴۳ء میں پیش ہوئی تو یہ قرارداد منظور ہوئی ''شبیر حسین خاں جوش ملیح آبادی کے متعلق بارگاہ خسروی میں سفارش کی جائے کہ اگر وہ صرف ممالک محروسہ سرکار عالی میں داخلے کی حد تک عفو شاہانہ سے سرفراز فرمائے جائیں تو موجب ترحم ہوگا ۔ البتہ ان کو ان کی پچھلی روش کی بنا پر کوئی ملازمت نہیں دی جاسکے گی'' ۔ ایک عرضداشت میں متذکرہ بالا تمام تفصیلات درج کر

کے اسے آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کیا گیا۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں جوش کے داخلے کے لیے عرضداشت میں جو سفارش پیش کی گئی تھی اسے آصف سابع نے نامنظور کر دیا۔ اس بارے میں آصف کا جو فرمان مورخہ ۲۷ محرم ۱۳۶۳ھ م ۲۴ جنوری ۱۹۴۴ء صادر ہوا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

"زمانہ پر آشوب ہے اور اس شخص کا رویہ زمانہ گذشتہ میں کیا تھا وہ بھی روشن ہے۔ لہٰذا سابقہ حکم پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی یعنی اس کو ممالک محروسہ میں آنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

عرضداشت میں کی گئی سفارش کے رد کر دیے جانے اور ان کے خلاف فرمان صادر ہونے کی اطلاع جوش کو ملی ہوگی۔ اس لیے انہوں نے کچھ انتظار کیا اور تقریباً چار سال کی مدت گزر جانے اور ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد انہوں نے پھر ایک بار کوشش کی تھی کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ان کے داخلے پر سے امتناع برخاست کر دیا جائے تاکہ وہ دوبارہ حیدرآباد کے ماحول وفضا میں سانس لے سکیں اور اپنے احباب سے مل سکیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک مکتوب مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء صدر اعظم ریاست حیدرآباد کو لکھا تھا۔ اس مکتوب کا متن حسب ذیل ہے۔

"مکرمی

اس سے قبل بھی متعدد بار عرض کر چکا ہوں اور آج بھی اس خط کے ذریعے عرض کر رہا ہوں کہ حیدرآباد میں میرے داخلے کے امتناع کو براہ کرم اجازت میں تبدیل کرا کے مجھے اس کا موقع دیجئے کہ وہاں کی ان گلیوں میں پھر ایک بار گشت کر لوں جہاں میں نے اپنی جوانی کے بہترین ایام صرف کیے اور ان دوستوں سے زندگی کے آخری لمحوں میں پھر ایک بار مل کر دل ٹھنڈا کر لوں جو خوابوں میں میرا تعاقب کرتے ہیں۔

کافر ہوں جو ان دو مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ اور کوئی تمنا رکھتا ہوں۔

ذرا سی بات ہے۔ آپ تحریک کردیں تو بڑی آسانی سے اس حکم کی تنسیخ
ہوسکتی ہے جس نے حیدرآباد کو میرے واسطے شجر ممنوع بنا رکھا ہے۔

خدا کرے کہ آپ بہمہ وجوہ مع الخیر ہوں اور یہ خط آپ کو ایسے موڈ
میں ملے کہ اسی وقت آپ میرے حسب مراد کارروائی کا آغاز فرمادیں۔

آپ کا از یاد رفتہ نیاز مند

جوشؔ"

متذکرہ بالا مکتوب ۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء کا تحریر کا کردہ ہے۔ اس وقت مہدی یار جنگ ریاست
حیدرآباد کے منصرم صدراعظم تھے۔ مہدی یار جنگ جوش کے محسن اور قدردان تھے اور جوش سے
ان کے مراسم دوستانہ تھے۔ یہ وہی مہدی یار جنگ ہیں جن کا تذکرہ اس مضمون کے ابتدائی حصہ
میں موجود ہے۔ مہدی یار جنگ نے ہی اپنے والد عماد الملک سے جوش کا تعارف کروایا تھا۔
مہدی یار جنگ ۱۹۴۷ء میں منصرم صدراعظم مقرر ہوئے جس کی اطلاع یقیناً جوش کو ملی ہوگی۔
اسی لیے جوش نے حیدرآباد میں داخلے پر امتناع برخاست کروانے کے لیے انہیں مذکورہ بالا خط
لکھا تھا۔ جوش کے اس مکتوب پر صدراعظم کی پیشی کے دفتر میں ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو مسل پر
کارروائی کا آغاز ہوا ہی تھا کہ دوسرے روز حیدرآباد میں وزارت تبدیل ہوگئی۔ مہدی یار جنگ
۱۳۱ کتوبر ۱۹۴۷ء کو چھ ماہ کے لیے منصرم صدراعظم بنائے گئے تھے۔ ۲۸ نومبر ۱۹۴۷ء کو انٹریم
گورنمنٹ کا قیام عمل میں آیا۔ میر لائق علی صدراعظم مقرر ہوئے اور مہدی یار جنگ سبکدوش
کردیے گئے۔ (ملاحظہ ہو جریدہ غیر معمولی مورخہ ۱۳۱ کوبر ۱۹۴۷ء اور مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۴۷ء)
مہدی یار جنگ کے ہٹ جانے سے جوش کی درخواست کو تائید حاصل نہ ہوسکی اور ایک مراسلہ
مورخہ ۲۷ بہمن ۱۳۵۷ف م ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء منجانب معتمد باب حکومت حیدرآباد جوش کو روانہ کیا
گیا جس میں اطلاع دی گئی "افسوس ہے کہ فرامین خسروی کی روشنی میں دفتر ہذا مزید کارروائی
کرنے سے قاصر ہے۔"

متذکرہ بالا مراسلہ وصول ہونے پر جوش نے حسب ذیل خط مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء مددگار

معتمد باب حکومت کے نام لکھا۔

"مراسلہ پہنچا۔ معلوم ہوا کہ فرمان خسروی کی روشنی میں دفتر ہذا مزید کارروائی کرنے سے قاصر ہے۔ چلیے بہت اچھا ہوا۔ انقلاب سے پیشتر حیدرآباد کی سیر میں لطف بھی نہ آتا۔

پیچ و تاب اس قدر اے موج عبث ہے تجھ کو
رول دیویگا نہ موتی مجھے دریا تیرا

جوش"

جوش نے اسی مکتوب میں اپنے دستخط ثبت کرنے کے بعد غالب کا حسب ذیل فارسی شعر بھی تحریر کیا۔

بیا کہ قاعدہ آسمان بگردانیم
قضا ز جنبش رطل گراں بگردانیم

چنانچہ جوش نے حیدرآباد آنے کی اپنی دیرینہ خواہش اور آرزو کی تکمیل کے لیے پولیس ایکشن (ستمبر ۱۹۴۸ء) تک انتظار کیا۔ اب وہ انقلاب رونما ہوچکا تھا جس کی جانب شاعر انقلاب نے اپنے مکتوب میں اشارہ کیا تھا۔ حیدرآباد بدر کیے جانے کے احکام بے اثر ہوچکے تھے اور اب حیدرآباد شاعر جوش کا پر جوش استقبال کرنے کے لیے منتظر تھا۔

ماخذ

1) Instalment No. 81, List No. 3, S.No.443

مقدمہ: طلب رائے نسبت استدعا شبیر حسین جوش

2) Instalment No. 80, List No. 4, S.No.62

مقدمہ: تقررات دارالترجمہ

3) Instalment No. 84, List No. 1, S.No.26

مقدمہ: نسبت تنبیہ جوش ملیح آبادی بنظر سوء ادبی مندرجہ مقطع نظم نعرہ جشن مطبوعہ سالگرہ نمبر اخبار منشور

4) Instalment No. 77, List No. 1, S.No.1553

مقدمہ: مکتوب حضرت جوش ملیح آبادی نسبت برخاستگی امتناع و دوبارہ داخلہ در ممالک محروسہ سرکار عالی

اعلیحضرت بندگان عالی متعالی مد ظلہ العالی

THE NIZAM'S GOVERNMENT
HYDERABAD DECCAN
دفتر پیشی

H. E. H. THE NIZAM'S PESHI OFFICE.
KING KOTHI,
HYDERABAD-DECCAN.

مورخہ ۱۶۔ رجب المرجب ۱۳۵۲ ؁

بخدمت شریف جناب مولوی سید محمد سعید صاحب معتمد باب حکومت سرکار عالی

اخبار منشور میں جوش ملیح آبادی نے جو نظم لکھی ہے اوسکے نسبت آپ کو تحریر کرنے کیلئے سرکار کا جو حکم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

"مہاراجہ بمبئی سے آنے بعد جوش ملیح آبادی سے جواب لیا جائے کہ انہوں نے اخبار منشور کے سالگرہ نمبر میں جو نظم لکھی ہے جسکا عنوان نعرۂ جشن قرار دیا ہے اسکے مقطع میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں وہ سراسر رئیس کی سوء ادبی پر محمول ہوتے ہیں پس اونکو چاہئیے کہ آئندہ سے ایسے حرکات سے باز رہیں ورنہ اون سے سخت بازپرس کی جائیگی جس صورت میں کہ بار دیگر ایسی غلطی ہوگی وبس۔"

معتمد پیشی

بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ

بہ پیشگاہ اقدس ارفع منزلت اعلیٰحضرت سلطان العلوم ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی

عرضِ سمیع ہمایوں | میر حسن

جہاں پناہا ۔ اس عالم میں جبکہ عالم اسلام پر نکبت و ادبار کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور ظل اللہ کے علاوہ درماندہ مسلمانوں کا کوئی پوچھنے والا باقی نہیں رہا ہے اور اس ماحول میں کہ دہلی کی سلطنت کا چراغ گل ہو جانے کے بعد اب صرف دکن ہی تمام ہندوستان کو منور کئے ہوئے ہے نیز اس زمانہ تنزل میں کہ مسلمانوں کے واسطے کوئی جائے پناہ باقی نہیں ہے۔ اعلیٰحضرت بندگانعالی کا پرچم اپنے سایہ میں مسلمانوں کو جمع کئے ہوئے ہے اور ظل اللہ کے سایہ رحمت میں اسوقت کائنات کے سب سے زبردست اور جلیل القدر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت اطمینان کیساتھ سانس لے رہی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی مسلمان خواہ وہ اس سلطنت ابد مدت کا نمکخوار ہو یا نہ ہو حضور بندگانعالی کی بارگاہ عظمت و جلال میں سوء ادب کا خواب بھی دیکھ سکے ۔

اسکے علاوہ فدوی کو وہ زمانہ یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہے گا جب اُس پر عرصہ حیات تنگ تھا اور زمین اُسے جگہ نہیں دیرہی تھی - عین اُس لمحہ ہلاکت میں بندگانعالی نے بکمال مرحمت خسروانہ فدوی کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسکی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بھنور کے منہ سے نکال لیا۔

فدوی ایک شریف خاندان کا رکن ہے۔ شریف اپنے محسنوں پر جان نثار کردیا کرتے ہیں یہ کیونکر ممکن ہے کہ فدوی اپنے اتنے بڑے عظیم المرتبت محسن اعظم کی شان میں سوء ادب کا تصور بھی اپنے ذہن میں لاتا جو محسن ہونے کے علاوہ اسکی قوم کا واحد تاجدار بھی ہے آقائے ولی نعمت! حقیقت حال یہ ہے کہ صبح دکن کے سالگرہ نمبر کے واسطے مدیر صبح دکن فدوی سے ایک تہنیتی نظم لکھا چکا تھا کہ اسکے بعد مدیر نظام گزٹ و منشور نے اصرار شروع کیا لیکن اسی اثناء میں فدوی سخت بیمار پڑگیا یہ بیماری اس درجہ شدید تھی جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ فدوی اس مرتبہ سالگرہ ہمایونی کے دربار میں شریک ہونے کی عزت وسعادت بھی حاصل نہ کرسکا اسی حالت میں مدیر منشور کے تقاضوں سے شرما کر فدوی نے بخار کی کیفیت میں اپنی ایک بہاریہ غزل انہیں دیدی۔ جس میں محض اپنی ذات سے تخاطب ہے جیسا کہ اکثر شعرا کیا کرتے ہیں۔

پروردگار عالم - جو دلوں کے بھید جانتا ہے بخوبی واقف ہے کہ یہ محض ایک بہاریہ غزل ہے جس میں فدوی نے اپنی ہی ذات سے خطاب کیا ہے فدوی کی یہ مجال ہے کہ حضور اقدس و اعلیٰ کے

کی طلب ہو کر یہ عرض کروں کہ کبھی جوش کی مدح فرما "

فدوی نے حضرت اقدس و اعلیٰ کی مدح میں اسی سالگرہ مبارک کی تقریب میں اور

کچھ پہلے موکب ہمایونی کے دہلی تشریف فرمائی کے موقع پر اخبار (الجمعیتہ دہلی کے واسطے)

دو نظمیں عرض کی تھیں جو منسلک ہیں ان سے پتہ چلے گا کہ خادم نے جب بادشاہ وقت

کے متعلق کچھ لکھا ہے اسکا لب ولہجہ کس قدر مودبانہ رہا ہے پھر بھی فدوی کو بے پایاں

پشیمانی اور ملال ہے کہ اس سے اپنی اس غلطی کا اعتراف ہے کہ اس نے اس غزل پر

" بہ تقریب سالگرہ " کی سرخی کیوں قائم کر دی ۔

فدوی کو اپنی اس غلطی کا جو بخار کی شدت کے باعث سرزد ہوئی ہے اعتراف ہے

اور بکمال ادب معافی کا خواستگار ہے ۔ اگر بمراحم خسروانہ حضور اقدس و اعلیٰ عفو و درگزر سے

کام لیں تو ذات ہمایونی کی ذرہ نوازی سے بعید نہیں ہے ۔ زیادہ حد ادب ۔

۲۷ ۔ رجب المرجب ۱۳۵۲

معروضہ ادب

فدوی شبیر حسن خاں جوش

فدوی دستخط (شبیر حسن خاں جوش)

اعلحضرت بندگانعالی متعالی مد ظلہ العالی

H. E. H. THE NIZAM'S PESHI OFFICE,
KING KOTHI,
HYDERABAD-DECCAN.

مورخہ ۳ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ

بخدمت شریف جناب مولوی سید محمد مہدی صاحب معتمد باب حکومت سرکار عالی

عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ کے ملازم شبیر حسین خان جوش ملیح آبادی کے متعلق آپ کو تحریر کرنے کیلئے سرکار کا جو حکم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے:-

"اس شخص کو اگرچہ پیشتر تنبیہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے اعمال کو درست کرے ورنہ اسکی علحدگی عمل میں آئیگی مگر افسوس ہے کہ اسکا کچھ نتیجہ اچھا نہیں نکلا بلکہ سابقہ حالات اسکے جہاں تک ابھی باقی ہیں لہذا مناسب ہوگا کہ جس مدت کیلئے وہ یہاں ملازم تھا اوس حساب سے نصف ماہوار بطور رعایت اسکے نام جاری کرکے (جسکی مقدار سے پہلے یہاں اطلاع دی جائے) اسکو لکھدیا جائے کہ وہ دو ہفتہ میں یہاں سے خاموشی سے وطن چلا جائے اور بغیر اجازت پھر یہاں آنے کا قصد نہ کرے"

حسب الحکم
معتمد پیشی
[illegible]

جوش دارالترجمہ میں

حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے ریاست کی ضرورتوں کے لحاظ سے بیرون ریاست سے قابل اور لائق افراد کو طلب کرنے کا سلسلہ سالار جنگ اول کے دور سے شروع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بڑی تعداد میں بیرونی مشاہیر از خود حصول ملازمت کے لیے حیدرآباد آئے ۔ مشاہیر کو حیدرآباد طلب کرنے اور ان کا از خود حیدرآباد آنے کا سلسلہ تقریبا ریاست حیدرآباد کے خاتمے تک جاری رہا۔ تلاش روزگار میں حیدرآباد آنے والے اردو کے چند بے حد اہم اور نمائندہ شاعروں میں جوش ملیح آبادی بھی شامل تھے ۔ جوش نے اپنی عمر کے لگ بھگ ساڑھے دس سال حیدرآباد میں گزارے ۔ یہ جوش کی زندگی کے بہترین ایام تھے ۔ حیدرآباد میں ان کی تخلیقی اور فن کارانہ صلاحیتوں کی قدر کرنے والوں اور انہیں ٹوٹ کر چاہنے والے دوستوں کی کمی نہیں تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ جوش حیدرآباد سے گہری وابستگی اور لگاؤ رکھتے تھے ۔

جوش ۱۹۲۴ء کے اوائل میں حیدرآباد آئے تھے ۔ وہ سال حصول ملازمت کی نذر ہوا ۔ وہ یکم جنوری ۱۹۲۵ء کو دارالترجمہ میں رجوع خدمت ہوئے جہاں وہ ابتدا میں مترجم کی خدمت پر ایک سال ۸ ماہ ۱۳ یوم اور پھر ناظر ادبی کی خدمت پر ۷ سال ۱۱ ماہ ۱۵ یوم فائز رہے ۔ اسی طرح دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ان کی مکمل مدت ملازمت ۹ سال ۷ ماہ ۲۸ یوم اور حیدرآباد میں ان کا

قیام لگ بھگ ساڑھے دس سال رہا۔ (تفصیلات کے لیے اس کتاب میں شامل مضمون ''جوش ملیح آبادی'' ملاحظہ ہو)۔

حکمران ریاست کے عتاب پر جوش کو حیدرآباد چھوڑنا پڑا تھا لیکن حیدرآباد کی یادوں نے کبھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ حیدرآباد کی ان گلیوں میں جہاں انہوں نے اپنی جوانی کے بہترین ایام صرف کیے تھے ان میں گشت کرنے کی تمنا اور ان دوستوں سے جو خوابوں میں ان کا تعاقب کرتے تھے ان سے مل کر دل ٹھنڈا کرنے کی خواہش ان کے دل میں ہمیشہ تازہ اور جوان رہی۔

جوش حیدرآباد کو یاد کرتے ہوئے ''یادوں کی برات'' میں لکھتے ہیں: ''ہائے کن کن باتوں کا ذکر کروں، حافظے کا سر سفید ہو چکا ہے اور پرانی صحبتیں کجلا چکی ہیں۔ اب شام کے وقت کراچی میں جب اپنے مکان کے کھلے ہوئے مغربی چھجے میں شمالی ناظم آباد کی دور کی روشنیوں کے سامنے تنہا بیٹھتا ہوں تو انسان کی رنگ رلیوں کو دیکھ کر انگاروں پر لوٹنے والی مشیت میری زمانہ ماضی کی سرخوشیوں کی سزا دینے پر کمربستہ ہو کر میرے بیتے دنوں کو حکم دیتی ہے کہ وہ میرا تعاقب کرنے لگیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حیدرآباد کی راتوں کی براتوں کے جلوس، گم کردہ لمحوں اور گہنائے ہوئے مکھڑوں کے درد انگیز جلوس دامن شفق کو پھاڑ کر باہر نکل آتے ہیں اور غلغلے مچانے والے یاروں کے چہرے اور آغوش میں مچلنے والے دلداروں کے مکھڑے، فضا پہ تیرنے لگتے ہیں اور میری پیاسی نظریں جب انہیں پکڑ لینے کے واسطے دوڑتی ہیں تو وہ دریائے شفق میں غوطہ لگا کر میری آنکھوں سے پل بھر میں اوجھل ہو جاتے ہیں اور ایک سوگوار دھواں میرے سر پر منڈلانے لگتا ہے۔''

حیدرآباد کی دوسری یادوں کے علاوہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ اور وہاں کام کرنے والے مشاہیر علم و ادب کی صحبتوں کی یادیں بھی ہمیشہ جوش کے ساتھ رہیں۔ دارالترجمہ میں جوش کی سرگرمیوں، وہاں کام کرنے والے چند اہم افراد سے جوش کے مراسم اور مفوضہ فرائض کی انجام دہی کے بارے میں جوش کی خودنوشت ''یادوں کی برات'' کے علاوہ دیگر چند مضامین سے دلچسپ اور اہم معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ یہ مضامین جوش کے عزیز اور قریبی دوستوں سید معین

الدین قریشی ، محمد حبیب اللہ رشدی اور تمکین کاظمی کے تحریر کردہ ہیں ۔ ان مضمون نگار حضرات کو دارالترجمہ میں جوش کو کام کرتے ہوئے اور دیگر دلچسپیوں میں وقت گزارتے ہوئے دیکھنے کے کافی موقع ملے تھے ۔

جوش نے یادوں کی برات میں لکھا ہے کہ دارالترجمہ دفتر کم اور دارالتفریح زیادہ تھا جہاں وہ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ ہر روز مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے برادر بزرگ مولوی ابوالخیر مودودی کے علاوہ سید ہاشمی فرید آبادی کے کمرے میں جمع ہو کر گپیں اڑاتے اور شاعری کیا کرتے تھے ۔ دارالترجمے میں مولانا عبداللہ عمادی ، مولوی ابوالخیر مودودی ، سید ہاشمی فرید آبادی اور مرزا محمد ہادی رسوا سے جوش کے خاص تعلقات تھے ۔ جوش نے مولانا عبداللہ عمادی کو فارسی اور عربی کا ہفت قلزم لکھا ہے ۔ جوش لکھتے ہیں کہ حیدرآباد آنے سے قبل رسوا ان کو پڑھایا کرتے تھے اور حیدرآباد آنے کے بعد جوش ان سے شاعری کے علاوہ انگریزی ادب اور فلسفہ کا بھی باقاعدہ درس لینے لگے تھے ۔ ان دنوں جوش روز رات کے گیارہ بجے تک اردو ، فارسی ، انگریزی ادب اور فلسفے کا بلا ناغہ مطالعہ کرتے تھے ۔

جوش کے بیان کے مطابق انہیں بیکن کی سوانح عمری کے ترجمے کا کام تفویض کیا گیا تھا جبکہ وہ دارالترجمہ میں مترجم کی حیثیت سے کام کر رہے تھے ۔ دارالترجمہ کی مطبوعات کی فہرست میں یہ سوانح عمری شامل نہیں ہے ۔ جوش نے یا تو بیکن کی سوانح عمری کا ترجمہ مکمل نہیں کیا تھا یا کسی اور وجہ سے وہ سوانح عمری شائع نہیں کی گئی ۔

تمکین کاظمی اپنے مضمون ''جوش میری نظر میں'' میں لکھتے ہیں کہ جوش ناظر ادبی کی حیثیت سے کامل توجہ ، پوری ذمہ داری اور نہایت ہی دلچسپی سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے ۔ دارالترجمہ میں عبداللہ عمادی ، مولوی عنایت اللہ ، قاضی تلمذ حسین وغیرہ ہی ایسے مترجمین تھے جن کے ترجمے نظر ثانی کے محتاج نہ تھے ورنہ بیشتر حضرات کا یہ حال تھا کہ ایک ایک سطر میں چار چار غلطیاں کرتے تھے ۔ جوش نے ایسے مترجمین کو تعلیم یافتہ وسند یافتہ جہلا کا خطاب دیا تھا ۔ جوش جن مترجمین کی غلطیاں نکالتے انہیں اپنے پاس بلوا کر ، چائے سے تواضع کرتے ہوئے ان کی

غلطیاں ان پر واضح کر دیتے اور اصلاح شدہ حصہ انہیں دکھا بھی دیتے جسے دیکھ کر وہ لوگ پھڑک جاتے اور جوش کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ تمکین کاظمی ان دنوں جوش سے دارالترجمہ کے دفتر پر زیادہ ملتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ جوش بڑے انہماک اور پوری توجہ سے اس کام کو انجام دیتے تھے اور نہایت عرق ریزی سے ترجموں کو درست کرتے رہتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ جوش نے جس محنت اور سلیقے سے ترجموں پر نظر ثانی کی اور ان کے مفہوم کو برقرار رکھ کر زبان درست کی یہ ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا۔ تمکین کاظمی نے اپنے مضمون میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ جوش کے اس سنہرے کارنامے کو کسی نے بھی نہیں سراہا اور خود جوش نے بھی کبھی اس پر غور نہیں کیا۔ تمکین کاظمی کی نظر میں جوش کا یہ کارنامہ نہایت ہی اہم اور بڑا عظیم الشان ہے۔

محمد حبیب اللہ رشدی نے اپنے مضمون ''جوش حیدرآباد دکن میں'' میں لکھا ہے کہ جوش کو ایسے زمانے میں جبکہ ان کی شاعری بہار پر آ رہی تھی اگر دارالترجمہ سے وابستہ ہونے کا موقع نہ ملتا تو شاید ان کی شاعری کا وہ رنگ نہ ہوتا جو اب ہے۔ خود جوش معترف ہیں کہ دارالترجمہ سے وابستگی ان کے لیے بہت سودمند رہی۔ وہ ''یادوں کی برات'' میں لکھتے ہیں ''میری یہ بڑی نمک حرامی ہوگی اگر میں اس بات کا اعتراف نہ کروں کہ شعبہ دارالترجمہ کی وابستگی نے مجھ کو بے حد علمی فائدہ پہنچایا اور خصوصیت کے ساتھ علامہ عمادی، علامہ طباطبائی اور مرزا ہادی رسوا کے فیضان صحبت نے مجھ بے سواد آدمی کو میرے جہل پر مطلع کر کے مجھ کو ذوق مطالعہ پر مامور کر دیا اور صحت الفاظ و نجابت لہجے کا جو پودا میرے باپ اور میری دادی نے میری وجود کی سرزمین پر لگایا تھا اگر طباطبائی، مرزا محمد ہادی رسوا اور عمادی کی مسلسل دس برس کی ہم نشینی کا مجھ کو موقع نہ ملتا تو وہ پودا کبھی شاداب اور برآور نہ ہوتا''۔

دارالترجمہ میں جوش کی سرگرمیوں کے بارے میں سید معین الدین قریشی کے مضمون ''جوش حیدرآباد میں سترہ برس بعد'' سے چند حوالے دینے سے قبل دو جملوں میں قریشی صاحب کا تعارف کروانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ معین الدین قریشی جوش کے بہت بے تکلف اور قریبی دوست تھے۔ جوش کے ایک اور قریبی دوست محمد حبیب اللہ رشدی کے الفاظ میں ''معین الدین

قریشی عثمانیہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ میں پہلے شخص تھے جنھوں نے جوش کے کمال شاعری کو پہچانا۔عثمانیہ یونیوسٹی نے قریشی کا سا دوسرا طالب علم پیدا نہیں کیا۔ وہ جوش کے ایسے پرستار تھے کہ اب تک جوش کے احباب میں ان کا ثانی مجھے نظر نہیں آیا''۔

معین الدین قریشی متذکرہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں'' دارالترجمہ میں سب سے دلچسپ اور کام کی بیٹھک مولانا عمادی کے کمرے میں ہوتی تھی ۔ یہاں علم تھا اور دبی ہوئی بذلہ سنجی جس پر سنجیدگی کے پردے پڑے ہوتے ۔ جوش ان پردوں کو ہٹاتے ۔ خالص علمی اور ادبی مسائل میں جو باریکیاں ، لطافتیں ،نزاکتیں اور شرارتیں شامل ہوتی تھیں اس کے ذمہ دار جوش تھے ۔ مولانا عمادی میں یہ بات خاص تھی کہ وہ کسی لطیف شوخی یا پھبتی کا دل سے خیر مقدم کرتے اور ایک بے اختیار ہنسی اور برجستہ قہقہے کو اس طرح روکنے کی کوشش کرتے تھے جس طرح ایک سچا عالم اپنے علم کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ جواب تو دیتے تھے لیکن کبھی وہ ضرر رساں نہ ہوتا۔ زیادہ تر داد ہوتی تھی اور سچے دل سے جس میں ان کے دل کی لذت سب کو محسوس ہوتی تھی ۔ جوش نے ہنسی ہنسی میں ان سے بہت کچھ سیکھا اور حاصل کیا اور جب کبھی یہ وہ کہتے ہیں کہ دکن سے چند دوستوں کے علاوہ میں نے علم کا ذوق پایا ہے تو میرا منتشر خیال مولانا عمادی پر مرتکز ہو جاتا ہے۔''معین الدین قریشی آگے لکھتے ہیں کہ دارالترجمہ کا ایک اور گوشہ جو جوش کی توجہ اور محبت کا مرکز تھا وہ مرزا محمد ہادی رسوا کا کمرہ تھا۔ اپنے مضمون میں معین الدین قریشی جامعہ عثمانیہ میں اصطلاح سازی کے کام کے بارے میں تحریر کرتے ہیں'' اصطلاحات بنانے کے لیے جامعہ عثمانیہ کے علما کی کمیٹیاں مہینے میں کئی بار ہوا کرتی تھیں ۔ ان کمیٹیوں میں دو مکاتیب خیال کے لوگ تھے ۔ ایک جماعت جدت پسند حضرات کی تھی جس کے سرگروہ مولوی وحید الدین سلیم تھے۔ دوسرا طبقہ قدامت پسند حضرات کا تھا جس کے ممتاز افراد علامہ علی حیدر طباطبائی ، مولانا عمادی اور مرزا محمد ہادی رسوا تھے۔ مولوی وحید الدین سلیم نے جس اور یجنل انداز سے اس پہلو پر سوچا تھا اور تحقیق کی تھی اس کی نظیر نہیں اور فطری اور عملی طور پر جامعہ عثمانیہ کے وجود کو ممکن اور قابل عمل بنانے میں مولانا سلیم نے جو حصہ لیا وہ ان ہی کا حق تھا۔ مولانا سلیم نے مولوی عبدالحق

کے کہنے پر اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب ''وضع اصطلاحات'' کے نام سے لکھی تھی۔ اردو زبان میں اس فن پر یہ اپنی نوعیت کا بے مثل کارنامہ ہے۔ اصطلاح سازی کے آریائی زبانوں میں جو اصول ہیں مولانا سلیم نے ان کی بڑی تحقیق کی اور اپنا ایک طبع زاد نظریہ ملک کے سامنے پیش کیا تھا۔ ان کا کمال یہ تھا کہ وہ اپنے اصولوں کی بنیاد پر کسی کدو کاوش کے بغیر بڑی تیزی سے اصطلاحیں ڈھالتے جاتے تھے۔ ان کا دماغ خود ٹکسال تھا''۔ اس کے بعد معین الدین قریشی اصطلاحات کے بارے میں جوش کے رجحانات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''اصطلاحات کے معاملے میں جوش اس زمانے میں قدامت پسند طبقہ کی طرف مائل نظر آئے اور ظاہر ہے کہ یہ زیادہ تر مولانا عمادی کا اثر تھا۔ اب میں نے جوش کو اس مسلک سے بہت کچھ ہٹا ہوا پایا۔ شاعر انقلاب اب کچھ انقلاب زبان کا بھی قائل نظر آتا ہے۔''

جوش کا ۱۹۳۴ء میں حیدرآباد سے اخراج عمل میں آیا تھا اور پھر انہیں ریاست حیدرآباد کے خاتمے تک حیدرآباد آنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ چنانچہ وہ ۱۹۵۱ء میں دوبارہ حیدرآباد آئے۔ اس دورہ حیدرآباد کے موقع پر شہر کی سڑکوں سے گزرتے ہوئے اکثر عمارتوں اور مکانوں کو دیکھ کر وہ پرانی یادوں میں گم ہوگئے۔ دارالترجمہ کی قدیم عمارت کے نظر آنے پر جوش کے جو تاثرات تھے اس بارے میں معین الدین قریشی لکھتے ہیں۔

''یہ تھا دارالترجمہ جہاں جوش کی زندگی بکھری بھی اور نکھری بھی۔ جب کئی سال بعد جوش پہلی بار حیدرآباد آئے تو انہوں نے اس عمارت کو بہت غور سے دیکھا جس میں دارالترجمہ تھا اور جہاں اب رائل ہوٹل ہے۔ جوش کے انداز نگاہ سے یہ محسوس ہوا کہ وہ اس پوری زندگی کو جو اس عمارت میں جذب ہے اب اپنے آپ میں جذب کرنا چاہتا ہے''۔

حیدرآباد اور دارالترجمہ سے اردو کے اس بلند مرتبت شاعر کی وابستگیوں کے صرف چند یادوں کے تذکروں سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وابستگیاں کتنی پر جوش اور کتنی بھرپور تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جوش ملیح آبادی کی شخصیت کی تشکیل اور ان کی فکر اور فن کے ارتقا سے ان وابستگیوں کا بہت گہرا اور اٹوٹ تعلق ہے۔ حیدرآباد نے جوش کی زندگی کے اس اہم مرحلے پر ان کی مدد اور

سرپرستی ہی نہیں کی بلکہ شبیر حسین خان کو اردو زبان وادب کی ایک نمائندہ شخصیت جوش ملیح آبادی بنانے میں بھی کلیدی حصہ ادا کیا۔۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 81, List No. 3, S.No.443

مقدمہ: طلب رائے نسبت استدعا شبیر حسین جوش

2) Instalment No. 80, List No. 4, S.No.62

مقدمہ: تقررات دارالترجمہ

آرکائیوز کے ریکارڈ کے علاوہ اس مضمون کی تیاری میں حسب ذیل مضامین سے بھی استفادہ کیا گیا۔

۱) ''جوش حیدرآباد میں سترہ برس بعد'' از معین الدین قریشی، شائع شدہ ماہنامہ صبا، حیدرآباد، اگست، ستمبر ۱۹۶۶ء

۲) ''جوش حیدرآباد دکن میں'' از محمد حبیب اللہ رشدی، شائع شدہ افکار جوش نمبر، دوسرا اڈیشن

۳) ''جوش میری نظر میں'' از تمکین کاظمی، شائع شدہ افکار جوش نمبر، دوسرا اڈیشن

فرمان

بملاحظہ: — عرضداشت صیغۂ عدالت معروضۂ ۱۲۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۳ف جو شبیر حسن جوش ملیح آبادی اور مترجمی معاشیات کے نسبت ہے۔

حکم: — جوش ملیح آبادی کو انگلش لٹریچر کے کتب کا (بالفعل) ترجمہ کرنے کیلئے امتحاناً دو سال کیلئے ڈھائی سو روپیہ ماہوار کی جگہ دیجائے۔ مگر پہلے اون سے استمزاج کیا جائے کہ آیا وہ اس آفر کو منظور کرتے ہیں یا نہیں۔ اور اون سے یہ بھی لکھدیا جائے کہ اگر یہ اونکو منظور نہیں ہے تو اس سے بڑھکر اونکے حق میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ کارروائی داخل دفتر کردی جائے گی۔

چونکہ معاشیات کے ترجمہ کے متعلق تقرر طلب ہے اوس پر کسی دوسرے ملکی شخص کا تقرر عمل میں آنا چاہئے بعوض کیقباد کے۔ دو تین نام پیش کرکے منظوری حاصل کی جائے۔

۲۸۔ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۳ف۔ پنجشنبہ

مارماڈیوک پکتھال
اور
ترجمۂ قرآن مجید

قرآن مجید کے شہرہ آفاق مترجم، کئی معیاری علمی، ادبی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف اور مشہور صحافی مارماڈیوک ولیم پکتھال ۷ اپریل ۱۸۷۵ء میں لندن میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے انگلستان اور یورپ کی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ پکتھال نے مصر، ترکی، بیروت، شام اور بیت المقدس کی سیاحت کی جہاں کافی عرصے تک ان کا قیام رہا۔ ان ملکوں کی سیاحت اور قیام کے دوران پکتھال نے عربی زبان کی تحصیل مکمل کی اور اسلام کے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔ انہوں نے اپنے گہرے اور وسیع مطالعے کی بنیاد پر ۱۹۱۷ء میں اسلام قبول کیا۔

محمد مارماڈیوک پکتھال ۱۹۲۰ء میں بمبئی آئے، مشہور اخبار بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ۱۹۲۴ء تک یہ ذمہ داری نبھاتے رہے۔ چادر گھاٹ ہائی اسکول کے پرنسپل کی خدمت کے لیے سابق ریاست حیدرآباد کی حکومت کی نظر انتخاب پکتھال پر پڑی۔ اس وقت ان کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی لیکن ان کی غیر معمولی قابلیت اور اعلیٰ صلاحیتیوں کے پیش نظر اس رکاوٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں اس خدمت کے منظورہ گریڈ کی انتہائی یافت ایک ہزار

روپے کلدار ماہوار کی پیشکش کی گئی۔ پکتھال نے اس پیشکش کو قبول کیا۔ وہ جنوری ۱۹۲۵ء میں حیدرآباد آ کر چادر گھاٹ ہائی اسکول کے پرنسپل کی خدمت پر رجوع ہوئے۔ انہوں نے چادر گھاٹ ہائی اسکول کی ترقی کے لیے بڑی محنت کی، طلبہ کی کردار سازی پر خصوصی توجہ دی اور چادر گھاٹ ہائی اسکول کو ایک مثالی درس گاہ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ڈاکٹر احمد محی الدین جو پکتھال کی پرنسپلی کے دور میں چادر گھاٹ ہائی اسکول کے طالب علم تھے اپنے ایک مضمون مطبوعہ ماہنامہ سب رس، حیدرآباد ستمبر ۱۹۹۴ء میں لکھتے ہیں کہ پکتھال کے مراسم مصر، ترکی اور برطانیہ کے اعلیٰ عہدیداروں سے تھے۔ اسی زمانے میں وہ سول سروس کے منتخب افراد کی تربیت بھی کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ترجمہ قرآن کے کام میں غرق تھے مگر حیرت ہے کہ اس مصروفیت کے باوجود وہ بلا ناغہ سوائے جمعہ کی تعطیل کے دن بھر مدرسے میں موجود رہتے۔ دوپہر کے وقفے میں نماز ظہر کی امامت بھی کرتے اور اسی گھنٹے میں اسکول کے صحن میں کچھ دیر کے لیے لڑکوں سے بے تکلف گفتگو بھی کرتے تھے۔ ان کی گفتگو میں لطیف ظرافت جھلکتی رہتی تھی۔ طلبہ ان کی مسکراہٹ کبھی نہیں بھول سکتے۔

حیدرآباد میں وہ محکمہ نظامت اطلاعات عامہ اور سول سروس ہاؤس کے نگراں کار بھی مقرر کیے گئے تھے۔ حیدرآباد کا معروف انگریزی رسالہ اسلامک کلچر ۱۹۲۷ء میں پکتھال کی ادارت میں جاری ہوا جسے پکتھال نے بلند پایہ علمی اور تحقیقی جریدہ بنانے کے لیے سخت محنت کی۔ حیدرآباد کے قیام تک وہی اس رسالے کے ایڈیٹر تھے۔

قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ پکتھال کا عظیم کارنامہ ہے۔ حیدرآباد کی ملازمت کے دوران ترجمے کے کام کو مکمل فرصت اور یکسوئی کے ساتھ انجام دینے کے لیے انہیں پوری تنخواہ کے ساتھ دو سال کی رخصت منظور کی گئی۔ ریاست حیدرآباد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ قرآن حکیم کے اس مترجم کو اس نے سر آنکھوں پر بٹھایا اور عظیم مترجم کے لیے ممکنہ سہولتیں فراہم کیں۔ یہی نہیں بلکہ اس ترجمے کی تکمیل کے بعد بھی اس مترجم قرآن کے ساتھ شایان شان سلوک روا رکھا۔

پکتھال کو صرف دس سالہ ملازمت پر ان کی اہم خدمات کے پیش نظر بطور خاص ان کی نصف تنخواہ کے مساوی وظیفہ پانچ سو روپے کلدار ماہانہ منظور کیا گیا اور ان کے انتقال پر ان کی بیوہ کو دو سو پونڈ سالانہ وظیفہ تاحیات مقرر کیا گیا۔

مارماڈیوک پکتھال کی حیات اور کارناموں پر اردو میں قبل ازیں چند مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں ان کی حیدرآباد کی ملازمت کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ اس مضمون میں حیدرآباد کی مشہور درس گاہ چادر گھاٹ ہائی اسکول کے پرنسپل کے عہدے پر پکتھال کے تقرر، ملازمت کے دوران قرآن مجید کے ترجمے کی تکمیل کے لیے پوری تنخواہ کے ساتھ دو سال کی رخصت اور صرف دس سالہ ملازمت کے بعد سبکدوشی پر مکمل وظیفے کی منظوری کے بارے میں حسب ذیل مستند اور اہم مواد جو آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے اخذ کردہ ہے پہلی بار پیش کیا جا رہا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

چادر گھاٹ ہائی اسکول کے پرنسپل کی خدمت کے انتظام کے متعلق سر راس مسعود ناظم تعلیمات نے اپنی ایک تحریک میں لکھا کہ محکمہ تعلیمات کی ترقی کے لیے یہ امر ہمیشہ پیش نظر رہا ہے کہ فرسٹ گریڈ ہائی اسکولوں میں کم از کم ایک ہائی اسکول کا پرنسپل قابل انگریز رہا کرے۔ اسی اصول کے مدنظر چادر گھاٹ ہائی اسکول کی صدارت پر پہلے شا کراس اور ان کے تبادلے پر کرک پیاٹرک مامور کیے گئے تھے۔ اب کرک پیاٹرک کا انتقال ہو چکا ہے اس لیے اس خدمت کے لیے مارماڈیوک پکتھال کا نام پیش کیا جاتا ہے۔ پکتھال آج کل کی علمی دنیا میں مشاہیر میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے انگلستان اور یورپ کے دیگر ممالک میں تعلیم پائی ہے۔ انگریزی، جرمن، فرانسیسی، اطالوی اور ہسپانوی زبانوں سے واقف ہونے کے علاوہ وہ عربی میں بھی بہت اچھی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسلامی ممالک میں عربوں، ترکوں اور مصریوں کی صحبت میں گزارا ہے۔ اسلامی ممالک کے بارے میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ انگلستان اور امریکہ کے تمام معتبر اخبارات اور رسائل میں ان کتابوں کی تعریف و توصیف کے ساتھ اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے کہ مشرقی ممالک کے

حالات اور تمدن کو سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ لازمی ہے۔ یہ کتابیں اس قدر مقبول ہوئی ہیں کہ ان کا ترجمہ فرانسیسی، جرمن، ڈینش، ہنگرین اور روسی زبانوں کے علاوہ ایشیا کی متعدد زبانوں میں بھی ہوا ہے۔ مارماڈیوک پکتھال کے خلوص اور ہمدردی کی بنا پر ترکی کی حکومت ان کو اپنے ایک صوبے کا گورنر مقرر کرنے کا ارادہ کررہی تھی لیکن جنگ کا آغاز ہونے کی وجہ سے یہ تقرر عمل میں نہ لایا جاسکا تاہم ان کے لیے جو عزت و وقعت ترکوں کے دلوں میں تھی اس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ ترکی کی ایک اہم شاہراہ کو ان کے نام سے موسوم کرنے کی تجویز تھی۔
پکتھال ۱۹۲۴ء سے چند ماہ قبل تک بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر تھے۔ چونکہ ان کے جیسے قابل اور مشہور یورپین کی خدمات سے مستفید ہونے کا ہندوستان میں شاذ و نادر ہی موقع ملتا ہے اس لیے محکمہ تعلیمات کے لیے ان کی خدمات جلد سے جلد حاصل کی جائیں۔ چادرگھاٹ ہائی اسکول کے پرنسپل کے عہدے ۵۰۰ تا ۱۰۰۰ روپے پر اس سے بہتر کوئی انتظام نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے میں مارماڈیوک پکتھال سے یہ استفسار کرنے کی اجازت دی جائے کہ آیا وہ اس خدمت کو دو سال تک اس کے انتہائی گریڈ ایک ہزار روپے ماہوار کے ساتھ قبول کرنے کے لیے آمادہ ہیں یا نہیں۔ معتمد تعلیمات اور محکمہ فینانس نے ناظم تعلیمات کی پیش کردہ اہم تحریک سے مکمل طور پر اتفاق کیا۔ ان سفارشات پر نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۴ کے ذریعے چادرگھاٹ ہائی اسکول کے پرنسپل کے عہدے پر دو سال کے لیے ایک ہزار روپے کلدار ماہوار پر مارماڈیوک پکتھال کے تقرر کے احکام صادر کرتے ہوئے لکھا کہ اس پیشکش کی نسبت پکتھال جو کچھ جواب دیں اس کی اطلاع آصف سابع کو دی جائے۔ اس فرمان کی تعمیل میں پکتھال کو فوراً بذریعہ تار مطلع کیا گیا۔ انہوں نے اطلاع دی کہ انہیں یہ پیشکش قبول ہے۔
پکتھال نے اس عہدے پر تقرر کے بعد ۱۵ جنوری ۱۹۲۵ء کو اپنی خدمت کا جائزہ حاصل کرلیا۔
مارماڈیوک پکتھال کی منظورہ دو سالہ مدت جب ختم ہونے کو تھی ان کی خدمت کو مستقل قرار دینے کے بارے میں ایک عرضداشت آصف سابع کے احکام کے لیے پیش کی گئی جس میں پکتھال کی اطمینان بخش کارگزاری کی بنا پر ان کی ملازمت کو مستقل قرار دینے کے لیے ناظم و

معتمد تعلیمات اور محکمہ فینانس کی سفارشات درج تھیں ۔ ان سفارشات کو منظور کرتے ہوئے آصف سابع نے چادر گھاٹ ہائی اسکول کے پرنسپل کے عہدے پر پکتھال کو مستقل قرار دینے کے احکام صادر کیے ۔ چونکہ پکتھال انگریز تھے اور انگلستان کے باشندے تھے اس لیے ان کے استقلال سے متعلق رزیڈنسی سے بھی مشورہ کیا گیا جس کا جواب تاخیر سے وصول ہوا۔ پکتھال کو مستقل قرار دینے کا فرمان جاری ہونے کے بعد رزیڈنسی کے مراسلے میں لکھا گیا کہ رزیڈنٹ کو شبہ ہے کہ آیا پکتھال کا مستقل تقرر مناسب رہے گا۔ پکتھال کو مزید دو سال کی توسیع دی جائے تو انہیں (رزیڈنٹ) کوئی اعتراض نہیں اور بعد ختم مدت مزید غور ہوسکتا ہے۔ رزیڈنسی سے اس مراسلے کی وصولی پر پکتھال کو مستقل قرار دینے کے احکام کو التوا میں رکھتے ہوئے ان کی مدت ملازمت میں دو سال کی توسیع کے لیے عرضداشت پیش کی گئی جس پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۷ فبروری ۱۹۲۷ء کے ذریعے پکتھال کی مدت ملازمت میں دو سال کی توسیع منظور کی ۔

پکتھال نے حیدرآباد کی ملازمت کے دوران قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ مکمل کرنے کا ارادہ کیا ۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں ایک درخواست بتوسط ناظم تعلیمات پیش کی جس میں انہوں نے لکھا کہ حکومت ریاست حیدرآباد کی ملازمت میں داخل ہونے سے قبل انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ شروع کر دیا تھا تا کہ اس کے محاسن ، جوش اور دبدبہ کا کچھ اظہار ہوسکے جو موجودہ ترجموں میں مفقود ہے ۔ یہاں آنے کے بعد انہیں اپنے گوناگوں فرائض میں اس قدر منہمک ہونا پڑا کہ ترجمے کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے فرصت نہیں ملی ۔ وہ قرآن پاک کے ایک ثلث کا ترجمہ کر چکے ہیں جس میں آٹھ ماہ صرف ہوئے ۔ بقیہ کام کی تکمیل کے لیے کامل فرصت کے ساتھ دو سال کی مدت درکار ہوگی ۔ اس مدت میں وہ ترجمے کو حواشی و مقدمے کے ساتھ مکمل کرلیں گے ۔ انہیں علما سے مشورہ کرنے اور کتب خانوں سے مدد لینے کے لیے یورپ ، مصر اور الجریا بھی جانا پڑے گا ۔ اس لیے ان کی استدعا ہے کہ انہیں دو سال کی رخصت بطور خاص پوری تنخواہ کے ساتھ منظور کی جائے ۔ پکتھال نے اپنی درخواست میں یہ بھی لکھا کہ قرآن پاک کے موجودہ ترجموں میں مولوی محمد علی کا ترجمہ محنت سے کیا گیا ہے مگر اس کی انگریزی ایسی

ہے کہ کوئی انگریز اس کو روا نہیں رکھ سکتا۔ دوسرے تراجم ایسے اشخاص کے ہیں جو قرآن پاک کو مقدس نہیں سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے طرز عبارت میں کوئی احتیاط روا نہیں رکھی۔ پکتھال نے درخواست میں خود اپنے بارے میں لکھا کہ وہ عربی کے مختلف السنہ بخوبی جانتے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت میں ذوق وشوق کے ساتھ انہوں نے اپنی عمر صرف کی ہے، انگریزی ان کی مادری زبان ہے اور بحیثیت مصنف انہیں کسی حد تک شہرت حاصل ہو چکی ہے۔ ان کی تمنا ہے کہ لندن میں مسجد نظامیہ کی تعمیر ختم ہونے سے پہلے قرآن پاک کا ترجمہ صاف اور موثر انگریزی میں شائع ہو جائے جو لندن کے ہر کتب فروش کی دکان پر مل سکے اور جس کو انگریز مسرت کے ساتھ پڑھ سکیں اور آسانی سے سمجھ سکیں۔ ناظم تعلیمات نے اس درخواست پر یہ رائے تحریر کی کہ قرآن پاک کے بہترین اور صحیح انگریزی ترجمے کا موقع حاصل ہو رہا ہے۔ اگر آصف سابع مارماڈیوک پکتھال کی درخواست منظور فرمائیں تو تمام اسلامی دنیا پر احسان ہوگا۔ اس وقت دنیائے ادب میں پکتھال کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو قرآن پاک کا ترجمہ اس خوبی سے کر سکے کہ اس کے حقیقی حسن میں فرق نہ آئے۔ لہٰذا وہ پر زور سفارش کرتے ہیں کہ اس خاص کام کے لیے حسب استدعا پکتھال کو دو سال کی رخصت پوری تنخواہ کے ساتھ منظور کی جائے اور انہیں یورپ، مصر اور الجیریا جانے کی اجازت دی جائے تا کہ وہ وہاں کے علما سے مشورہ اور کتب خانوں سے مدد لیں۔ ناظم تعلیمات کی رائے اور سفارشات سے معتمد وصدر المہام تعلیمات، محکمہ فینانس اور مہاراجا سرکشن پرشاد صدر اعظم نے کامل اتفاق کیا۔ آصف سابع نے ان سفارشات کی بنیاد پر فرمان مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۲۸ء کے ذریعے قرآن شریف کے انگریزی زبان میں ترجمے کے لیے پکتھال کو پوری تنخواہ کے ساتھ دو سال کی رخصت منظور کی۔

پکتھال نے منظورہ رخصت کے دوران ترجمے کا کام مکمل کیا۔ ترجمے مکمل ہونے پر وہ مصر گئے جہاں انہوں نے جامعہ ازہر کے اساتذہ اور دیگر علما سے اپنے ترجمے کے بارے میں مشورہ کیا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کے مشکل مقامات پر ان سے بحث بھی کی جس کی روشنی میں انہوں نے ترجمے پر کہیں کہیں نظر ثانی کی۔ ان کا ترجمہ ۱۹۳۰ء میں The Meaning of

Glorious Koran کے نام سے بیک وقت لندن اور نیو یارک سے شائع ہوا۔ اس میں قرآن مجید کا متن شامل نہیں ہے۔ گورنمنٹ سنٹرل پریس حیدرآباد سے ۱۹۳۸ء میں اس ترجمے کی قرآن مجید کے متن کے ساتھ دو جلدوں میں اشاعت عمل میں آئی۔ اس ترجمے کے اب تک بے شمار اڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ یہ انگریزی ترجمہ ایک ایسے عالم کا ہے جس کی مادری زبان انگریزی تھی اور جو عربی داں بھی تھا۔ اس لیے یہ ترجمہ انگریزی بولنے والوں کے لیے دیگر انگریزی ترجموں کے مقابلے میں یقیناً قابل ترجیح ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ترجمہ لازوال ہے اور اس سے ہمیشہ استفادہ کیا جائے گا۔

ابتدا میں مارماڈیوک پکتھال کا تقرر دو سال کے لیے ہوا تھا جس کے بعد انہیں دو سال کی توسیع دی گئی تھی۔ چار سال کی مدت پوری ہونے پر ان کی مدت ملازمت میں دو بار تین تین سال کی توسیع دی گئی۔ آخری تین سالہ مدت منظورہ جب قریب الختم تھی پکتھال نے انہیں ملازمت سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش کرنے کے لیے درخواست دی۔ پکتھال کی جانب سے وظیفے کے لیے دی گئی درخواست پر ناظم تعلیمات نے لکھا کہ تاریخ ابتدائی ملازمت سے توسیع کی مدت ختم ہونے تک پکتھال کی جملہ مدت ملازمت (۱۰) سال اور عمر (۶۰) سال ہوتی ہے۔ پکتھال نے زمانہ ملازمت میں نہ صرف پرنسپل کی خدمت قابل تحسین طریقے پر انجام دی ہے بلکہ اپنے مفوضہ فرائض کو انجام دیتے ہوئے محکمہ نظامت اطلاعات عامہ اور سول سروس ہاؤس کی نگرانی کی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کا وہ بے مثل ترجمہ انگریزی میں کیا ہے کہ قرآن کریم کے جتنے ترجمے انگریزی زبان میں آج تک ہوئے ہیں ان سب میں پکتھال کا ترجمہ بہترین سمجھا جاتا ہے۔ ازروئے ضابطہ، استحقاق سے زیادہ وظیفہ نہیں دیا جاسکتا لیکن پکتھال کا تقرر ان کی مستند قابلیت کی وجہ سے اور خاص حالات کے تحت عمل میں آیا تھا اور ان کی خدمات قابل قدر اور قابل ستائش رہی ہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر پکتھال کو ان کی دس سالہ ملازمت پر بطور خاص ان کی نصف تنخواہ کے مساوی وظیفہ ان کی خدمات کی قدر دانی کے معاوضے میں منظور کیا جائے۔ ناظم تعلیمات کی رائے اور سفارشات سے معتمد، صدر

الہام تعلیمات اور محکمہ فینانس نے اتفاق کیا اور باب حکومت نے بھی ان سفارشات کو قبول کرتے ہوئے قرار داد منظور کی ۔ آصف سابع نے ان سفارشات کو منظور کرتے ہوئے فرمان مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۳۴ کے ذریعے احکام صادر کیے کہ مسٹر پکتھال کو ان کی خواہش کے مطابق جنوری ۱۹۳۵ء سے ریٹائر کر کے ان کے نام پانچ سو روپے کلدار وظیفہ بطور خاص جاری کیا جائے۔

پکتھال وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے بعد لندن چلے گئے جہاں ان کا ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء کو انتقال ہوا۔ پکتھال کے انتقال کی اطلاع ملنے پر آصف سابع نے از خود تحریری طور پر استفسار کیا۔ ''مسٹر پکتھال نے اس ریاست میں مختلف خدمات عمدگی سے ایک عرصے تک انجام دیں۔ اس کے مدنظر ان کی بیوہ اس ریاست سے وظیفہ پانے کی مستحق ہے۔ کونسل کی رائے عرض کی جائے کہ بیوہ کے نام کس قدر وظیفہ جاری ہونا مناسب ہے''۔ ان احکام کی تعمیل میں باب حکومت کی سفارشات پیش کی گئیں اور آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء مسز پکتھال کے نام دو سو پونڈ سالانہ وظیفۂ رعایتی تا حیات جاری کرنے کے احکام جاری کیے۔ ☆

ماخذ

1) Instalment No. 81, List No. 4, S.No.216

مقدمہ: منظوری نسبت تقرر مسٹر پکتھال بر صدر مدرسی چادر گھاٹ ہائی اسکول

اس مضمون کی تیاری میں حسب ذیل کتاب سے بھی استفادہ کیا گیا۔

Marmaduke Pickthall - British Muslim

by Peter Clark, London, 1988
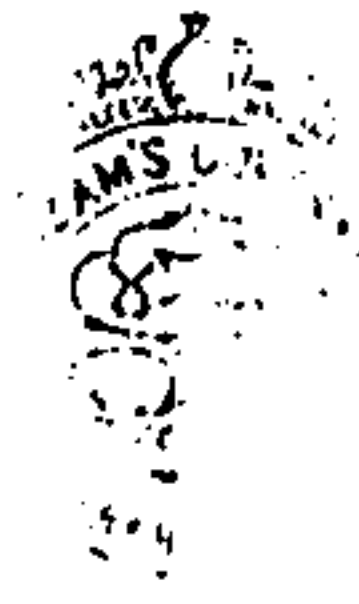
نقل فرمان

معروضہ خطاب :- عرضداشت صدر المہام تعلیمات مورخہ ۲۵ - محرم الحرام ۱۳۴۸ھ جو قرآن شریف کا بامحاورہ و موثر انگریزی زبان میں صحیح ترجمہ کرنے کے لئے مسٹر پکتھال کو دو سال کی رخصت بالمشاہرہ ماہوار دینے کی نسبت ہے۔

حکم :- مذکورہ کام کرنے کے لئے مسٹر پکتھال کو دو سال کی رخصت بالمشاہرہ ماہوار دی جائے۔ بشرط تنخواہ [illegible]

۲۲ - محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

شد بدستخط (امین جنگ) بہادر

صدرالمہام پیشی خداوندی

فرمان

عرضداشت تفصیلات معروضہ ۱۱۔ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ جو مسٹر کلیتہال کے وظیفہ کی نسبت ہے۔

حکم:۔ کونسل کی رائے منظور کی جاتی ہے حسبہ مسٹر کلیتہال کے حسب خواہش ان کو فروری ۱۹۳۵ء سے ملازمت سے ریٹائر کر کے ان کے نام پانچ سو روپیہ کلدار وظیفہ دوام جاری کیا جائے (دستخط مبارک)

۱۵۔ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ

نقل مطابق اصل

[signature]

مہر

عبدالرحمٰن چغتائی

برصغیر غیر منقسم ہندوستان کے مایہ ناز مصور عبدالرحمٰن چغتائی جس زمانے میں دیوان غالب کا مصور اڈیشن شائع کرنے کی تیاری کر رہے تھے انہیں اس اڈیشن کو آصف سابع کے نام معنون کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اس کی اجازت کے حصول کے لیے علامہ اقبال سے درخواست کی کہ وہ سر اکبر حیدری کے نام جو اس زمانے میں ریاست حیدر آباد میں وزیر فینانس تھے سفارشی خط تحریر کریں۔ علامہ اقبال نے اس سلسلے میں سر اکبر حیدری کے نام جو سفارشی خط لکھا تھا اس پر حکومت ریاست حیدر آباد نے غور و خوض اور ساری کارروائی کی تکمیل کے بعد دیوان غالب کے مصور اڈیشن کو آصف سابع کے نام معنون کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کتاب کے قیمتی اڈیشن کے دس نسخے بھی حکومت حیدر آباد کی جانب سے خریدے گئے تھے۔ دو سال بعد عبدالرحمٰن چغتائی کی تیس قلمی تصاویر حکومت حیدر آباد نے ایوان شاہی دہلی کے لیے بارہ ہزار روپے میں خریدیں۔ بعد ازاں چغتائی صاحب نے لندن سے ایک کیبل روانہ کرتے ہوئے اطلاع دی کہ وہ رباعیات عمر خیام کا ایک باتصویر اڈیشن تیار کرنے میں مصروف ہیں ساتھ ہی ساتھ وہ اسلامی آرٹ پر بھی ایک کتاب قلم بند کر رہے ہیں اور ان کاموں کی تکمیل کے لیے انہیں دو سال تک یورپ میں قیام کرنا پڑے گا۔ اس کے لیے آصف سابع کی جانب

سے امداد ناگزیر ہے۔ آصف سابع کی امداد کے بغیر نہ تو وہ وہاں اتنے عرصے تک قیام کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنا کام مکمل کر سکتے ہیں۔ حکومت ریاست حیدرآباد کے ارباب ذمہ دار میں چغتائی صاحب کو مزید امداد دینے کے بارے میں اختلاف رائے تھا۔ مسل (file) کے کھو جانے کی وجہ سے بھی اس سلسلے میں کچھ تاخیر ہوئی مگر آصف سابع کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے چغتائی صاحب کو پانچ ہزار روپے کی رقم بطور امداد دی گئی۔ اس کے علاوہ ان کی ۶۲ تصاویر کا کامل سٹ خریدنے کے لیے پندرہ ہزار روپے بھی منظور کیے گئے۔

عبدالرحمٰن چغتائی کے دیوان غالب اور رباعیات عمر خیام کے مصور ایڈیشن اور ان کی تیار کردہ تصاویر کی خریدی کی متذکرہ بالا کارروائیوں کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال نے عبدالرحمٰن چغتائی کے بارے میں سر اکبر حیدری کے نام انگریزی میں ایک مکتوب مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۲۸ء تحریر کیا تھا۔ ریاست حیدرآباد کی جانب سے عبدالرحمٰن چغتائی کی سرپرستی اور قدر دانی سے متعلق جو اسلہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے راقم الحروف کو دستیاب ہوئی ہیں ان کے مطالعے اور تجزیے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حکومت حیدرآباد میں چغتائی صاحب کے بارے میں پہلی کارروائی کا آغاز علامہ اقبال کے اسی مکتوب سے ہوا تھا۔ علامہ اقبال کا یہ مکتوب غالباً غیر مطبوعہ ہے۔ اس انگریزی مکتوب کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح ہے۔

میں یہ مکتوب پنجاب کے مشہور مصور عبدالرحمٰن چغتائی کے لیے تحریر کر رہا ہوں جن کا میں گزشتہ ماہ دسمبر میں جبکہ آپ لاہور تشریف لائے تھے تعارف کروا چکا ہوں۔ عبدالرحمٰن چغتائی دیوان غالب کا ایک مصور اڈیشن شائع کر رہے ہیں جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہوگی۔ انہوں نے اس توقع میں کہ جو حضرات آرٹ کے قدرداں ہیں اس کام کی ہمت افزائی کریں گے بڑی بھاری رقم اس کتاب پر صرف کی ہے۔ وہ اس کتاب کو ہزاگز الٹیڈ ہائنس کے نام معنون کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے خواہش کی ہے کہ میں اس سلسلے میں ضروری اجازت کے حصول کے لیے آپ سے درخواست کروں۔ جہاں تک میری غور کردہ رائے کا تعلق ہے یہ

کتاب اس لائق ہے کہ اس کا انتساب ہندوستان میں علم وفن کے عظیم ترین سرپرست کے نام ہو۔ عبدالرحمٰن چغتائی چند تصاویر روانہ کر رہے ہیں جنہیں آپ خود ملاحظہ فرمائیں گے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں عبدالرحمٰن چغتائی آرٹ کے ایک نئے دبستان کے بانی ہیں اور عظیم حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں خاص طور پر اس لیے کہ انہوں نے اس کتاب کو اپنا سب کچھ دے دیا ہے۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں آرٹ اور علم کا مرکز حیدرآباد عبدالرحمٰن چغتائی کی کتاب کی قدر کرے گا اور وہ سب کچھ کرے گا جو ان کی مدد کے لیے کیا جاسکتا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے مکتوب کے ساتھ مرقع چغتائی پر انگریزی میں یادداشت (note)، عبدالرحمٰن چغتائی کی مصوری پر جیمس کزن James Cousin کا مختصر مضمون، عبدالرحمٰن چغتائی کا اکبر حیدری کے نام اردو میں مکتوب اور زیر بحث کتاب کے لیے انتساب کا مسودہ بھی منسلک کیا تھا۔

حیدرنواز جنگ (سر اکبر حیدری) نے آصف سابع کے نام اپنے انگریزی معروضے مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۲۸ء کے ساتھ ان کے نام موسومہ علامہ اقبال کے انگریزی مکتوب کی نقل منسلک کرتے ہوئے لکھا کہ دیوان غالب کے اڈیشن کو آصف سابع کے نام گرامی سے معنون کرنے کے لیے اجازت دینے کی استدعا کی گئی ہے۔ یہ اڈیشن عبدالرحمٰن چغتائی کی تصاویر سے مزین ہوگا جن کی مصوری ہندوستان اور یورپی دنیا کے آرٹ کو اپنی جانب متوجہ کر رہی ہے جس کا اندازہ آرٹ کے نقاد جیمس کزن کے منسلکہ مضمون سے لگایا جاسکتا ہے۔ سر اکبر حیدری نے اپنے معروضے کے ساتھ علامہ اقبال کی جانب سے روانہ کردہ تمام کاغذات بھی منسلک کیے تھے۔ اپنے معروضے کے آخر میں انہوں نے لکھا تھا کہ اس بارے میں آصف سابع جو بھی حکم صادر فرمائیں گے اس کی اطلاع وہ علامہ اقبال کو روانہ کردیں گے۔

آصف سابع نے سر اکبر حیدری کے معروضے کو منسلکات کے ساتھ واپس کرتے ہوئے بذریعہ فرمان مورخہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ م ۶ جون ۱۹۲۸ء حکم صادر کیا ''کونسل کی رائے پیش کی جائے۔ آیا اس کو (دیوان غالب کے باتصویر اڈیشن) میرے نام سے معنون کرنے کی اجازت دینے کے علاوہ اس کے چند نسخے خریدنا مناسب ہوگا۔ اگر مناسب ہوگا تو کتنے نسخے

گورنمنٹ کی جانب سے خریدے جائیں''۔ فرمان میں صادر کیے گئے احکام کی تکمیل میں کارروائی باب حکومت کے اجلاس میں پیش کی گئی جس میں یہ قرار داد منظور کی گئی ''کونسل کی رائے میں تجویز پیش کردہ شرف قبولیت بخشنے کے قابل ہے اور یہ کہ دس نسخوں کا گورنمنٹ کی طرف سے خریدنا کافی ہوگا۔'' مہاراجا سرکشن پرشاد صدر اعظم نے ایک عرضداشت میں باب حکومت کی قرار داد درج کر کے اسے آصف سابع کے ملاحظے کے لیے روانہ کیا۔ آصف سابع نے باب حکومت کی قرار داد کو منظور کیا اور اس بارے میں یہ فرمان مورخہ ۶ اگست ۱۹۲۸ صادر ہوا'' ۔ کتاب مذکور کو میرے نام سے معنون کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کتاب طبع ہوئے بعد اس کے دس نسخے منجانب گورنمنٹ خرید کر میرے ملاحظے میں گزرانے جائیں۔''

عبدالرحمٰن چغتائی کا مصور دیوان غالب مرقع چغتائی کے نام سے ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا جس میں جیمس کزن کا مقدمہ اور علامہ اقبال کا پیش لفظ شامل ہے۔ چغتائی صاحب کی ۳۸ تصاویر اس کتاب کی زینت ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے خط کے ساتھ کتاب کے لیے انتساب کا جو مسودہ بغرض منظوری روانہ کیا تھا وہی انتساب مرقع چغتائی میں شائع کیا گیا۔ اس بے مثل مرقع چغتائی کی اشاعت پر برطانوی ہند نے عبدالرحمٰن چغتائی کو خان بہادر کا خطاب عطا کیا تھا۔

''حیدرآباد کی علمی فیاضیاں'' میں مولوی سید منظر علی اشہر لکھتے ہیں ''ایوان شاہی دہلی کے لیے مسٹر چغتائی کی قلمی تصاویر کے تیس قطعات خریدے جانے کی غرض سے مبلغ بارہ ہزار روپے کی منظوری بتاریخ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۴۹ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۰ء عنایت ہوئی''۔ اس مضمون میں جو اگلی کارروائی پیش کی جارہی ہے اس میں تصاویر کی خریدی کا تذکرہ موجود ہے جس سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن چغتائی کی تیس تصاویر کی خریدی کے تقریباً دو سال بعد چغتائی صاحب نے آصف سابع کے نام لندن سے ایک کیبل مورخہ ۹ اگست ۱۹۳۲ء روانہ کیا جس میں انہوں نے لکھا ''میں اپنے پر آپ کی سابقہ عنایتوں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے لوگوں کی عام طور پر فیاضانہ امداد کو دیکھتے ہوئے یہ اطلاع دینے کی جرات کرتا ہوں کہ میں یورپ میں اپنے قیام کے دوران

عمر خیام کی رباعیات کو مشرقی طرز کے مطابق مصور کر رہا ہوں تاکہ مشرق کی جانب سے مغرب کا جواب دیا جاسکے جو کہ اب تک نہیں ہوا ہے۔ علم و آرٹ کے جو خزانے یہاں موجود ہیں میں ان سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی آرٹ پر ایک کتاب بھی قلم بند کر رہا ہوں۔ اس زبردست کام کے لیے میرے وسائل محدود ہیں۔ اس لیے اس کام کو دو سال تک جاری رکھنے کے لیے میں ہز اگزالٹیڈ ہائنس سے مدد کی درخواست کے لیے مجبور ہوں۔ میں موجودہ حالت میں یہاں مزید نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر ہز اگزالٹیڈ ہائنس اس درخواست کو منظور فرماتے ہیں تو مجھے فوراً مطلع کیا جائے ورنہ میں اپنے آپ کو مزید پریشانی میں ڈالے بغیر واپس ہو جاؤں گا"۔ عبدالرحمٰن چغتائی کے اس کیبل پر بذریعہ فرمان آصف سابع کا یہ حکم صادر ہوا کہ اس کیبل پر کونسل کی رائے عرض کی جائے۔ چنانچہ باب حکومت کے اجلاس میں چغتائی صاحب کے روانہ کردہ کیبل پر غور کیا گیا اور یہ قرار داد منظور ہوئی "چغتائی صاحب کو دیوان غالب کے مصور اڈیشن اور ان کی تیار کردہ تصاویر کی خریدی کے سلسلے میں سرکار عالی کی جانب سے کافی امداد دی جاچکی ہے۔ اس کے بعد مزید امداد دینے کی سفارش عرض نہیں کی جاسکتی۔ حسبۂ چغتائی صاحب کو نفی میں جواب دینا مناسب ہے"۔ مہاراجا سرکشن پرشاد صدر اعظم نے باب حکومت کی قرار داد درج کرتے ہوئے اسے آصف سابع کے ملاحظے کے لیے روانہ کیا۔ آصف سابع نے باب حکومت کی قرار داد منظور نہیں کی۔ وہ عمر خیام کی رباعیات کی اشاعت کے لیے بھی کچھ نہ کچھ مالی امداد دینا چاہتے تھے۔

اس بارے میں ان کا جو فرمان مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۲ء صادر ہوا تھا اس کا متن درج ذیل ہے۔

"عمر خیام کی رباعیات تاریخی حیثیت رکھتی ہیں دنیائے علم میں۔
پس مناسب ہوگا کہ تھوڑی بہت امداد اس میں دی جائے تاکہ یہ
تاریخی کارنامہ بھی دست برد زمانہ سے محفوظ رہ جائے کیونکہ اس کی
وقعت دیوان غالب سے بہت زائد ہے۔"

یہ کارروائی ایک سال سے زیادہ عرصہ تک یوں ہی پڑی اور اس سلسلے میں کوئی پیشرفت نہیں ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ۱۹۳۲ء میں جو وفد حیدرآباد سے گول میز کانفرنس میں شرکت کی

غرض سے لندن گیا تھا اس میں باب حکومت کے ارکان شامل تھے ۔ چونکہ اس کارروائی کے لیے ان ارکان کی رائے درکار تھی اس لیے عبدالرحمٰن چغتائی سے متعلق مسل لندن بھیجی گئی ۔ اتفاقاً وہ وہاں گم ہوگئی اور کافی تلاش کے بعد بھی دستیاب نہ ہوسکی ۔ اس مسل اور اس کارروائی سے متعلق دیگر کاغذات کی گمشدگی پر آصف سابع نے ایک فرمان کے ذریعے ناراضگی کا اظہار کیا ۔ باب حکومت میں اس کارروائی سے متعلق جو کاغذات دستیاب تھے ان کی بنا پر کارروائی کو آگے بڑھایا گیا جب عبدالرحمٰن چغتائی کی ایک اور درخواست مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء آصف سابع کے نام وصول ہوئی تو انہوں نے بذریعہ فرمان درخواست صدر اعظم (مہاراجا سر کشن پرشاد) کو روانہ کرتے ہوئے اس پر رائے طلب کی ۔ اس بارے میں ناظم تعلیمات نے رائے دی کہ کم از کم ایک سو پونڈ بطور امداد دیے جائیں ۔ معتمد اور صدر المہام تعلیمات نے اس رائے سے اتفاق کیا ۔ باب حکومت نے بھی ناظم تعلیمات کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے قرار داد منظور کی ۔ مہاراجا سر کشن پرشاد نے عرضداشت میں مندرجہ بالا آرا درج کیں اور باب حکومت کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے تحریر کیا کہ کونسل نے سو پونڈ امداد دینے کی جو رائے دی ہے اس سے ایسا کام کبھی انجام نہیں پائے گا ۔ اس بارے میں انہوں نے اپنی یہ رائے لکھی کہ انگلستان میں عمر خیام کی رباعیات السٹریٹ کر کے بزبان انگریزی شائع کی جا چکی ہیں مگر مجوزہ کام فارسی میں ہوگا ۔ چونکہ حضرت اقدس نے بھی اس کام کو پسند فرمایا ہے اور واقعی یہ ایک یادگار زمانہ کتاب ہوگی اس لیے پانچ ہزار کلدار درخواست گزار کو اس شرط سے دیے جائیں کہ وہ السٹریٹ کر کے یہ کتاب سرکار میں داخل کردے ۔ حکومت مصنف کو بیس فیصد کتابیں دے گی ۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۸ مئی ۱۹۳۵ء کے ذریعے مہاراجا کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اسے منظوری عطا کی ۔

مذکورہ بالا فرمان کے ذریعے باب حکومت کی قرار داد کو منظوری نہیں دی گئی تھی اس لیے طے پایا کہ باب حکومت کے آئندہ اجلاس میں اس فرمان کی روشنی میں ساری کارروائی کا جائزہ لیا جائے ۔ چنانچہ باب حکومت کے اجلاس منعقدہ ۴ امرداد ۱۳۴۴ ف م ۱۰ جون ۱۹۳۵ میں

متذکرہ بالا فرمان کی سماعت کے بعد طے پایا کہ چغتائی صاحب سے اس کتاب کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر کے اس کارروائی کو باب حکومت کے اجلاس میں پیش کیا جائے۔ اس فیصلے کے بعد ناظم تعلیمات نے اس بارے میں چغتائی صاحب سے خط و کتابت کی۔ اس خط و کتابت کے نتیجے میں یہ معلومات حاصل ہوئیں کہ کتاب ابھی زیر ترتیب ہے جس کی تکمیل کے لیے چغتائی صاحب عنقریب یورپ جانے والے ہیں اور وہ اس کام کے لیے حکومت حیدرآباد سے غیر معمولی مدد کے متوقع ہیں تا کہ اس اڈیشن کو پیش کرنے کے قابل ہوسکیں۔ ان تمام تفصیلات کے حصول کے بعد باب حکومت نے اپنے اجلاس میں یہ قرار داد منظور کی کہ وہ سابق رائے پر قائم ہے اور مصنف غیر معمولی امداد کے متوقع ہیں جس کی سفارش نہیں کی جاسکتی۔ جب یہ ساری تفصیلات بذریعہ عرضداشت آصف سابع کے ملاحظے میں پیش کی گئیں تو انہوں نے قبل ازیں جو پانچ ہزار روپے کی منظوری عطا کی تھی اس کی توثیق کرتے ہوئے لکھا کہ اس کی اطلاع دیتے ہوئے چغتائی صاحب کو لکھ دیا جائے کہ اس سے زیادہ امداد نہیں دی جاسکتی۔

رباعیات عمر خیام کے اڈیشن کے سلسلے میں چغتائی صاحب کو پانچ ہزار روپے کی امداد منظور کی جاچکی تھی مگر وہ ریاست حیدرآباد سے مزید رقمی امداد حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک اور معروضہ روانہ کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ تقریباً آٹھ سال قبل ان کی کتاب مرقع چغتائی شائع ہوئی تھی جسے آصف سابع کے نام معنون کیا گیا تھا۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے مرقع کی اہمیت کے پیش نظر انہیں خان بہادر کا خطاب دیا۔ چند سال سے وہ رباعیات عمر خیام کا باتصویر اڈیشن شائع کرنے کی فکر میں ہیں۔ اس سلسلے میں وہ یورپ بھی گئے تھے اور وہاں جو ایرانی آرٹ جمع ہے اس کا انہوں نے مطالعہ کیا ہے تا کہ کتاب ہر حیثیت سے مکمل ہو۔ اس کتاب کی اشاعت کے لیے پچاس ہزار سے زیادہ اخراجات ہوں گے۔ لہذا وہ امداد کے مستدعی ہیں۔ انہوں نے اپنے معروضے میں یہ بھی لکھا کہ انہوں نے باسٹھ قلمی تصاویر تیار کی ہیں جس کی قیمت تقریباً پچاس ہزار روپے ہے۔ ان تصاویر کو حکومت حیدرآباد پچیس ہزار روپے میں خرید سکتی ہے تا کہ وہ اس آمدنی سے زیر بحث کتاب کو مکمل کرسکیں۔ چغتائی صاحب کی اس

درخواست پر محکمہ فینانس، غلام یزدانی ناظم آثار قدیمہ اور سید احمد مہتمم غار ہائے اجنتا سے رائے دریافت کی گئی اور آخر کار اس کارروائی کو باب حکومت کے اجلاس میں پیش کیا گیا جس نے اپنی قرار داد میں لکھا کہ تیاری رباعیات کے لیے پانچ ہزار روپے کی امداد کے علاوہ چغتائی صاحب کی کل تصاویر کو خرید لینا مناسب ہے اور سال ہا سال کی محنت اور فن کی قدر دانی کے لحاظ سے ان تصاویر کے لیے پندرہ ہزار روپے کلدار قیمت کا ادا کیا جانا مناسب ہے۔ سر اکبر حیدری صدر اعظم نے عرضداشت میں کارروائی کی تمام تفصیلات اور باب حکومت کی قرار داد درج کر کے اسے آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے روانہ کیا جس پر ان کا حسب ذیل فرمان مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۸ء صادر ہوا۔

"کونسل کی رائے کے مطابق عبدالرحمٰن چغتائی کو منظورہ رقم پانچ ہزار روپے ایصال کر دی جائے اور ان کی (۶۲) تصاویر کا کامل سٹ پندرہ ہزار روپے کلدار میں خرید لیا جائے"۔

ان تمام تفصیلات کا جائزہ لینے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نامور مصور عبدالرحمٰن چغتائی کی سرپرستی اور قدر دانی میں آصف سابع میر عثمان علی خاں اور حکومت حیدرآباد نے کتنی غیر معمولی دلچسپی لی تھی۔ زیر تذکرہ دور اگرچہ جمہوری دور نہیں تھا لیکن جمہوری مزاج اور کردار سے عاری بھی نہیں تھا اور علم و فن اور دانش کا اس زمانے میں بھی بول بالا تھا۔ یہی نہیں بلکہ شعوری طور پر بھی تہذیبی ترقی اور اعلیٰ اقدار کی سربلندی اسٹیٹ (مملکت) کا نصب العین تھی۔۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 82, List No. 3, S.No.269

مقدمہ۔ طلب رائے کونسل نسبت اشاعت و خریدی نسخہ دیوان غالب باتصویر مصور عبدالرحمٰن چغتائی

2) Instalment No. 83, List No. 7, S.No.107

مقدمہ۔ طلب رائے کونسل بر کیبل عبدالرحمٰن چغتائی آرٹسٹ
برائے امداد طبع و اشاعت کتاب مصور رباعیات عمر خیام

فرمان

ملاحظہ :- عرضداشت صیغۂ تعلیمات مرقومہ ۱۰- جمادی الاول ۱۳۵۱ھ جو آرٹسٹ عبدالرحمن چغتائی کی درخواست امداد کی نسبت ہے۔

حکم :- عمر خیام کی رباعیات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں دنیائے علم میں۔ پس مناسب ہوگا کہ تھوڑی بہت امداد اس میں دیجائے تاکہ یہ تاریخی کارنامہ بھی دست برد زمانہ سے محفوظ رہجائے کیونکہ اسکی وقعت دیوان غالب سے بہت زاید ہے۔ (دستخط مبارک)

۱۲ر جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

نقل مطابق اصل

[illegible]

فرمان

خلاصہ: — عرضداشت صیغہ عدالت و امور عامہ معروضہ ۱۷ - محرم الحرام ۱۳۵۷ھ جو مصنف "رباعیات عمر خیام با تصویر" عبدالرحمن چغتائی کی امداد کی نسبت ہے -

حکم: — کونسل کی رائے کے مطابق عبدالرحمن چغتائی کو منظورہ رقم پانچہزار روپیہ ایصال کردی جائے اور اون کے (۲۶) تصاویر کا کامل سٹ پندرہ ہزار روپیہ کلدار مین خرید کرلیا جائے (شرح دستخط مبارک)

۲۱ - محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

نقل مطابق اصل

فانی بدایونی

سالار جنگ اول کو ریاست کے نظم و نسق کی اصلاحات کے نتیجے میں بڑی تعداد میں قابل اور کارکرد اشخاص کی سخت ضرورت تھی ۔ ان کی یہ ضرورت اپنی ذاتی کوششوں اور بعض احباب کے تعاون سے پوری ہوئی ۔ سالار جنگ اول کے بعد بھی ریاست میں باہر سے آنے والوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کی ۱۹۱۱ء میں تخت نشینی کے بعد ریاست میں تیز رفتار تعلیمی ترقی اور جامعہ عثمانیہ و دارالترجمہ کے قیام کی وجہ سے ریاست حیدرآباد میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ، لائق اور کارکرد اشخاص بڑی تعداد میں بیرون ریاست سے طلب کیے گئے ۔ اس زمانے میں سرکاری نظم و نسق کو وسعت دی جا رہی تھی اس لیے بھی نئے نئے عہدے قائم کیے جا رہے تھے ۔ علاوہ ازیں عالموں ، ادیبوں اور شاعروں کی ریاست اور امرا کی جانب سے قدر دانی اور سرپرستی جاری تھی ۔ ایسے میں پڑھے لکھے لوگوں ، ادیبوں اور شاعروں کا ملازمتوں اور سرپرستی کے حصول کے لیے حیدرآباد کا رخ کرنا عین فطری امر تھا ۔ جوش ملیح آبادی کے بعد ایک اور عالی مرتبت شاعر شوکت علی خان فانی بھی تلاش روزگار میں حیدرآباد آئے ۔ یہاں ان کی سرپرستی ہوئی اور انہیں سرکاری ملازمت بھی ملی ۔ ان کا انتقال ۲۷ اگست ۱۹۴۱ء کو حیدرآباد ہی میں ہوا ۔ تدفین درگاہ یوسفین کے احاطے میں عمل میں آئی ۔ فانی کا مزار درگاہ

یوسفین کے مشرقی دروازے کے باہری چبوترے پر ہے۔

فانی بدایونی کی حیدرآباد کی زندگی یا فانی کی حیدرآباد کی ملازمت کے بارے میں جب بھی کچھ لکھا جائے گا اس میں مہاراجا کشن پرشاد کا تذکرہ ناگزیر سمجھا جائے گا کیونکہ مہاراجا سے فانی بدایونی کے خاص مراسم تھے اور فانی پر ان کی خاص عنایت تھی۔

مہاراجا کشن پرشاد ریاست حیدرآباد میں دوسری بار دس سال سے زیادہ مدت تک (۲۷ نومبر ۱۹۲۶ء تا ۱۳ مارچ ۱۹۳۷ء) صدارت عظمیٰ کے عہدہ جلیلیہ پر فائز رہے۔ان کی شخصیت علم دوستی، ادب نوازی، تہذیب وشائستگی اور وسیع اخلاق کا نادر نمونہ تھی۔ان کے داد و دہش کے قصے آج بھی سننے میں آتے ہیں۔شعر و ادب سے انہیں گہرا لگاؤ تھا جو انہیں ورثے میں ملا تھا۔ خانگی یا سرکاری حیثیت سے وہ ضرورت مند اور مستحق ادیبوں، شاعروں اور عالموں کی ممکنہ مدد کیا کرتے تھے۔

فانی پہلی بار ۱۹۲۶ء میں حیدرآباد آئے۔اس وقت مہاراجا صدارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز نہیں تھے لیکن اس کے باوجود مہاراجا کی نوازشیں ان کے شامل حال تھیں۔ایک سال بعد ۱۹۲۷ء میں فانی مہاراجا کی دعوت پر دوبارہ حیدرآباد آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مہاراجا صدارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے۔انہوں نے فانی کی پہلے سے زیادہ قدر افزائی کی۔ فانی حیدرآباد میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد واپس ہو گئے۔

فانی کے مالی حالات جب بے حد خستہ ہو گئے وہ تیسری بار ۱۹۳۲ء میں حیدرآباد آئے اور یہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہو گئے۔اس بار فانی چاہتے تھے کہ انہیں حیدرآباد میں کوئی اچھی ملازمت مل جائے تاکہ انہیں معاشی بدحالی سے نجات اور سکون حاصل ہو سکے۔ فانی کو ملازمت دلانے میں کچھ عرصہ لگا تو مہاراجا نے جیب خاص سے وظیفہ جاری کر دیا تاکہ فانی کی گذر بسر ہو سکے۔

ڈاکٹر مغنی تبسم نے اپنی تصنیف ''فانی بدایونی۔ حیات، شخصیت اور شاعری'' میں فانی کی حیدرآباد کی زندگی کے بارے میں بڑی محنت، تحقیق اور جستجو کے بعد تفصیلی مواد پیش کیا ہے

تاہم حیدرآباد کے محکمہ تعلیمات میں فانی کے تقرر کے بارے میں اس مضمون میں کچھ نئے گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ریاست حیدرآباد کے سرکاری ریکارڈ کے ذخائر میں مخفی تھے۔ اس ریکارڈ کی چھان بین سے پتہ چلتا ہے کہ فانی کو حیدرآباد میں سرکاری ملازمت کس طرح حاصل ہوئی اور اس کے لیے فانی کو نہیں بلکہ ان کے سرپرست اور مداح مہاراجا سرکشن پرشاد کو جو اس وقت اس ریاست کے صدر اعظم تھے، کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔

ڈاکٹر مغنی تبسم اپنی کتاب میں فانی کی ملازمت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''چونکہ فانی کے پاس قانون کی ڈگری تھی اور پیشہ وکالت سے ان کا تعلق رہ چکا تھا اس لیے مہاراجا کا خیال تھا کہ ان کے لیے منصفی کی خدمت موزوں رہے گی۔ عدالت العالیہ حیدرآباد کے بعض جج مہاراجا کے دربار میں باریاب تھے اور فانی سے بھی ان کے اچھے مراسم تھے۔ منصفی کے عہدے پر فانی کے تقرر کی مہاراجا نے یہ صورت نکالی کہ وہ حیدرآباد شہر سے باہر کسی ضلع یا تعلقے کے لیے آمادہ ہو جائیں کیونکہ ملکی امیدوار عام طور پر حیدرآباد چھوڑنا پسند نہیں کرتے ایسی صورت میں اضلاع پر غیر ملکیوں کے تقرر کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ ناظر یار جنگ اور غلام پنجتن شمشاد کا بیان ہے کہ جب یہ تجویز فانی کے سامنے رکھی گئی تو وہ راضی نہیں ہوئے۔ مہاراجا بھی فانی کو اپنے سے دور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تب انہوں نے فانی کے لیے محکمہ تعلیمات میں کوشش کی۔ آخر صدر مدرس کی خدمت پر ان کو مامور کر دیا گیا، لیکن ملازمت کے لیے تیس سال سے کم عمر ہونے کی قید اور ملکی ہونے کی شرط سے مستثنیٰ کیے جانے کا مرحلہ پھر بھی باقی رہا۔ اس کے لیے بارگاہ خسروی سے منظوری حاصل کرنا ضروری تھا۔''

محکمہ تعلیمات میں فانی کی ملازمت کے بارے میں ڈاکٹر مغنی تبسم نے صدق جائسی کی کتاب ''دربار دربار'' کی حسب ذیل سطور کو اپنے بیان کی بنیاد بنایا ہے۔

''ان دونوں قیود سے استثنا کی درخواست فانی کی طرف سے بارگاہ خسروی میں پیش ہوئی۔ ان کی درخواست پر اعتراض ہوا کہ جب معمولی معمولی خدمتوں پر غیر ملکیوں کا تقرر کیا جائے تو ملک کے تعلیم یافتہ نوجوان حصول ملازمت کے لیے کہاں جائیں گے؟ اس نوٹ کا

واپس آنا تھا کہ حیدرآباد کے اخباروں نے بات کا بتنگڑ اور رائی کا پہاڑ بنادیا۔ ہفتوں بلکہ مہینوں ان اخباروں میں اہل ملک کی موافقت اور غیر ملکیوں کی مخالفت میں مضامین نکلتے رہے۔ خدا خدا کر کے اس طوفان کا زور گھٹا اور مہاراجا بہادر کی خاص سفارش پر فانی کی دونوں درخواستیں منظور ہوگئیں۔"

فانی کے تقرر سے متعلق آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ استثنا کی کوئی درخواست فانی کی طرف سے بارگاہ خسروی میں پیش نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کے تقرر کے لیے مہاراجا نے آصف سابع کی خدمت میں عرضداشت پیش کی تھی جس میں فانی کے غیر ملکی ہونے کا استثنا دینے کے درخواست کی گئی تھی۔ یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ عمر کے سلسلے میں استثنا کی منظوری دی گئی تھی۔

آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں دستیاب ریکارڈ کی بنیاد پر محکمہ تعلیمات میں فانی کے تقرر کی تفصیلات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

مہاراجا کشن پرشاد نے فانی کے تقرر کے لئے جو عرضداشت مورخہ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ م ۲ جولائی ۱۹۳۳ء پیش کی تھی اس کا متن حسب ذیل ہے۔

"محمد شوکت علی خان فانی بی اے ایل ایل بی، علی گڑھ کالج کے گریجویٹ ہیں اور برٹش انڈیا میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے فرائض انجام دے چکے ہیں نیز اردو کی ادبی خدمت گزاری ایک عرصے سے کررہے ہیں۔ حال میں کتب نصابی کے جدید انتظامات کے ضمن میں سررشتہ تعلیمات میں ایک جائداد مواجبی (۲۵۰ تا ۴۰۰) خالی ہوئی ہے جس پر ان کی قابلیت کے لحاظ سے ان کا تقرر مفید و موزوں ہے۔ چونکہ یہ غیر ملکی ہیں لہذا قید غیر ملکی سے ان کے استثنا کی منظوری کے لیے یہ کارروائی ملاحظہ ملازمان اقدس میں گزارنی جاتی ہے۔"

مہاراجا کشن پرشاد صدراعظم کی حیثیت سے ۲۵۰ تا ۴۰۰ روپے کے گریڈ کی کسی خالی خدمت یا عہدے پر فانی بدایونی کا تقرر کرسکتے تھے (ملاحظہ ہوں اختیارات صدراعظم جو تنظیم باب حکومت کے سلسلے میں جاری شدہ فرمان مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۱۹ء میں درج ہیں) مہاراجا اپنے

اختیارات کو استعمال میں لاتے ہوئے متذکرہ بالا عہدے پر فانی کا تقرر کر دینا چاہتے تھے لیکن فانی چونکہ غیر ملکی تھے اس لیے آصف سابع سے غیر ملکی ہونے کے استثنا کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھا۔ سابق ریاست حیدرآباد میں غیر ملکی کی اصطلاح ان لوگوں کے لیے وضع کی گئی تھی جن کا تعلق بیرون ریاست یعنی ہندوستان کے دیگر حصوں سے ہوتا تھا اور جو ریاست حیدرآباد میں آ کر قیام پذیر ہونا یا ملازمت انجام دینا چاہتے تھے۔ فانی کو ملازمت دلانے کے لیے مہاراجا نے غیر ملکیوں کے تقرر کے سلسلے میں نافذ العمل احکام کو ایک طرح سے نظر انداز کر دیا تھا جو حسب ذیل ہیں۔

''تقررات کے معاملہ میں ہمیشہ یہ امر مابدولت کے مدنظر رہا ہے کہ اس ملک کی رعایا کو غیر ملکیوں پر لازماً ہمیشہ ترجیح دی جائے کیونکہ یہ ان کا واجبی حق ہے جس کو پورے طور سے ملحوظ رکھنا ضروری ہے بشرطیکہ وہ ادائی فرض منصبی کے لیے کافی لیاقت و قابلیت رکھتے ہوں۔ البتہ خاص صورتوں میں جبکہ خاص صفات کے اشخاص کی ضرورت محسوس ہو اس کلیہ سے اغماض کیا جاسکتا ہے۔ اگر آئندہ چل کر اس قسم کا معاملہ پیش آئے تو قبل تقرر مابدولت کی منظوری حاصل کرنا لابد ہوگا۔'' (فقرہ نمبر ۱۰۔ فرمان مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۱۹ء)

چونکہ مہاراجا کی عرضداشت غیر ملکیوں کے تقرر کے سلسلے میں نافذ العمل احکام کے اصل منشا کے مطابق نہ تھی اس لیے فانی کے تقرر کی تحریک کو منظوری نہ مل سکی۔ اس عرضداشت پر جو فرمان مورخہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۳۳ء صادر ہوا تھا اس کا متن حسب ذیل ہے۔

''ایسے معمولی خدمات پر غیر ملکی اشخاص کا تقرر غیر ضروری ہے کیونکہ اگر اس طرح عمل کیا جائے تو صدہا ملکی اشخاص جو ہر سال عثمانیہ یونیورسٹی وغیرہ سے کامیاب ہو کر زمرہ ملازمت میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کے لیے حتی الامکان خدمات مہیا کرنا دشوار ہوگا جس سے ہمارے ملک میں (discontent) پیدا ہونے کا احتمال ہے جس کی روک تھام بروقت ضروری ہے۔ آئندہ اس کا خیال رکھا جائے بلکہ جملہ محکمہ جات کو میرے اس حکم سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ تقررات کے وقت اس پالیسی کو ملحوظ رکھیں۔''

مندرجہ بالا فرمان میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ بالکل بجا اور مناسب ہیں۔ کسی کو ان سے سرمو اختلاف کی گنجائش نہیں ہوسکتی لیکن مہاراجا اردو کے نہایت اہم اور قابل قدر شاعر فانی کو بیروزگاری سے چھٹکارا دلانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آصف سابع کے سخت فرمان کے باوجود مہاراجا خاموش نہیں بیٹھے اور انہوں نے دو روز بعد ہی فانی کے تقرر کے لیے ایک عرضداشت آصف سابع کو پیش کی جس میں فانی کی صلاحیتوں کی دل کھول کر داد دی گئی ہے۔ مہاراجا کشن پرشاد نے اس عرضداشت مورخہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ م ۱۵ جولائی ۱۹۳۳ء میں یہ اطلاع دی ہے کہ تمام محکمہ جات کو حضور نظام کے احکام کے اجرا کا انتظام کیا جارہا ہے اور اس بات کا معقول بندوبست کیا جارہا ہے کہ تقررات منشائے خسروی کے مغائر نہ ہوں۔ یہ لکھتے ہوئے انہوں نے فانی کے بارے میں لکھا ''اردو ادب وشاعری میں فانی صاحب نے ایک ممتاز حیثیت حاصل کی ہے۔ علاوہ ادیب ہونے کے قانون داں ہیں اور تعلیمات کا تجربہ بھی رکھتے ہیں اور تابعدار کے خیال میں تھا کہ ان کی حیثیت وشہرت کا شخص اردو ادب کی تعلیم کے لیے کم مواجب خدمت کے لیے مل جائے تو ادبی خدمت کے حق میں یقیناً مفید ہوگا۔ جہاں تک فدوی کو معلوم ہے فانی صاحب کئی ایسے اشخاص کے مقابلے میں جو یونیورسٹی یا دارالترجمہ میں قابلیت کی بنا پر آگئے ہیں یالائے گئے ہیں بہت آگے ہیں۔ فدوی یہاں تک عرض کرنے کی جرات کرتا ہے کہ فانی کا کلام اس قابل ہے جو ان کی بھی زبانی حضرت سلطان العلوم سلطان سخن کے سمع اقدس تک پہونچنے کا شرف حاصل کرے''۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس عرضداشت میں مہاراجا کی تحریر drafting اس مقدمے کی مخصوص نوعیت کے تناظر میں انتہائی جامع، دلیل اور ماہرانہ ہے جس میں بڑی چابکدستی کے ساتھ اپنا کام نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ آصف سابع نے فانی کے تقرر کی منظوری دے دی۔ اس سلسلے میں جو فرمان مورخہ یکم جمادی الاول ۱۳۵۲ھ م ۲۳ اگست ۱۹۳۳ء کو جاری ہوا تھا اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے

''بلحاظ واقعات مصرحہ عرضداشت شوکت علی خان کو سررشتہ تعلیمات میں (دو سو پچاس تا

چارسو) کی جائداد (خدمت، عہدہ) پر تقرر کرنے کی اجازت خاص حالات کے تحت دی جاتی ہے مگر آئندہ ایسے تقررات کی نسبت میرے سابقہ حکم کے منشاء کے مطابق عمل ہوا کرے"۔

ابتدا میں آصف سابع نے فانی کے تقرر کی منظوری دینے سے انکار کردیا تھا لیکن بعد میں انہیں مہاراجا کی بات ماننی ہی پڑی کیونکہ مہاراجا نے واضح کردیا تھا کہ وہ ایک امیدوار کے حق میں سفارش نہیں کررہے ہیں بلکہ حقدار کو اس کا حق دلانا چاہتے ہیں اور تحدیدات اور حکمت عملی کے بخلاف انصاف کے تقاضے کی تکمیل بھی چاہتے ہیں۔۔☆

ماخذ

1) Instalment No. 83, List No. 8, S.No.49
نسبت استثنا محمد شوکت علی خان فانی از قید غیر ملکی بضمن تقرر بجائداد سررشتہ تعلیمات
۲) جریدہ اعلامیہ غیر معمولی نمبر ۹، جلد نمبر ۵۱، جز اول، ۱۳۲۹ ف، صفحہ نمبر ۲۷۱ تا ۳۰۶ (فرمان دربارہ تنظیم باب حکومت)

فرمان

بملاحظہ :- عرضداشت صدر اعظم معروضہ ۲۱۔ ربیع الاول شریف ۱۳۵۲ھ جسمین ایک بیرونی شخص شوکت علی خان فانی کو سررشتہ تعلیمات مین تقرر کرنے کی قبل ازین جو سفارش کیگئی اوسکے واقعات عرض کیے گئے ہین۔

حکم :- بلحاظ واقعات مصرحہ عرضداشت شوکت علی خان کو سررشتہ تعلیمات مین (۱۰۰ تا ۱۵۰) کی جائداد پر تقرر کرنے کی اجازت خاص حالات کے تحت دیجاتی ہے۔ مگر آئندہ ایسے تقررات کی نسبت میرے سابقہ حکم کے منشاء کے مطابق عمل ہوا کرے۔ [دستخط]

یکم جمادی الاول ۱۳۵۲ھ

سر سی ۔ وی ۔ رامن

سر سی ۔ وی ۔ رامن برصغیر ہندوستان کے عظیم المرتبت سائنس دان تھے ۔ انہیں ۱۹۳۰ء میں نوبل پرائز حاصل ہوا تھا اور فادر آف انڈین سائنس کا اعزاز بھی دیا گیا تھا ۔ سائنس دان کی حیثیت سے انہوں نے ساری دنیا سے اپنے آپ کو منوالیا تھا ۔ انہوں نے اپنی بیش بہا سرگرمیوں کے لیے ریاست حیدرآباد کی حکومت سے مدد اور اعانت حاصل کی تھی ۔ حکومت ریاست حیدرآباد نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ ان کی طرف دست تعاون بڑھایا تھا ۔ انتہا یہ ہے کہ پولیس ایکشن سے پہلے عبوری مدت میں نام نہاد آزاد حیدرآباد کی جو حکومت قائم کی گئی تھی اس حکومت نے بھی اس عظیم سائنس دان کی قدر و منزلت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور ان کے سائنسی ادارے کی مسدود شدہ امداد کو بحال کرتے ہوئے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا تھا ۔ جس انڈین اکیڈیمی آف سائنس کی امداد کے بارے میں یہ مضمون قلم بند کیا جارہا ہے اسے سر سی ۔ وی ۔ رامن نے ۱۹۳۴ء میں قائم کیا اور وہ تاحیات اس کے صدر نشین رہے ۔ ان کا انتقال ۱۹۷۰ میں ہوا ۔

سر سی ۔ وی ۔ رامن اور حکومت حیدرآباد کے تعلقات اور رابطے کا اندازہ اس جلیل القدر سائنس دان کے ان خطوط سے ہوتا ہے جو اس نے حکومت حیدرآباد کو لکھے تھے ۔ انہوں نے

اپنے پہلے مکتوب میں انڈین اکیڈیمی آف سائنس کا تعارف کرواتے ہوئے اس کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی تھی۔ ان کے خطوط سے برصغیر ہندوستان میں سائنس کے ارتقا اور اس مقصد کے لیے اس زمانے میں علمی و سائنسی سطحوں پر جو سرگرمیاں جاری تھیں ان کی تفصیلات کا بھی علم ہوتا ہے۔ سرسی۔ وی رامن ان سرگرمیوں میں روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی اور اس ادارے کی جو قدر و منزلت بیرونی دنیا میں تھی اس کا تذکرہ بھی ان خطوط میں ملتا ہے۔ ان کے ایک خط سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حیدرآباد میں اپنے تین ماہ کے قیام کے دوران عثمانیہ یونیورسٹی میں سائنس کے تحقیقی موضوعات پر چالیس لیکچر دیے تھے۔ ان خطوط اور ان کی بنیاد پر کیے گئے حکومت حیدرآباد کے اقدامات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت حیدرآباد کی نظر مستقبل پر تھی اور سائنس کی ترقی کے ذریعے سارے برصغیر کی ترقی میں اپنے اہم حصے کا بھی اس حکومت کو پوری طرح احساس اور اندازہ تھا۔

انڈین اکیڈیمی آف سائنس کو مالی مدد جاری کرنے کے سلسلے میں سرسی۔ وی۔ رامن نے جو خطوط لکھے تھے اور ان کی بنیاد پر حکومت حیدرآباد نے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۸ء تک (۱۹۴۷ء کو چھوڑ کر) جو امداد جاری کی تھی اس کارروائی کی تفصیلات مسل کی شکل میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ کے ذخیرے میں محفوظ ہیں جن کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

سرسی۔ وی۔ رامن صدر نشین انڈین اکیڈیمی آف سائنس بنگلور نے ۱۹۳۵ء میں اپنے ایک مکتوب کے ذریعے اس اکیڈیمی کو حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے مستقل امداد جاری کرنے کی درخواست کرتے ہوئے لکھا کہ گذشتہ بیس سال کے عرصے میں ہندوستان میں سائنس کی تحقیقات میں نمایاں ترقی ہوئی ہے اور سائنس سے متعلق کئی سوسائٹیاں قائم ہوئیں اور سائنس کے موضوعات پر متعدد کتابیں لکھی گئیں لیکن ہندوستان میں کوئی بھی ایسا ادارہ نہیں تھا جہاں سائنس کے جملہ شعبہ جات کی نمائندگی ہو سکے اور جہاں تمام ہندوستان کے سائنس داں جمع ہو کر اس طریقے پر عمل پیرا ہو سکیں جس طرح یورپ کے سائنس کے ادارہ جات گذشتہ دو سو سال سے عمل کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں اس قسم کے ایک ادارے کی سخت ضرورت محسوس

کرتے ہوئے اس بارے میں ہندوستان کے اہم اور ممتاز سائنس دانوں کی جب رائے لی گئی تو اکثر نے اس کے قیام سے اظہار اتفاق کیا۔ چنانچہ انڈین اکیڈیمی آف سائنس کے نام سے ایک ادارہ ۲۴ اپریل ۱۹۳۴ کو رجسٹر کرایا گیا۔ اس اکیڈیمی کے قیام کی غرض و غایت وہی ہے جو برطانیہ کی رائل سوسائٹی اور اس قسم کی دیگر سوسائٹیوں کی ہے۔ اس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ سائنس داں یہاں جمع ہو کر سائنس سے متعلق موضوعات پر مباحثے میں حصہ لیں اور ہر ماہ باقاعدہ طور پر سائنس کی نسبت اہم مقالے پیش کریں۔ اس کی وجہ سے سائنس کی ترقی کا علم عام سائنس داں اشخاص کو ہوسکتا ہے۔ جملہ شعبہ جات میں کام کرنے والے ایک دوسرے کے کام سے واقف ہوسکتے ہیں اور عام مفاد کے لیے ایک جگہ جمع ہوسکتے ہیں۔ اس اکیڈیمی کی سرگرمیوں کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ اس اکیڈیمی کے اراکین جو اہم تحقیقی کام انجام دے رہے ہیں اسے عوام تک رسائل کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے اور ان رسائل کی وجہ سے دیگر ممالک کے سائنس دانوں سے بھی روابط استوار ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں جو سائنس کی ترقی ہورہی ہے بیرونی دنیا کو اس کی آگاہی دینے میں اس ادارے کے Proceedings ایک وسیلے کا کردار ادا کررہے ہیں۔ اس مکتوب میں مزید بتایا گیا کہ گذشتہ ایک سال کے عرصے میں اس اکیڈیمی نے نمایاں ترقی کی۔ اس اکیڈیمی کے قواعد کے لحاظ سے اس کے اراکین کی تعداد جو دوسو مقرر تھی وہ اب تقریباً پوری ہوگئی ہے۔ اس کے موجودہ اراکین ہندوستان کے ہر حصے سے تعلق رکھتے ہیں اور سائنس کے جملہ شعبہ جات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس اکیڈیمی کے لیے مہاراجا میسور نے دس ایکڑ اراضی مرحمت کی۔ اس کے علاوہ سالانہ تین ہزار کی گرانٹ بھی ان کی طرف سے دی جارہی ہے۔ کونسل آف دی انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس نے بھی اکیڈیمی کو سالانہ دو ہزار روپے بطور امداد دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ اس اکیڈیمی کے جملہ اخراجات کا اندازہ پچیس ہزار روپے سالانہ کیا گیا ہے لیکن اس کی مجموعی سالانہ آمدنی صرف چودہ ہزار روپے ہے۔ اس طرح آمدنی کے مقابلے میں سالانہ گیارہ ہزار کے زائد مصارف عائد ہورہے ہیں۔ سی۔ وی۔ رامن نے اکیڈیمی کا تفصیلی تعارف کرانے اور اس کا مالی موقف بتانے کے بعد یہ توقع ظاہر کی

کہ یہ اکیڈیمی سائنس کی ترقی کے لیے جو خدمات انجام دے رہی ہے اس کے پیش نظر حکومت ریاست حیدرآباد اس کی امداد کے لیے دو ہزار روپے سالانہ یا کوئی مناسب رقم منظور کرے گی۔ یہ کارروائی محکمہ جات سیاسیات، تعلیمات اور فینانس کے مشوروں کے ساتھ باب حکومت میں پیش کی گئی جہاں بالاتفاق طے پایا کہ انڈین اکیڈیمی آف سائنس بنگلور کو فی الحال دو سال کے لیے دو ہزار روپے کلدار سالانہ چندہ دیا جانا مناسب ہے۔ صیغہ سیاسیات کی ایک عرضداشت مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء میں سرسی۔ وی۔ رامن کے مکتوب کا خلاصہ اور باب حکومت کی قرارداد درج کر کے اسے آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے روانہ کیا گیا۔ آصف سابع نے کونسل کی رائے منظور کی اور اس بارے میں حسب ذیل فرمان مورخہ ۲ جون ۱۹۳۶ء صادر ہوا۔

''کونسل کی رائے کے مطابق اس اکیڈیمی آف سائنس کو ہماری اسٹیٹ کی جانب سے دو ہزار روپے کلدار سالانہ چندہ دیا جائے''۔

ریاست حیدرآباد کی جانب سے دو ہزار روپے سالانہ چندہ دینے کی منظوری کی اطلاع اکیڈیمی کے صدرنشین سرسی۔ وی۔ رامن کو دی گئی جس پر انہوں نے اپنے مکتوب مورخہ ۶ جولائی ۱۹۳۶ء موسومہ معتمد تعلیمات کے ذریعے اپنی جانب سے اور اکیڈیمی کی کونسل کی جانب سے آصف سابع کی خدمت میں مودبانہ شکریہ ادا کرنے کی استدعا کی۔

مذکورہ بالا فرمان کی تعمیل میں اکیڈیمی کو دو ہزار روپے کلدار سالانہ چندہ دو سال تک دیا جاتا رہا۔ اس مدت کے ختم ہونے پر سرسی۔ وی۔ رامن نے اپنے ایک مکتوب موسومہ معتمد فینانس کے ذریعے درخواست کی کہ رقمی امداد جو دو سال کی مدت تک جاری ہوئی تھی اس میں مزید توسیع کی جائے۔ اکیڈیمی میں بڑی تعداد میں معیاری مضامین بغرض اشاعت وصول ہو رہے ہیں۔ مضامین کی طباعت کے لیے اکیڈیمی کو مالیے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر حکومت ریاست حیدرباد کی جانب سے فیاضانہ عطیے کو بحال کیا جائے تو اکیڈیمی اپنی سرگرمیوں اور عملی جدوجہد کو برقرار رکھ سکے گی۔ اس مکتوب پر باب حکومت نے اکیڈیمی کو ایک ہزار روپے کلدار سالانہ کی مدد مزید دو سال تک دینے کی سفارش کی اور آصف سابع نے کونسل کی رائے کے

مطابق امداد کی منظوری دے دی۔ سر سی۔ وی۔ رامن کے خطوط کی بنیاد پر اکیڈیمی کی ایک ہزار روپے کلدار سالانہ کی امداد میں توسیع کا سلسلہ ۱۹۴۶ء تک جاری رہا۔ ۱۹۴۷ء میں اکیڈیمی کی امداد کو مسدود کر دیا گیا۔ جس پر سر سی۔ وی۔ رامن نے اپنے مکتوب مورخہ ۸ جون ۱۹۴۸ء موسومہ میر لائق علی صدر اعظم ریاست حیدرآباد میں لکھا کہ انہوں نے ایک درخواست مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۴۷ء معتمد تعلیمات کے نام روانہ کی تھی جس میں انہوں نے اکیڈیمی کی امداد کو مزید تین سال ۱۹۴۷ء تا ۱۹۴۹ء جاری رکھنے کی استدعا کی تھی لیکن معتمد تعلیمات کی جانب سے انہیں یہ اطلاع دی گئی کہ اکیڈیمی کو مزید مدت کے لیے مدد فراہم کرنا ممکن نہیں ہے۔ سر سی۔ وی۔ رامن نے اپنے مکتوب موسومہ میر لائق علی صدر اعظم میں لکھا کہ حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے ۱۹۳۶ء سے امداد جاری تھی جس سے اکیڈیمی کی سرگرمیوں میں بڑی اعانت ہوتی تھی۔ مسدودی امداد کی اطلاع یقینی طور پر حوصلہ شکنی کا باعث ہوئی۔ انہوں نے مزید لکھا کہ اکیڈیمی کی مساعی کے نتائج کی بنا پر اس کو بین الاقوامی مرتبہ حاصل ہوگیا ہے۔ اس اکیڈیمی کی Proceedings عملی طور پر دنیا کی ہر سائنس کی لائبریری میں جگہ پاتی ہیں اور ان میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں انہیں دیگر ممالک کے سائنس کے موقر رسالے اکثر و بیشتر حوالے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ حیدرآباد سے بھی کئی مضامین ان Proceedings میں شائع ہو چکے ہیں اور توقع ہے کہ آئندہ بھی حیدرآبادیوں کے اچھے اور معیاری مضامین شائع ہوں گے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ دو سال قبل وہ عثمانیہ یونیورسٹی کی دعوت پر حیدرآباد آئے تھے اور یونیورسٹی کیمپس میں تین ماہ کے لیے قیام کیا تھا۔ اس عرصے میں انہوں نے سائنس کے موضوعات پر ۴۰ لکچر دیے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ اس سے حیدرآباد میں سائنس کی تحقیق اور ترقی میں مدد ملے گی۔ امداد کی مسدودی کی اطلاع نے انہیں سخت مایوس کیا۔ آخر میں انہوں نے نہ صرف امداد کی بحالی بلکہ اکیڈیمی کی سرگرمیوں میں ترقی کے لیے امداد میں اضافہ کی بھی درخواست کی۔

سر سی۔ وی۔ رامن کے اس مکتوب پر باب حکومت کے اجلاس منعقدہ ۲۱ جون ۱۹۴۸ء میں

غور کیا گیا اور طے پایا کہ سال حال ایک ہزار کی امداد زائد از موازنہ اجرا کردی جائے۔ میر لائق علی صدر اعظم نے ایک عرضداشت مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۴۸ء میں تمام تفصیلات درج کر کے اسے آصف سابع کے ملاحظے کے لیے پیش کیا۔ اس بارے میں آصف سابع کا جو فرمان مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۴۸ء صادر ہوا تھا اس کا متن درج ذیل ہے۔۔

> ''کونسل کی رائے کے مطابق مذکور سائنس اکیڈیمی کو سال حال ایک ہزار کلدار کی امداد دی جائے اور اس کی اجرائی زائد از موازنہ کی جائے''۔۔☆

ماخذ

Instalment No. 85, List No. 2, S.No.12

مقدمہ: عطائے چندہ دو ہزار روپے کلدار سالانہ برائے دو سال بہ انڈین اکاڈمی آف سائنس بنگلور

حفیظ جالندھری

حفیظ جالندھری کے نام کے ساتھ ہی شاہنامہ اسلام کا نام ہر ذہن کے پردے پر ابھرتا ہے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ اس شعری پراجکٹ کی تکمیل میں حیدرآباد کا کتنا اہم حصہ رہا ہے اور جو لوگ جانتے ہیں انہیں بھی اس سلسلے میں حقائق اور تفصیلات کا کم ہی علم ہوگا۔ فردوسی کے طرز پر اردو میں اسلام کو موضوع بنا کر تاریخی واقعات اور پس منظر کے شعری پیکر تراشنے کے کام میں حفیظ جالندھری کو برسوں محنت اور ریاضت کے دشوار گزار مراحل سے گزرنا پڑا تھا۔ شاہنامہ اسلام کی دو جلدیں شائع کرنے کے بعد مادی وسائل یا مالی مشکلات کی وجہ سے تیسری جلد کی تخلیق و اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہو رہی تھی۔ ایسے میں سابق ریاست حیدرآباد سے ملنے والی مالی امداد نے ان کی مشکل آسان کردی۔ یہ امداد چونکہ ماہانہ نقد اعانت کی شکل میں تھی اور برسوں جاری رہی اس لیے شاہنامہ اسلام کے شاعر کو مالی تفکرات سے آزاد ہو کر تحقیق و تصنیف اور اس کی طباعت و اشاعت میں بڑی آسانی ہوئی۔ چنانچہ شاہنامہ اسلام کی تیسری جلد میں حفیظ جالندھری ذکر و شکر کے عنوان سے ایک جگہ لکھتے ہیں ''ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کی معارف پروری نے مجھے پناہ دی اور میری مشکل کو بڑی حد تک آسان کردیا۔ حقا کہ اگر اس وقت امداد نہ ملتی تو آج یہ جلد تکمیل پذیر نہ ہوسکتی''۔

حفیظ جالندھری نے مہاراجا سرکشن پرشاد اور سرا کبر حیدری کے علاوہ حیدرآباد کے چند اور مشاہیر یا عمائدین کا نام لکھا ہے جنھوں نے انہیں یاس کے اندھیرے سے نکال کر آفتاب امید تک پہنچایا تھا۔ شاہنامہ اسلام کی تیسری جلد کے دیباچے میں شیخ سر عبدالقادر نے بھی ایک جگہ لکھا ہے ''سب سے بڑی قدر افزائی جو نصیب ہوئی وہ حضور نظام خلد اللہ ملکہ کی حکومت ابد دولت کی جانب سے وظیفہ کا تقرر ہے۔ کچھ عرصہ ہوا یہ وظیفہ تین سال کے لیے عطا ہوا لیکن ہز اگز الٹیڈ ہائنس کی مشہور سخن شناسی اور ان کے ارکان دولت کی توجہات سے امید ہے کہ جب تک اس کارآمد تصنیف کا سلسلہ جاری ہے یہ قدردانی جاری رہے گی''۔ اس گراں قدر امداد کے بارے میں مزید معلومات منظر عام پر نہیں آئی ہیں تاہم آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ میں اس تعلق سے پہلی بار مکمل اور مستند مواد دستیاب ہوا ہے۔ امداد کے لیے سرکاری سطح پر ابتدائی تحریک سے لے کر آخر میں اس کی منظوری تک ساری کارروائی سرکاری مسل میں محفوظ ہے جس کی تفصیلات ذیل میں دی جا رہی ہیں۔

محکمہ عدالت (تعلیمات) کی جانب سے جو عرضداشت مورخہ ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ م ۹ فبروری ۱۹۳۷ء صدر اعظم نے آصف سابع کی خدمت میں پیش کی تھی اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شاہنامہ اسلام کی تصنیف و طباعت کے سلسلے میں مالی اعانت حاصل کرنے کے لیے حفیظ جالندھری حیدرآباد آئے تھے۔ ان کو امداد دینے کی غرض سے ابتدا میں جو کارروائی ہوئی تھی اس کی جو تفصیلات اس عرضداشت میں موجود ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے۔

حفیظ جالندھری کے نام تین سال کے لیے مناسب مقدار میں ماہوار جاری کرنے کے متعلق صدر اعظم نے معتمد فینانس کو تجویز پیش کرنے کی ہدایت دی تھی لیکن بلحاظ تعلق کارروائی صیغہ مذہبی میں منتقل ہوئی جس پر ناظم امور مذہبی نے لکھا کہ لائق مصنف نے تاریخ اسلام کے واقعات کو قابلیت کے ساتھ اردو میں نظم کیا ہے مگر افسوس ہے کہ صیغہ امور مذہبی میں مصنف کی امداد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سررشتہ فینانس نے بھی لکھا کہ کسی گنجائش کی عدم موجودگی میں اس تحریک پر غور کرنا دشوار ہے اور اس مسئلے کو باب حکومت کے صوابدید پر چھوڑ دیا جائے۔

بالآخر بابِ حکومت کے اجلاس منعقدہ ۳۰ اسفندار ۱۳۴۶ ف م یکم فروری ۱۹۳۷ء میں یہ کارروائی پیش ہوئی اور بالاتفاق قرار پایا ''شاہنامہ اسلام کی تکمیل کے لیے تین سال کے لیے اس بلند پایہ شاعر کے نام تین سو روپے کلدار وظیفے کی اجرائی زائد از موازنہ مناسب ہوگی۔ ہر سال جو کام یہ کریں اس کو سررشتہ تعلیمات میں بھیج دیا کریں اور سررشتہ مذکور اس کی نسبت کیفیت پیش کیا کرے''۔

اس عرضداشت پر جو فرمان مورخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۵۶ ھ م ۲۷ مئی ۱۹۳۷ء جاری ہوا تھا اس کا متن حسب ذیل ہے۔

''شاہنامہ اسلام جو یہ تصنیف کر رہے ہیں اس کے چند اوراق میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ معلوم ہو کس قسم کا کام ہے۔ اس کے ملاحظے کے بعد اجرائی ماہوار کے متعلق غور ہوگا۔''

فرمان کی تعمیل میں شاہنامہ کی مطبوعہ دو جلدیں (جلد اول اور جلد دوم) عرضداشت مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ ھ م ۱۹ جون ۱۹۳۷ء کے ساتھ آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئیں جس پر حسب ذیل فرمان مورخہ ۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ ھ م ۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء صادر ہوا۔

''کونسل کی رائے کے مطابق حفیظ جالندھری کے نام شاہنامہ اسلام کی تصنیف کی غرض سے سردست تین سال کے لیے تین سو روپے کلدار ماہانہ اجرا کیے جائیں اس شرط سے کہ ہر سال جو کام یہ کیا کریں گے اس کو سررشتہ تعلیمات میں بھیج دینا ہوگا۔''

شاہنامہ اسلام کی تکمیل کے لیے جب سابق ریاست حیدرآباد سے تین سو روپے کلدار ماہانہ امداد جاری ہوئی تھی اس امداد کا برصغیر کے عوامی اور علمی حلقوں میں زبردست خیر مقدم کیا گیا تھا۔ آرکائیوز کی ایک مسل میں سر فیروز خان نون کا جو اس وقت برطانیہ میں ہندوستان کے ہائی کمشنر تھے انگریزی مکتوب مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء بنام سر اکبر حیدری موجود ہے جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ ریاست حیدرآباد ہمیشہ ہی علمی و ادبی کاموں کی سرپرستی میں فیاضی دکھاتی رہی ہے اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اب جو یہ سرپرستی ہوئی ہے بے مثل ہے۔ اس کے علاوہ سر عبدالقادر رکن انڈیا کونسل کا ایک انگریزی مکتوب مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۷ء موسومہ سر اکبر حیدری

بھی اس مسل میں موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

حفیظ جالندھری اردو شاعری کے فروغ میں جو اہم کام انجام دے رہے ہیں ان کے لیے وظیفے کی منظوری عطا کر کے آصف سابع نے جو نہایت شاندار کارنامہ انجام دیا ہے اس کے لیے میں پر خلوص ہدیہ تحسین پیش کرتا ہوں ۔ مجھے یقین ہے کہ شاعر کے اس کارنامے کی سرپرستی بڑی حد تک آپ کی مہربانی اور اعانت کا نتیجہ ہے ۔ادب کی سرپرستی کے لیے حیدرآباد طویل مدت سے شہرت رکھتا ہے اور ایسی سرپرستی کی مثالوں کی جو طویل فہرست ہے اس میں یہ ایک اضافہ ہے۔

اس امداد کی سہ سالہ مدت کے ختم ہونے پر حفیظ جالندھری نے ماہوار امداد کی مدت میں توسیع کے لیے ایک درخواست پیش کی تھی اس درخواست کا خلاصہ یہ ہے۔

تین سو روپے کا وظیفہ جس مقصد کے لیے دیا گیا تھا اس کو اسی مقصد کے لیے ہی صرف کیا گیا اور جیسا کہ تجویز تھی تین سال کے اندر اندر شاہنامہ اسلام کی جلد سوم مکمل کر دی گئی ۔ یہ جلد ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے جو پوری ذمہ داری سے صحت واقعات کے ساتھ لکھے گئے ہیں ۔ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک تک اس سلسلے کو مکمل کرنے کے لیے صرف دو اور جلدیں باقی ہیں ۔ یہ مکمل ہو جائیں تو آنحضرت صلعم کی حیات مبارک تک زرین واقعات پایہ تکمیل تک پہنچ جائیں گے ۔ اس کی تکمیل کے بعد واقعہ کربلا بھی جو تاریخ اسلام کا اہم ترین واقعہ ہے پیش نظر ہے ۔ یہ کام جو نصف سے زیادہ ہو چکا ہے اس کی تکمیل کا انتظام فرمایا جائے تا کہ یہ کارنامہ دوسرے بے شمار مشہور زمانہ کارناموں کی طرح اس دولت ابد مدت کے زیر سایہ مکمل اور زندہ جاوید ہونے کا مرتبہ حاصل کر سکے۔

سر اکبر حیدری صدر اعظم نے جو عرضداشت مورخہ ۲۸ رمضان ۱۳۵۹ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء منجانب صیغہ عدالت و تعلیمات پیش کی تھی اس میں حفیظ جالندھری کی درخواست کے خلاصے کے علاوہ امداد کے سلسلے میں سر رشتہ تعلیمات ، سر رشتہ فینانس اور کابینہ کی رائے بھی شامل تھی ۔ شریک معتمد تعلیمات نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ حفیظ جالندھری اب

شاہنامہ اسلام کی بقیہ جلدیں تصنیف کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی استدعا پر بقیہ جلدوں کی تصنیف کے لیے بھی حسب سابق امداد منظور فرمانا مناسب ہے۔ جن ابواب کے تحت یہ جلدیں لکھی جائیں گی وہ اہم اور ضروری ہیں اور ان کی تکمیل ہونا از بس ضروری ہے مگر اس کے لیے ضرورت ہے کہ شاعر کو فکر معاش سے بے فکر کیا جائے تا کہ وہ اطمینان سے اپنے کام میں مشغول ہو سکے۔ سرکار عالی کی اس دستگیری سے نہ صرف علم وادب کی توسیع ہوگی بلکہ تاریخ وادب میں ایک قابل قدر ذخیرے کا اضافہ بھی ہو جائے گا۔ یہ چیز واجبی اور حکومت کی روایات کے مطابق ہوگی۔ اس کام کے لیے حسب رائے ناظم تعلیمات سہ سالہ مدت کافی ہوگی۔ سررشتہ تعلیمات کی بھرپور سفارش پر فینانس نے رائے دی کہ سررشتہ فینانس کو توسیع دیے جانے سے اس صریح شرط پر اختلاف نہ ہوگا کہ اس سہ سالہ مدت میں کام کی تکمیل ہونی چاہئے اور یہ کہ سررشتہ تعلیمات سے گنجائش فراہم کی جائے گی کیونکہ موجودہ حالات میں سررشتہ فینانس کے لیے زائد از موازنہ رقم کی سبیل مشکل ہے۔ اس پر صدرالمہام تعلیمات (مہدی یار جنگ) نے لکھا کہ سررشتہ تعلیمات کی بچت سے وہ اس شرط کے ساتھ امداد دینے کے لیے رضا مند ہیں کہ حفیظ جالندھری کو تین سال کی مزید مدت جو دی جاتی ہے ان کو اس کے اندر یہ کام ختم کرنا ہوگا کیونکہ اس مدت کے بعد یہ رقم اجرا نہ ہوگی۔ یہ کارروائی کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲ آذر ۱۳۵۰ ف م ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۰ء میں پیش ہوئی اور بالا اتفاق یہ طے پایا کہ حسب رائے صدرالمہام تعلیمات (مہدی یار جنگ) سررشتہ تعلیمات کی بچت سے مزید تین سال کے لیے ماہوار جاری رکھے جانے کی سفارش اس شرط کے ساتھ کی جائے کہ اس مدت کے بعد کسی حالت میں یہ رقم اجرا نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا کونسل کی سفارش کی بنیاد پر شاہنامہ اسلام کے کام کو جاری رکھنے کے لیے ایک بار پھر تین سو روپے کلدار ماہوار کی امداد منظور ہوئی۔ اس سلسلے میں حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۴۰ء صادر ہوا تھا۔

"کونسل کی رائے کے مطابق ماہوار مذکور مزید تین سال کے لیے جاری رکھی جائے اس شرط پر کہ یہ کام اندرون مدت تکمیل ہونا ضروری ہے اور ختم مدت کے بعد ماہوار موقوف کردی

جائے گی اور مصنف سے ششماہی رپورٹ طلب کر کے دیکھا جائے کہ تصنیف کا کام برابر انجام پارہا ہے کہ نہیں''۔

شاہنامہ اسلام کی تیسری جلد شائع ہونے کے بعد اس کام کو جاری رکھنے کے لیے حفیظ جالندھری کو مزید تین سال کے لیے جو امداد دی گئی تھی اس کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا حتیٰ کہ حفیظ جالندھری نے بھی شاہنامہ اسلام کی چوتھی جلد کے دیباچے میں اس بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ چوتھی جلد میں اس امداد کے تذکرے سے احتراز کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ شاعر کو اس امداد کے مزید جاری رہنے کی کوئی توقع نہیں تھی۔ کوئی قدر افزائی و امداد کا اعتراف کرے یا اس تذکرے سے احتراز یہ ایک حقیقت ہے کہ چار جلدوں پر مشتمل شاہنامہ اسلام کی جلد سوم و جلد چہارم کی تکمیل سابق ریاست حیدر آباد کی سرپرستی ہی کا نتیجہ تھی۔۔☆

ماخذ

Instalment No. 84, List No. 4, S.No.441

اجرائی سہ صد روپیہ کلدار ماہانہ برائے سہ سال بنام شاعر حفیظ جالندھری۔
تصنیف کتاب شاہنامہ اسلام

فرمان

بملاحظۂ :- عرضداشت صیغۂ عدالت و امور عامہ معروضہ ۹۔ ربیع الثانی شریف ۱۳۵۶ھ آجو شاہنامہ اسلام کی تصنیف کیلئے حفیظ جالندہری کے نام ماہوار اجرا کرنے کی نسبت ہے ۔

حکم :- کونسل کی رائے کے مطابق حفیظ جالندہری کے نام شاہنامہ اسلام کی تصنیف کی غرض سے سردست تین سال کیلئے تین سو روپیہ کلدار ماہانہ اجرا کئے جائیں اس شرط سے کہ ہر سال جو کام یہہ کیا کرینگے اوسکو سررشتہ تعلیمات میں بھیجدینا ہوگا ۔ [illegible]

۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ

فرمان

بملاحظہ:- عرضداشت صیغۂ عدالت و امور عامہ معروضۂ ۲۸- رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ جو حفیظ جالندھری کے نام شاہنامہ اسلام کے تصنیف کی غرض سے جو ماہوار (ہمارا) جاری ہے اوس کے توسیع کی نسبت ہے۔

حکم:- کونسل کی رائے کے مطابق ماہوار مذکور مزید تین سال کے لئے جاری رکھی جائے اس شرط سے کہ یہہ کام اندرون مدت تکمیل ہونا ضروری ہے اور ختم مدت کے بعد یہہ ماہوار موقوف کردی جائیگی۔ اور مصنف سے ششماہی رپورٹ طلب کر کے دیکھا جائے کہ تصنیف کا کام برابر انجام پارہا ہے کہ نہیں۔ [دستخط]

۱۵- ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۹ھ

شوکت علی

مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی، علی برادران کے نام سے بھی مشہور تھے۔ یہ دونوں بھائی ذیلی براعظم ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے دو اہم کردار ہیں۔ گاندھی جی اور دوسرے اہم قومی قائدین سے ان کے نہایت قریبی تعلقات تھے۔ علی برادران میں مولانا شوکت علی بڑے بھائی تھے۔ سابق ریاست حیدرآباد کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع اپنے دونوں لڑکوں اعظم جاہ اور معظم جاہ کے ازدواجی رشتے خلیفہ ترکی کے خاندان میں طے کروانا چاہتے تھے اور انہوں نے اپنے بڑے فرزند کا رشتہ طے کروانے کے لیے مولانا شوکت علی کی خدمات سے استفادہ کیا تھا۔ مولانا نے آصف سابع کی خواہش اور ہدایت کے مطابق ان کے بڑے فرزند اور ریاست کے ولی عہد اعظم جاہ کا رشتہ خلیفہ ترکی سلطان عبدالمجید خان افندی کی اکلوتی صاحبزادی سے طے کروایا تھا۔ مولانا شوکت علی کی اس خدمت کے صلے میں اور ان کی ذی حیثیت شخصیت کا خیال کرتے ہوئے آصف سابع نے ان کے نام دوسری جنگ عظیم سے قبل دوسو روپے ماہانہ گراں قدر وظیفہ جاری کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ استقدامی اثر سے اس وظیفے کا بقایا بھی ادا کیا گیا اور مولانا شوکت علی کی رحلت کے بعد اس وظیفے کا ایک حصہ ان کے خاندان کی امداد کے لیے ادا کیا جاتا رہا۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی

ٹیوٹ کے ریکارڈ کی چھان بین کے بعد راز کی ایک مثل سے یہ مواد پیش کیا جارہا ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آصف سابع اور ان کی حکومت کی جانب سے مستحق اور برگزیدہ شخصیتوں کے ساتھ کس سخاوت اور دردمندی کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ یہ ایسے حقائق ہیں جن سے شاید ہی کوئی واقف ہو کیونکہ اس تعلق سے کوئی مستند مواد شائع نہیں ہوا ہے۔ مولانا شوکت علی کو مالی امداد جاری کرنے کی کارروائی کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع نے حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۳۶ء کے ذریعے مولانا شوکت علی کے نام تاحیات مالی امداد جاری کرنے کا خیال ظاہر کرتے ہوئے کونسل (کابینہ) کی رائے طلب کی۔

> ''مولوی شوکت علی نے سینیر پرنس کی نسبت خلیفہ ترکی کی صاحبزادی سے قرار دینے کے متعلق میری ہدایات کے مطابق جو کچھ قابل خدمات انجام دی تھیں اس سے غالباً کونسل ناواقف نہیں ہے اور اس وقت مولوی صاحب سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اطمینان کرلیں کہ جب وقت آئے گا اس کا کیا صلہ ملے گا میں ضرور غور کروں گا۔ چنانچہ دہلی میں جب یہ مجھ سے خانگی میں ملنے آئے تو ایک طرح سے میرے وعدہ کی یاددہانی کی تھی اور دوسری طرف اپنی مالی مشکلات کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ الحاصل اس بنا پر لکھتا ہوں جبکہ ریاست حیدرآباد نے محض رعایت کی بنا پر کئی اشخاص کو معقول وظیفے دیے ہیں (بغیر اس لحاظ کے کہ انہوں نے کوئی خدمات بھی ملک و مالک کی بجالائے ہیں یا نہیں) تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس شخص کو صلے سے محروم کیا جائے جو کہ درحقیقت اپنی بساط کے موافق اپنے قول و فعل سے بکارآمد ہونا کا ثبوت دیا ہے۔ پس مناسب ہوگا کہ اس تاریخ سے جبکہ برادران والا شان بعد عقد نائیس (جنوبی فرانس) سے حیدرآباد مراجعت کیے ہیں مولوی صاحب کے نام دوسو روپے کلدار (یعنی جنوری ۱۹۳۲ء سے) ازوقتہ تاحیات

جاری کیا جائے جو کہ اس وقت ان کی بہت امداد کا باعث ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ کونسل کو میری رائے سے پورا اتفاق ہوگا۔ بعد ختم تعطیلات عشرہ محرم کونسل اپنی رائے سے متعلق عرضداشت میرے ہاں پیش کرے۔''

کونسل کو آصف سابع کی رائے سے پوری طرح اتفاق نہیں تھا چنانچہ اس نے اپنے ایک اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی کہ مولانا شوکت علی صاحب کے سابقہ و حالیہ ریکارڈ کے مدنظر ان کے نام ایک سو روپے ماہانہ بطور اذوقہ تاریخ منظوری سے اجرا ہونا مناسب ہوگا نہ کہ استقدامی اثر سے۔ کونسل کی اس منظورہ قرارداد کو ایک عرضداشت مورخہ ۱۰ جون ۱۹۳۶ء کے ذریعے آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کیا گیا مگر اس عرضداشت پر جس میں کونسل کی قرارداد درج تھی آصف سابع کا کوئی فرمان صادر نہیں ہوا۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ آصف سابع چاہتے تھے کہ کونسل ان کی رائے کے مطابق مولانا شوکت علی کے لیے استقدامی اثر کے ساتھ دو سو روپے ماہانہ وظیفے کی سفارش کرے لیکن جب کونسل نے ایک سو روپے ماہوار تاریخ منظوری سے جاری کرنے کی سفارش کی انہوں نے کونسل کی قرارداد کو منظوری نہیں دی۔ اسی اثنا میں مولانا شوکت علی نے اپنے ایک مکتوب مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۳۷ موسومہ صدر اعظم ریاست حیدرآباد میں لکھا ''مجھ کو علم ہوا تھا کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام نے از راہ ہمت افزائی اور قدردانی میرے لیے دو سو روپے کلدار کا منصب مقرر فرمایا تھا اور وہ بھی یکم جنوری ۱۹۳۲ء سے جبکہ اعلیٰ حضرت کے حکم کے مطابق میں نے ہز ہائنس پرنس کی شادی کا خلیفہ سلطان عبدالمجید خان افندی کی صاحبزادی سے انتظام کرایا تھا۔ خدائے برتر نے اس سعی میں کامیابی عطا فرمائی تھی اور میں اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ ایسا نیک کام سرانجام پایا''۔ مولانا شوکت علی نے اپنے خط کے آخر میں لکھا کہ بعض وجوہ کی بنا پر آصف سابع کے فرمان کی اب تک تعمیل نہیں ہوئی ہے اس لیے درخواست ہے کہ اس بارے میں آصف سابع کا آخری حکم حاصل کر کے ان کے معاملے کا تصفیہ کر دیا جائے۔ مولانا شوکت علی کا یہ خط باب حکومت کے اجلاس منعقدہ ۱۸ اگست ۱۹۳۷ء میں پیش ہوا اور اس بارے میں باب حکومت نے یہ قرارداد منظور کی کہ کونسل مکرر

غور کرنے کے بعد عرض کرتی ہے کہ اگر منشائے مبارک یہ ہے کہ یکم جنوری ۱۹۳۲ء ہی سے دوسو روپے ماہوار وظیفہ جاری کر دیا جائے تو حسبہٗ تعمیل کی جائے گی۔ سرا کبر حیدری صدر اعظم نے اسی روز باب حکومت کی قرار داد ایک عرضداشت میں درج کر کے اسے آصف سابع کے احکام کے لیے پیش کیا۔ آصف سابع نے اس عرضداشت پر اپنے فرمان مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۳۷ء کے ذریعے مولانا شوکت علی کے نام یکم جنوری ۱۹۳۲ء سے دوسو روپے کلدار جاری کرنے کی منظوری دیتے ہوئے یہ احکام بھی صادر کیے کہ بقایا کی رقم فینانس میں محفوظ رکھی جائے جس کی نسبت بعد میں حکم مناسب صادر کیا جائے گا۔ بقایا کی رقم کی ادائی کے سلسلے میں کوئی تاخیر روانہیں رکھی گئی اور صرف دو روز بعد ہی کاظم یار جنگ، چیف سکریٹری دفتر پیشی اور سرا کبر حیدری، صدر اعظم کو آصف سابع کے یہ احکام وصول ہوئے کہ مولانا شوکت علی سے جو اس وقت حیدرآباد میں موجود تھے دریافت کیا جائے کہ اگر انہیں منظورہ ماہوار کا بقایا ادا کر دیا جائے تو وہ اس رقم کو کس طرح استعمال کریں گے۔ مولانا شوکت علی نے اس استفسار پر کاظم یار جنگ سے کہا کہ اس بارے میں آصف سابع کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ وہ چند سال سے اپنا وقت قومی اور اسلامی خدمت کے بعد زراعت اور باغبانی میں صرف کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے فرزند کو بھی اس کام میں مشغول کر دیا ہے۔ انہوں نے بھوپال میں کچھ زمین خریدی ہے اور نواب بھوپال نے بھی کچھ اراضی ان کو دی ہے جس پر انہوں نے آم اور دیگر پھلوں کے ہزار درخت قرض لے کر لگائے ہیں۔ ان زمینات پر باغبانی کے علاوہ زراعت بھی کی جارہی ہے۔ آصف سابع کی جانب سے عنایت ہونے والی رقم میں سے وہ پہلے چار ہزار روپے کا مکان خرید کر اپنی بھاوج (اہلیہ مولانا محمد علی مرحوم) کی رہائش کے لیے دینا چاہتے ہیں۔ بقیہ رقم وہ بعد ادائی قرضہ، زراعت اور باغبانی پر صرف کریں گے جسے وہ تجارتی اصول پر چلا رہے ہیں۔ مولانا شوکت علی نے ایسا ہی جواب سرا کبر حیدری صدر اعظم کو بھی دیا جس کی اطلاع سرا کبر حیدری نے ایک مراسلے کے ذریعے کاظم یار جنگ کو بھیج دی۔ مولانا شوکت علی کے جواب سے آگاہ ہونے پر آصف سابع نے اپنے فرمان مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۳۷ کے ذریعے مولانا شوکت علی کو یکم جنوری

۱۹۳۲ء سے دو سو روپے کلدار ماہوار کے حساب سے بقایا کی رقم ایصال کرنے کے احکام صادر کیے۔ اس فرمان کی تعمیل میں مولانا شوکت علی کو ساڑھے پانچ سال سے زیادہ مدت کا بقایا ادا کیا گیا۔

مولانا کو جو دو سو روپے کلدار ماہوار وظیفہ جاری ہوا تھا اسے وہ صرف ایک سال دو ماہ تک حاصل کر سکے کیونکہ نومبر ۱۹۳۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال پر ان کے فرزند زاہد علی نے سر اکبر حیدری کو لکھا کہ وہ اپنے والد کے انتقال کے باعث ناقابل بیان پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ ان کے وسیع خاندان کے لیے ان کے والد ہی ذریعہ پرورش تھے اور ان کے انتقال پر ان کے تمام ذرائع آمدنی یکا یک رک گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ ریاست حیدرآباد کے ماہوار وظیفے اور لجسلیٹو کونسل کے قلیل الاونس سے ان کے والد اپنے وسیع خاندان کی بمشکل پرورش کیا کرتے تھے اور مولانا اپنے نواسوں کی تعلیم کے اخراجات بھی ادا کیا کرتے تھے جو اس وقت علی گڑھ میں زیر تعلیم ہیں۔ انہوں نے اپنے مکتوب میں یہ بھی تحریر کیا کہ اس بات سے سب واقف ہیں کہ مولانا مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی مرحوم نے اپنے زندگی اپنے ملک، اپنے مذہب اور ملت کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی اس لیے دونوں بھی حصول معاش سے لاپرواہ رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے پسماندگان خود کو مصیبت میں مبتلا پاتے ہیں۔ زاہد علی نے یہ بھی لکھا کہ جہاں تک ان کا ذاتی تعلق ہے وہ اپنی جائز آمدنی سے گزر بسر کر لیں گے جیسا کہ ان کے برادر خورد زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن ان کو صرف یہی پریشانی ہے کہ مولانا کے کم عمر نواسوں اور نواسیوں کی تعلیم کس طرح ہوگی کیونکہ ان کے والدین کی مالی حالت ابتدا ہی سے ٹھیک نہیں تھی اسی لیے یہ ذمہ داری مولانا نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ مولانا مرحوم کے فرزند نے لکھا کہ اسی وقت ان کی کوئی ذاتی آمدنی نہیں ہے کہ وہ اپنے خاندان کی پرورش کے علاوہ ان بچوں کو بھی تعلیم دلا سکیں۔ اس لیے انہوں نے استدعا کی کہ جو ماہوار ان کے والد کے نام جاری ہوئی تھی وہ ان کے انتقال کی تاریخ یعنی ۲۷ نومبر ۱۹۳۸ء سے ان کے نام جاری کی جائے تاکہ وہ امداد کی رقم مولانا مرحوم کے نواسوں اور نواسیوں کی تعلیم اور دیکھ بھال پر صرف کر سکیں۔ جب

یہ کارروائی باب حکومت میں پیش ہوئی تو اس بارے میں ایک قرار داد منظور کی گئی جس کے ذریعے مرحوم کی بیوہ دختر کے نام ان کی اور ان کی اولاد کی پرورش کے لیے مولانا شوکت علی کی ماہوار کا ایک ثلث یعنی چھیاسٹھ ۶۶ روپے کلدار ماہانہ مرحوم کے انتقال کی تاریخ سے جاری کیے جانے کی سفارش کی گئی۔ اس سفارش پر آصف سابع نے مولانا شوکت علی مرحوم کی بیوہ دختر کے نام پچاس روپے کلدار اجرا کرنے کے احکام صادر کیے۔ چونکہ مولانا کی دختر کا بھی انتقال ہو چکا تھا اس لیے ایک عرضداشت کے ذریعے باب حکومت کی قرارداد آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں منظورہ ماہوار مولانا کے نواسوں اور نواسیوں کے نام جاری کرنے کی سفارش کی گئی۔ آصف سابع نے باب حکومت کی قرار داد کو منظوری دیتے ہوئے حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۴۰ صادر کیا۔

"کونسل کی رائے کے مطابق مولوی شوکت علی کی مرحومہ دختر کی منظورہ ماہوار پچاس روپے کلدار ان کے فرزندوں اور دختروں کے نام اس شرط سے جاری کی جائے کہ یہ ماہوار اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کوئی لڑکی نا کتخدا رہے یا کوئی لڑکا تا سن اکیس سال زیر تعلیم ہو"۔ ☆

ماخذ

مثل دفتر پیشی صدر اعظم بہادر باب حکومت

نشان مثل (۴) باب (۳) ۱۳۴۵ ف صیغہ فرمان (راز)

مقدمہ: اجرائی ماہوار تا حیات دو سو روپے کلدار بنام مولوی شوکت علی صاحب

از جنوری ۱۹۳۲ء